

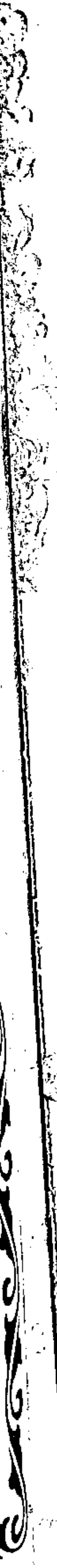
# قرآنی فلسفہ و عقائد

جلد اول

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

منہاج القرآن پبلیکیشنز





کتاب وسنت کے عظیم انقلابی فکر پر مبنی

# قرآنی فلسفۃ انقلاب

جلد اول

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ترتیب و تدوین

طاہر حمید تنولی

منہاج القرآن پبلی کیشنز

365- ایم، ماڈل ٹاؤن، لاہور

فون: 5168514، 3-5169111-042، فیکس: 5168184

URLs: [www.minhaj.org](http://www.minhaj.org) & [www.minhaj.net](http://www.minhaj.net)

E-mail: [tehreek@minhaj.org](mailto:tehreek@minhaj.org)

جملہ حقوق بحق تحریک منہاج القرآن محفوظ ہیں

نام کتاب	:	قرآنی فلسفہ انقلاب (جلد اول)
تصنیف	:	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
ترتیب و تدوین	:	ڈاکٹر طاہر حمید تنولی
زیر اہتمام	:	فریڈملت ریسرچ انسٹیٹیوٹ Research.com.pk
مطبع	:	منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور
اشاعت اول	:	جون 1999ء (1,100)
اشاعت دؤم	:	جون 2000ء (1,100)
اشاعت سوم	:	نومبر 2001ء (1,100)
اشاعت چہارم	:	نومبر 2002ء (1,100)
اشاعت پنجم	:	ستمبر 2005ء (1,100)
اشاعت ششم	:	فروری 2009ء (1,100)
تعداد	:	1,100
قیمت پریئر پیپر	:	390/- روپے

۲۹۷۶۱۱  
ط ۷  
۷-۱  
۷۹۵۱۸  
۷



نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصانیف اور ریکارڈڈ خطبات و لیکچرز کی کیسٹس اور CDs سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی ان کی طرف سے ہمیشہ کے لیے تحریک منہاج القرآن کے لیے وقف ہے۔  
(ڈائریکٹر منہاج القرآن پبلی کیشنز)

fmri@research.com.pk

اللَّهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ

مَوْلَانِي صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا  
عَلَى خَيْرِ خَلْقِكَ  
مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْكَوْنَيْنِ وَالْقَلْبَيْنِ  
وَالْفَرِيقَيْنِ مِنْ عَرَبٍ وَمِنْ عَجَمٍ

صلى الله عليه وسلم

صَلَّى اللَّهُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

## نوٹیفیکیشن

گورنمنٹ آف پنجاب کے نوٹیفیکیشن نمبر ایس او (پی۔اے) ۱۰۱-۸۰ پی آئی وی مورخہ ۳۱ جولائی ۸۳، گورنمنٹ آف بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۳-۱۲۰ ای جنرل وایم ۳/۹۷۰-۷۳ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء، شمال مغربی سرحدی صوبہ کی حکومت کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱-۶۷-این۔اے ڈی (لاہری) مورخہ ۳۰ اگست ۸۶ء اور آزاد حکومت ریاست جموں و کشمیر مظفر آباد کی چٹھی نمبر س ت / انتظامیہ / ۶۳-۶۱-۸۰/۹۲ مورخہ ۲ جون ۹۲ء کے تحت پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصنیف کردہ کتب ان صوبوں میں تمام کالجوں اور سکولوں کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

## انتساب

پیغمبر انقلاب، ختم الرسل، مہبط وحی

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

کے نام جن کی بعثت نے دنیا کو نئی بعثت سے بے نیاز کر دیا۔

آں کہ شان او یھدی من یرید : از رسالت حلقہ گردما کشید  
رونق از ما محفل ایام را : اور سل را ختم و ما اقوام را  
لا نبی بعدی ز احسان خدا است : پردہ ناموس دین مصطفیٰ است

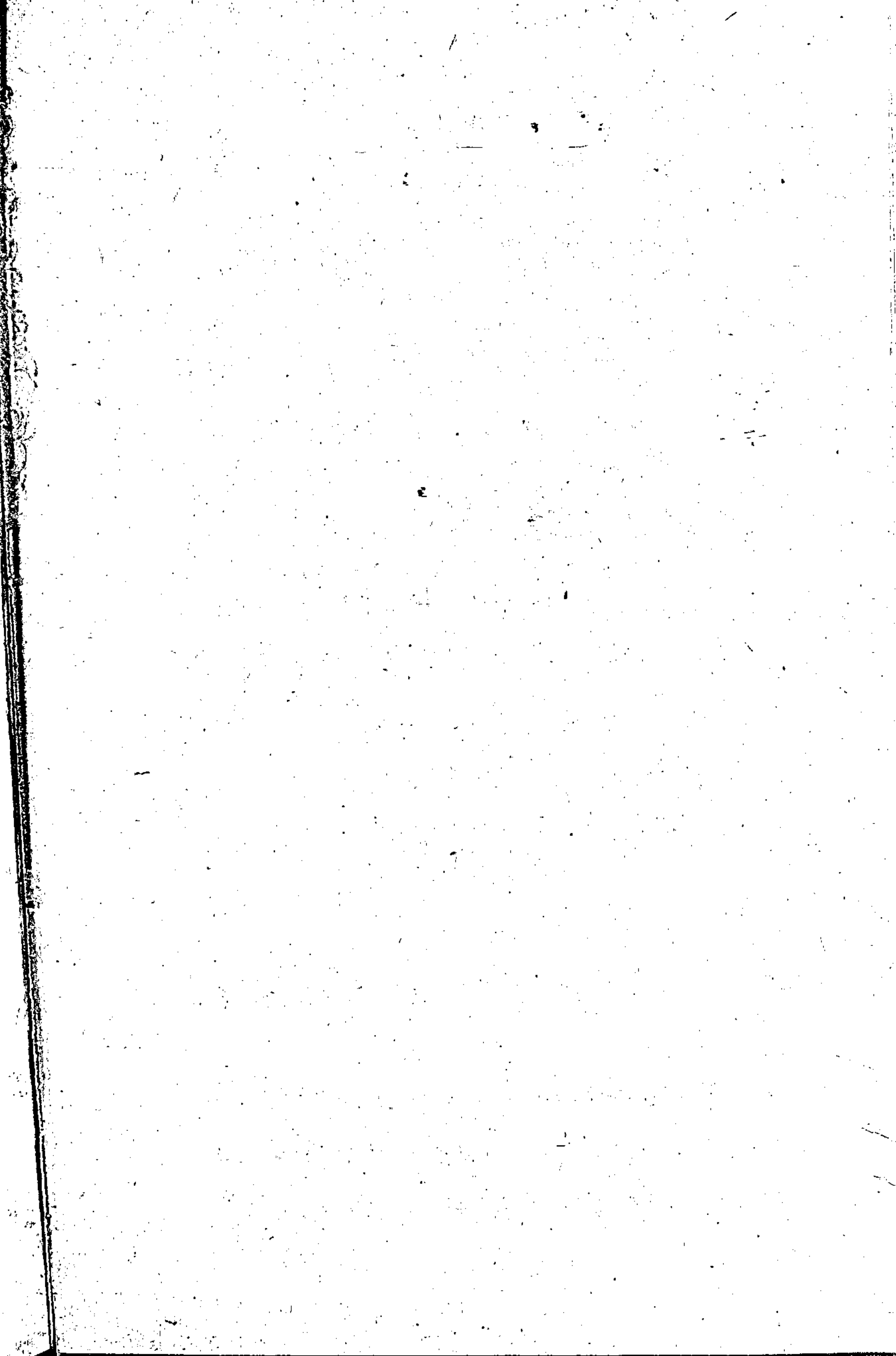
صحیفہ انقلاب، ختم الوحی، ہدایت اقوام

قرآن مجید

کے نام

قلب محمد رسول اللہ ﷺ پر جس کے نزول کے بعد دنیا ہدایت نو سے بے نیاز ہو گئی۔

فاش گویم آنچه در دل مضمحل است : این کتابے نیست چیزے دیگر است  
اندر و تقدیر ہائے عزب و شرق : سرعت اندیشہ پیدا کن چوں برق  
مثل حق پہاں وہم پیدا است این : زندہ و پائندہ و گویا است این





## فہرست

صفحہ

عنوانات

نمبر

17

مقدمہ

باب اول

-1-

63

قرآنی فلسفہ انقلاب کیا ہے؟

65

ابتدائیہ

65

قومی زندگی میں راست فکر کی اہمیت

66

قرآنی انعام فکر چہارگانہ فرائض نبوت کی روشنی میں

67

تلاوت آیات

68

تزکیہ نفوس

68

تعلیم کتاب

68

تعلیم حکمت

69

اسوہ انبیاء کی روشنی میں حکمت کی اہمیت

75

کیا فلسفہ انقلاب ایک سائنس ہے

75

معیاری دین

76

معمول بہ دین

82

ابدی فلاح کا قانون قرآن حکیم کی روشنی میں

91

گزشتہ اقوام کے ہلاکت کے اسباب

95

کامیاب لوگ کون ہیں؟

100

کامیابی کی ضمانت کیا ہے؟

104	جدوجہد انقلاب کے تین ادوار
104	انقلاب کے تعینات خمہ
105	تضاد کا تعین
113	مراحل خمہ کا تعین
117	عبوری حکمت عملی
118	رد عمل اور جوابی حکمت عملی
118	موافقین کا رد عمل
124	مخالفین و رجعت پسندوں کا رد عمل
128	مخالفین و مصلحت پسندوں کا رد عمل
133	قبل از وقت تصادم کا التواء
135	نتیجہ خیزی کی ضمانت
136	الوہی منصوبہ بندی
139	احیائی جدوجہد
142	ایمان
149	عمل صالح
154	فکری و باطنی کردار
157	عملی و ظاہری کردار
162	انقلاب کے دو نقطہ ہائے نظر
163	انقلاب کا قرآنی تصور
175	خواہشی

صفحہ	عنوانات	نمبر
	باب دوم	2-
189	تاریخ زوال امت	
191	دور نبوت و خلافت راشدہ	
195	اموی و عباسی دور	
198	جنگ عظیم اول کے بعد	
199	برطانوی سامراج کا بھیانک منصوبہ	
202	خلافت اسلامیہ کے بارے میں ایک اہم اشکال اور اس کا جواب	
203	دور خلافت راشدہ بحیثیت تاریخ اسلام کا مثالی دور	
204	آئیڈیل ایک ہی ہوتا ہے	
208	اسلام کی سیاسی تاریخ میں نشیب و فراز کی حقیقت	
209	ایک مثال سے مذکورہ تصور کی وضاحت	
214	سیاسی قوت کے حصول کا مقصود	
215	حکمرانوں کی محلاتی زندگی کو قومی و ملی زندگی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا	
218	ایک لطیف نکتہ	
219	خلاصہ کلام	
220	دور زوال کا المیہ۔ دینی جدوجہد کی بے ثمریت	
223	دینی جدوجہد کی بے ثمریت کا مداوا	
226	قرآن اور اہمیت یقین کا بیان	
233	مشاہدہ نتائج کا یقین زائل کیونکر ہوا؟	
234	فکری نظام کا جمود	

235	قوت نافذہ کا چھن جانا	
235	فکری تغیرات	
241	حواشی	
	باب سوم	3-
247	سیاسی فکر میں تغیر	
249	ابتدائیہ	
251	فکری سطح پر سیاسی فکر میں تغیرات	
252	سیاسی غلبہ قرآن و سنت کی روشنی میں	
256	سیاسی غلبے کا تصور	
256	فتح و کامیابی کا غیر متزلزل یقین	
258	لمحہ فکریہ	
260	دنیا میں معروضی نتائج کی ضمانت	
264	پیغمبرانہ جدوجہد کی تاریخ	
269	اہل حق کی پہچان	
271	نتیجہ خیزی کا تسلسل	
271	علمی سطح پر سیاسی فکر میں تغیر	
272	عملی سطح پر سیاسی فکر میں تغیر	
274	نظام انتخابات	
274	انتخابات کے لیے امیدوار کی شرائط اہلیت	
275	سیاسی جماعتوں کی اہلیت	

275	سیاسی ڈھانچہ	
277	حواشی	
	باب چہارم	4-
281	معاشی فکر میں تغیر	
283	ابتدائیہ	
284	منصب دارانہ نظام کی اصل سنت مطہرہ سے	
286	دینی مدارس اور روحانی خانقاہوں کا نظام	
287	منصب دارانہ نظام کا خاتمہ	
289	قرآنی تصور کی جگہ فقہی و قانونی تصور کا اجراء	
290	اہل ثروت سے معاشی کفالت کی ذمہ داری کا خاتمہ	
291	اسلامی نظام معیشت میں ملکیت سے مراد محض امانت ہے	
293	کیا انفاق ایک اضافی نیکی ہے؟	
296	اخلاق و مذہب اور معیشت و اقتصاد میں تفریق	
297	کیا صحابہ کرام کا فقر اضطراری تھا؟	
299	اسلامی معاشرے میں تقسیم دولت کے گیارہ اصول	
303	حواشی	
	باب پنجم	5-
307	فقہی و قانونی فکر میں تغیر	
309	ابتدائیہ	

309	فقہی و قانونی فکر میں عملی تغیرات	
315	قانون اسلامی کا وظیفہ	
316	اقدار کا احیاء	
316	موجودہ مذہبی ذہن کی فکر	
317	فقہی و قانونی فکر میں علمی و فکری تغیرات	
317	اجتہاد کا فکری تصور	
318	قانونی جہت	
319	ہیتِ اصلیہ و ہیتِ کذائیہ	
320	معاشرتی جہت	
320	معاشی جہت	
322	دینی جہت	
325	حواشی	
	باب ششم	-6
335	عمرانی و سماجی فکر میں تغیر	
335	ابتدائیہ	
335	دور جدید کی جاہلیت	
336	نسلی افتراق	
336	طبقاتی افتراق	
336	حمیۃ الجاہلیۃ، ظن الجاہلیۃ	
337	تبرج الجاہلیۃ، حکم الجاہلیۃ	

339	موثرات حیات کی تبدیلی کا اثر
340	فتنہ و وطن پرستی اور اقبال
341	عمرانی و سماجی فکر میں تغیر کا سبب
342	تدارک کا منہاج
344	ہیت عمرانی کی تشکیل نو کی ضرورت
345	خاندان
350	مسجد
351	مدرسہ
353	ریاست
354	قرآنی ہدایت اور حیات انسانی کی انفرادی سطح
354	قرآنی ہدایت اور حیات انسانی کی قومی سطح
355	قرآنی ہدایت اور حیات انسانی کی بین الاقوامی سطح
357	حواشی
	باب ہفتم
361	تہذیبی و ثقافتی فکر میں تغیر
363	ابتدائیہ
363	کلچر کیا ہے؟
365	ثقافت کے تین نمونے
368	انتقال تہذیب
373	مسلم ثقافت کا ماضی اور حال

374	مسلم تہذیب و ثقافت پر باطل کا سہ جہتی حملہ
375	نظریاتی حملہ
376	ثقافتی حملہ
378	جذبائی حملہ
379	سہ جہتی حملہ کے بنیادی اسباب
380	ادراک
382	ارادہ
384	جذبہ
386	اسلامی تہذیب و ثقافت اور مستشرقین
388	جدید مسلم ذہن پر مستشرقین کا اثر
388	تدارک کا منہاج
389	مسلم معاشرے کے لیے لمحہ فکریہ
391	حواشی
	باب ہشتم

-8

## دینی و مذہبی فکر میں تغیر

395	
397	ابتدائیہ
397	پہلا حملہ: مادیت
397	مادیت سے جنم لینے والے فتنے
398	حکم الجاہلیہ
398	ظن الجاہلیہ



398	تبرج الجاهلیہ	
399	حمیۃ الجاہلیہ	
400	دوسرا حملہ: اشراقیت	
400	تیسرا حملہ: متنہیت	
401	چوتھا حملہ: معرضیت	
402	طاغوتی یلغار سے پیدا ہونے والے تغیرات	
403	ا۔ تکمیل دین	
403	ب۔ ختم نبوت	
404	ج۔ توحید	
406	قرآنی نظام دعوت	
409	قرآن سے اخذ ہدایت کے مواقع	
411	حواشی	
	باب نہم	9-
417	تعلیمی و تربیتی فکر میں تغیر	
419	ابتدائیہ	
419	مذہبی علوم	
419	غیر مذہبی علوم	
420	دور زوال اور ہمارا دینی نصاب	
421	فن تفسیر کی تعبیر نو کی ضرورت	
423	کتاب و سنت اور اخلاقی فضائل	

425	تعلیمی تغیر کا تدارک
425	تربیتی فکر میں تغیر
428	فطرت بالقوة
428	فطرت بالفعل
428	اقرار الوہیت
429	فجور و تقویٰ کا امتیاز
429	بصیرت نفس
430	امانت کی ذمہ داری کا احساس
433	فطرت بالقوة کی نشوونما
434	نفس امارہ
434	نفس لوامہ
435	نفس مطمئنہ
437	حواشی
441	فرہنگ مصطلحات
457	اشاریہ
531	ضمیمہ جات

## مقدمہ

تاریخ نے اپنے دامن میں تہذیب انسانی کے عروج و زوال کی کئی داستانوں کو سمیٹ رکھا ہے۔ تاریخ انسانی جہاں عروج و زوال اولاد آدم کی واقعاتی داستان بیان کرتی ہے۔ وہاں ان واقعات کے مابین السطور ان اسباب و علل کی نشاندہی بھی کرتی ہے جو اس کے عروج و زوال کا باعث بنے۔ تاریخ انسانی میں انبیاء ہی وہ واحد طبقہ ہیں جنہوں نے انسانیت کو راہ فلاح دکھائی۔ غیر انبیاء میں سے جس نے بھی انسانیت کے گرتے وجود کو سنبھالا دینے کی جدوجہد کی وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ انبیاء کرام سے ہی خیرات نور لیتا رہا۔ تاریخ انبیاء کا یہ سلسلہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات ستودہ صفات پر آکر منتہائے کمال کو پہنچ گیا

آتش او صد ابراہیمؑ سوخت  
تا چراغ یک محمدؐ بر فروخت

(اقبال)

حضور ﷺ کے ختم الانبیاء اور حامل ختم الوحی ہونے سے ہدایت ربانی کی ترسیل کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے منتہائے کمال کو پہنچ گیا۔ انسانیت اب اپنے وجود بیمار کو حیات نو دینے کے لئے نئی بعثت کی محتاج نہیں رہی۔ کیونکہ قرآن حکیم کو حدود زماں و مکاں کے اثرات سے پاک کر کے خاتم الوحی کا منصب بخشا گیا۔ اور ہمیشہ کے لئے اس کتاب مقدس کی ہدایت دہی کے محفوظ ہونے کو موعود کر دیا گیا۔ یہ خوش بختی امت مسلمہ کے حصے میں آئی ہے کہ وہ اس ہدایت ربانی کی وارث ہے۔

گرچہ ملت ہم بمیرد مثل فرد  
از اجل فرماں پذیرد مثل فرد

امت مسلم از آیات خدا است اصلش از ہنگامہ قالوا بلی است  
 از اجل این قوم بے پروا است : استوار از سخن نزلنا است  
 ذکر قائم از قیام ذاکر است از دوام او دوام ذاکر است  
 تا خدا ان یطفوا فرمودہ است از فرودن این چراغ آسودہ است

یہ منصب اب امت مسلمہ کا ہے کہ وہ اس ہدایت پر خود بھی کار بند ہو کر اپنے مقصود کو پائے اور اس کے نشرو فروغ کے لئے کار بند رہے۔ مگر جب امت مسلمہ نے اس ہدایت ربانی سے عملاً انحراف اور تمرد کی راہ اختیار کی تو قوانین قدرت کے تحت دولت ایام کا اثر امت مسلمہ پر بھی ہوا۔ اور غیر متبدل سنت الہی کا اجراء ان کا مقدر ٹھہرا۔ دور نبوت و خلافت راشدہ کے مثالی زمانے کے بعد جس دور میں بھی جس جس حوالے سے امت مسلمہ نے ہدایت قرآنی سے انحراف، تبدیل، تمرد اور اعراض کا راستہ اختیار کیا وہ شعبہ حیات زوال کی نذر ہوتا گیا۔ اہل درود صاحبان بصیرت کی طرف سے اصلاح احوال کی کوششیں بھی ہر دور میں جاری رہیں تاکہ امت کی ناؤ کو سوئے منزل رواں دواں رکھا جاسکے۔

اگر ہم احیائے اسلام کی کوششوں کی تاریخ کا جائزہ لیں تو احیائے دین کے حوالے سے تاریخ اسلام میں اٹھنے والی پہلی مؤثر آواز امام حسینؑ کی سنائی دیتی ہے۔ آپ کی آواز حق دراصل اس دور کی سامراجیت، جبر اور دین و ملت کے تشخص کو مجروح کرنے کی مکر وہ کوشش کے خلاف حریت فکر اور ملت کے اجتماعی وجود کی بقا کی علمبردار تھی آپ کے بعد بھی ہر دور میں اہل حق نے ملی وجود کو حیات نو دینے کے لئے جدوجہد جاری رکھی۔ تاہم احیائے اسلام کی جدوجہد کو ایک باقاعدہ موضوع کے طور پر لے کر اٹھنے کا امتیاز امام غزالیؒ کو حاصل ہے۔ آپ کی تصنیف ”احیائے علوم الدین“ اس حوالے سے کلیدی کردار کی حامل ہے۔ آپ نے ان مؤثرات حیات کو بیان کرتے ہوئے جو ملی وجود کے مختلف شعبوں کو دوچار کرنے کا باعث بنتے ہیں، ان کے تدارک کا منہج بھی بیان کیا۔ دور جدید کے مفکرین میں شاہ ولی اللہ، جمال الدین افغانی، مفتی محمد عبدہ، حسن البنا، سید قطب، شہید، عبید اللہ سندھی، علامہ محمد اقبال اور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی وہ

نمایاں اہل دانش ہیں جنہوں نے احیائے اسلام کی انقلابی جدوجہد کو ایک فکر کے طور پر آگے بڑھایا۔ اگر ہم برصغیر میں فکر انقلاب کے فروغ کے ارتقاء کا جائزہ لیں تو شاہ ولی اللہ علامہ محمد اقبال، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی اور ڈاکٹر محمد طاہر القادری اس مضمون کا عنوان ٹھہرتے ہیں۔ ان کی خدمات کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

## شاہ ولی اللہ دہلوی اور ملت اسلامیہ کی نشاۃ نو

اورنگزیب عالمگیر نے اگرچہ اپنے دور حکومت میں اکبری دور کے الحاد کا قلع قمع کر دیا تھا مگر اس کے بعد اس کے نااہل جانشینوں کی وجہ سے فتنوں کا آتش فشاں پھٹ پڑا۔ ایوان اقتدار سے لے کر عامۃ الناس تک ہر جگہ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بیرونی قوتیں ان حالات میں ہندوستان کو حریص نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ شاہ ولی اللہ کی ولادت (۱۷۰۳ء) کے دور کے یہ حالات تھے۔ برصغیر پاک و ہند میں ملت اسلامیہ کے احیاء کے حوالے سے شاہ ولی اللہ کی خدمات جامعیت کی حامل ہیں۔ آپ نے ایک طرف عامۃ الناس کو دین کے اصل مبادی اور قرآن و سنت کی طرف راغب کرنے کی ٹھوس کاوش کی تو دوسری طرف ملکی سیاسی و انتظامی حالات کو سدھارنے کے لیے بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ الفوز الکبیر، المسوی اور المصفی شاہ صاحب کی قرآن و حدیث کی خدمات کے حوالے سے آج بھی رہنما کتب کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسی طرح فقہ و تصوف میں شاہ صاحب نے الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، التفہیمات الالہیہ، العقد الجید اور الطاف القدس جیسی کتب لکھ کر اختلافات و نزاعات کو حل کرنے اور ملت کو تعمیری راہ پر ڈالنے کی سعی کی۔

شاہ صاحب کا دور سیاسی لحاظ سے بدامنی، طوائف الملوکی اور سیاسی عدم استحکام کا دور تھا۔ مسلمانوں کے گرتے ہوئے وجود اور بکھرتی قوت کو پھر سے سمیٹنے کے لیے شاہ صاحب اپنی تمام تر توانائیاں بروئے کار لائے۔ احمد شاہ ابدالی، نظام الملک آصف جاہ اور کئی دیگر عمائدین کو اپنے خطوط میں شاہ صاحب نے برصغیر میں مسلمانوں کی قوت کے دوبارہ احیاء کے لیے واضح رہنمائی فراہم کی۔ ان خطوط میں جہاں شاہ صاحب

کی ملکی حالات پر نظر اور ان کا صحیح تجزیہ نظر آتا ہے وہاں شاہ صاحب برصغیر میں مسلمانوں کی قوت کے دوبارہ حصول کی ایمانی و ایقانی بنیاد بھی فراہم کرتے نظر آتے ہیں۔

عمرانی اور سیاسی فکر کے باب میں بھی شاہ صاحب نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ حجۃ اللہ البالغہ میں بیان کردہ نظریہ ارتقاقت اربعہ اور معاشی نظریات شاہ صاحب کی ندرت فکر کے گواہ ہیں۔ غرضیکہ شاہ ولی اللہ کی کاوشیں برصغیر پاک و ہند میں اسلامی تحریکوں کے لیے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔ فیوض الحرمین میں شاہ صاحب فرماتے ہیں:

”میں مکہ مکرمہ میں تھا کہ میں نے خود کو قائم الزمان دیکھا۔ قائم الزمان سے میری مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی اچھے نظام کے قیام کا ارادہ فرمایا تو اس نے مجھے آلہ جارحہ بنایا۔“

تفہیمات میں بھی شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے اطلاع دی گئی کہ تم کمال کے افق کے سردار بن جاؤ گے یہاں تک کہ تیرے بعد آنے والا ہر مقرب الہی بلا واسطہ یا بالواسطہ تجھ سے اکتساب فیض کرے گا۔ اٹھارویں صدی کے بعد برصغیر میں اٹھنے والی تحریکوں کے داعیین بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر شاہ ولی اللہ سے ہی فیض یافتہ تھے۔

برصغیر پاک و ہند میں اصلاح احوال کے لئے کاوشیں کرنے والوں میں مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا محمود الحسن (تحریک ریشمی رومال) ابوالکلام آزاد (حزب اللہ)، علی برادران (تحریک خلافت)، مولانا احمد رضا خان بریلوی اور جمعیت علماء ہند کا نام نمایاں ہے ان میں ہر شخصیت اور ہر تحریک کے اثرات و نتائج ان کے اپنے اپنے

نظام فکر و عمل کے تحت مرتب ہوئے جن پر آج تک بہت کچھ لکھا جا رہا ہے۔  
 عالمی سطح پر جمال الدین افغانی نے اتحاد امت مسلمہ کے انتھک سفیر کا کردار  
 ادا کیا۔ ان کی صحبتوں و کاوشوں کے اثر سے ڈاکٹر محمد عبدہ ڈاکٹر طہ حسین علامہ رشید  
 رضا جیسے لوگ سامنے آئے جنہوں نے اپنے اپنے دائرہ اثر میں امت مسلمہ کی حیات نو  
 کے لئے کام کیا۔ مذہبی حوالے سے تحریک وہابیت نے بھی بلاد عرب سے کام کا آغاز  
 کیا مگر جمہور اسلام کے متعلق ان کے متشدد ادب اور متعصبانہ رویہ نے تحریک وہابیت  
 کو ایک جاندار تحریک بنانے کی بجائے ایک متشدد فرقہ اور گروہ میں بدل دیا۔ بلاد عرب  
 سے رواں صدی کی نمایاں تحریک حسن البناء شہید کی اخوان المسلمین ہے جس کا آغاز  
 ۱۹۲۸ء میں ہوا۔ اس نے حالات کی دگرگونی کے باوجود رواں صدی کی ایک نمایاں  
 تحریک کے طور پر تاریخ کے صفحات میں اپنا نام لکھوایا۔ گو وہ اپنے مقاصد و اہداف  
 کے حصول میں کامیاب نہ رہی۔ ان تحریکوں کا تسلسل جاری ہے۔ اور عالم اسلام میں  
 مختلف شخصیات اور جماعتیں حتیٰ المقدور اصلاحی کاوشیں جاری رکھے ہوئے ہیں۔  
 دور جدید میں جب بھی امت مسلمہ کے فکری و عملی انقلاب کے لئے کی  
 جانے والی کاوشوں کی تاریخ لکھی جائے گی تو تین نام اس دور کا عنوان بنیں گے:

علامہ محمد اقبال۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ڈاکٹر محمد اقبال اور فکر اخیائے ملت اسلامیہ

اس دور میں جبکہ عالمی استعمار نے امت مسلمہ کی زندگی کے ہر شعبے میں  
 اپنے نیچے گاڑ دیئے تھے۔ اور شرق سے غرب تک عالمی سامراج عالم اسلام پر اپنی  
 گرفت مضبوط کر چکا تھا۔ ہر جگہ امت مسلمہ کا وجود غلامی و محکومی کے چنگل میں گرفتار  
 تھا اور اس کی حیات نو ایک خواب بن چکی تھی۔ یہ اقبال ہی کی شخصیت تھی جس نے

زوال اور ذلت کے ان گٹھا ٹوپ ہاندھیروں میں باوجود مغربی فکر کے پروردہ ہونے کے عروج مسلم کے چمکتے ستارے کو دیکھا۔

اگر عثمانیوں پہ کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے  
 کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا  
 کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے  
 یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا  
 تیرے سینے میں ہے پوشیدہ راز زندگی کہہ دے  
 مسلمان سے حدیث سوز و ساز زندگی کہہ دے

(اقبال)

احیائے ملت اسلامیہ کی حالیہ تاریخ میں اقبال کی حیثیت ایک برزخی سنگ میل کی ہے کہ اقبال نے مشرق و مغرب کے فکر و فلسفہ کا مطالعہ کیا۔ مغرب کے اعلیٰ تر فکری و علمی دماغوں کا تنقیدی جائزہ لیا اور پھر حضور ختمی مرتبت ﷺ، اسلام اور اقدار اسلام کی سر بلندی کا نعرہ مستانہ بلند کیا۔ یعنی ایک طرف اقبال کی نظر دور جدید کی ترقی اور علمی عروج پر تھی تو دوسری طرف وہ احیائے ملت اسلامیہ کے علمبردار بھی تھے۔ دور جدید کے فکر و فلسفہ کا حامل ہونے کے باوجود اس سے مرعوب نہ ہونے اور فکر قرآن کو ہدایت بے بدل اور فلاح انسانیت کے لئے لازمی سمجھنے نے اقبال کے قول و فکر کو ثقاہت و اعتبار کے اعلیٰ تر درجے تک پہنچادیا۔

دور جدید میں جو بھی فتنے اٹھ رہے تھے جن کا اثر ہماری حیات ملی کے انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں پر پڑ رہا تھا اقبال نے ان کا صحیح ادراک کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے بعد اقبال برصغیر کی شاید وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے ملت اسلامیہ کو



درپیش مسائل کا علاقائی اور عالمی تناظر میں صحیح ادراک کیا۔ اور اس کے مرتب ہونے والے اثر کو اپنی مومنانہ بصیرت سے دیکھا۔

حادثہ وہ جو ابھی پردہ افلاک میں ہے

عکس اس کا میرے آئینہ ادراک میں ہے

اقبال نے اپنے دور کے فکری و نظریاتی بحرانوں کا اپنے نقد و نظر سے تجزیہ کیا

اور ان کے اثرات سے قوم کو آگاہ کیا۔ اقبال نے جہاں اس دور کے عصری

(Contemporary) مسائل و بحرانوں میں قوم کی سیاسی اور فکری رہنمائی کا فریضہ

انجام دیا وہاں مستقبل کے عروج و اقبال کی بشارت دیتے ہوئے ان فکری مسائل کے

حل کے لئے سعی بھی کی جو ملی وجود کے تشخص کو مجروح کر سکتے تھے۔

اس دور کا ایک بڑا المیہ ذات نبوت ﷺ کے ساتھ ملت کے انفرادی و

اجتماعی تعلق کا تھا۔ کئی مذہبی و سیاسی وجوہات کی بنا پر اسے متنازعہ بنایا جا رہا تھا۔ اقبال نے

اس فتنے کا موثر تدارک کیا۔ اور قوم کو اس کی اہمیت سے آگاہ کیا۔

از رسالت در جہاں تکوین ما

از رسالت دین ما آئین ما

از رسالت صد ہزار مایک است

جزو ما از جزو ما لاینفک است

آں کہ شان اوست یھدی من یرید

از رسالت حلقہ گرد ماکشید

فرد از حق ملت از وے زندہ است

از شریع مہر او تابندہ است

ازِ رعالتِ ہم نوا گشتیم ما  
ہم نفس و ہم مدعا گشتیم ما

(رموز بخودی: اقبال)

ذات نبوت سے پیوستگی کو متنازعہ بنانے کے بحران کے بطن سے ایک نئے  
فتنہ نے جنم لیا۔ جس کا شکار نہ صرف عام سیاسی ذہن بلکہ خود مذہبی ذہن میں بھی تھا۔  
وہ فتنہ وطنیت تھا۔ جب مذہبی اساطین بھی اس کا شکار ہو رہے تھے۔ اقبال نے اس تصور  
کو کہ اسلام میں ملت کی اساس وطن نہیں بلکہ دین ہے، واضح کرنے کے لئے نظم و نثر  
میں موثر آواز بلند کی۔ تاہم ان میں سب سے اہم علامہ کا وہ بیان ہے جو انہوں نے  
مولانا حسین احمد مدنی کے بیان کے جواب میں دیا۔

یہ اقبال کی ہی بصیرت تھی کہ انہوں نے اس وقت جنوب مشرقی ایشیا میں  
ایک الگ مسلمان ریاست کے قیام کی ضرورت کو محسوس کیا جب یہاں غلبہ باطل کے  
اثرات کے تحت ایک آزاد مسلم ریاست کے قیام کی کوئی امید نہ تھی۔

احیائے ملت اسلامیہ کے حوالے سے اقبال کی نظم و نثر میں تفصیلی افکار و  
خیالات ملتے ہیں خطبہ آلہ آباد میں برصغیر میں الگ وطن کے قیام کی تجویز بھی اقبال  
کے اسی فکر کا تسلسل ہے تاہم اس حوالے سے اقبال کا ایک مکتوب بڑا اہم ہے جو انہوں  
نے ۲۸ مئی ۱۹۳۱ء کو راجب احسن کو لکھا۔ اس میں اقبال نے احیائے ملت اسلامیہ کے  
مستقبل کے خدو خال کو بیان کیا۔

”مدت ہوئی میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک سیاہ پوش فوج عربی گھوڑوں  
پر سوار ہے۔ مجھے تفہیم ہوئی کہ یہ ملائکہ ہیں۔ میرے نزدیک اس کی تعبیر یہ ہے کہ  
ممالک اسلامیہ میں کوئی جدید تحریک پیدا ہونے والی ہے۔ عربی گھوڑے سے مراد

روح اسلاف ہے۔“ (ضمیمہ نمبر ۶)

اقبال نے اپنے نظم و نثر میں ان تمام افکار و نظریات کا اجمالاً یا تفصیلاً تذکرہ کیا جو آج احيائے ملت اسلامیہ کے لئے چراغِ راہ کا کام دے رہے ہیں۔

مسلم فکری تاریخ میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کا مقام

اقبال کا جلایا ہوا چراغ کئی دیگر چراغوں کی ضونمائی کا باعث بنا۔ کیونکہ اس دور زوال میں اقبال کی بانگِ درانے مایوس قوم کے لیے دم عیسیٰ، خوابِ غفلت میں سوتے ہوؤں کے لیے بانگِ رحیل اور راہِ نوردوں کے لیے جس کارواں کا کام کیا۔ اگرچہ اقبال کی زندگی اور بعد میں اس فکر احيائے ملت اسلامیہ کو مزید نکھارنے اور آگے بڑھانے کی کوششیں جاری رہیں مگر سب سے زیادہ واضح، مربوط، منظم اور نتیجہ خیز کوشش علی گڑھ کے سرمایہ دانش ڈاکٹر سید ظفر الحسن کے تربیت یافتہ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے انجام دی۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کو اقبال کی مجلس میں حاضری اور اقبال سے براہِ راست مستفید ہونے کی سعادت بھی حاصل تھی۔ وہی افکار و نظریات جن کا تعارف اقبال نے اپنے کلام و پیغام میں کروایا تھا۔ انہیں ایک مربوط نظامِ فکر میں ڈھالنے اور براہِ راست اس کا ماخذ قرآن حکیم کو بنانے کا کام ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے ہاتھوں انجام پذیر ہوا۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے ملت اسلامیہ کو دوبارہ انقلاب آشنا کرنے کے لئے جس فکر و فلسفہ کو اپنی زندگی بھر کے تفکر اور عرق ریزی کے ثمر کے طور پر پیش کیا وہ کئی لحاظ سے انہیں مسلم فکر و فلسفہ کی تاریخ میں مثالی مقام عطا کرتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے فکر کے نمایاں امتیازات یہ ہیں:-

۱۔ ڈاکٹر صاحب نے پہلی مرتبہ علم بالوحی اور علم زائیدہ کے فرق کو واضح کیا اور

ان کے اثرات پر کما حقہ بحث کی۔ علم بالوحی اور علم زائیدہ کے فرق و تمیز نے اس امر کی تفہیم میں کلیدی حل کا کردار ادا کیا کہ مسلم امت قرآن حکیم کے انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحفظون کی شان کے حامل ہونے کے باوجود کیوں زوال کا شکار ہو گئی۔ چونکہ مرض کی شناخت ہی شفا کی طرف نصف سفر کا طے کر لینا ہوتا ہے۔ مرض زوال کی آگہی نے اس کے ازالے کی سبیل آسان کر دی۔ ڈاکٹر صاحب علم بالوحی اور علوم زائیدہ کے فرق کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”چونکہ قرآن علم غایت اور اس کے حصول کے ضامن لائحہ عمل کا علم ہے اس طرح اس کا مسئلہ یہ ہے کہ اهدنا الصراط المستقیم کی دعائیں مضمحل نصب العین (جو مقصود بعثت کے علاوہ کچھ ہو ہی نہیں سکتا) حاصل کیسے ہو؟

لیکن انسانی استعداد کا زائیدہ علم ”ماہیت کا علم“ ہے جو علم الغایات سے اپنی نوعیت میں مختلف ہے۔ لہذا جب علم بالوحی انسانی استعداد کے زائیدہ علم کے نمونے پر ڈھلا تو وہ تعبیر، تاویل، توجیہ و تعلیل کا علم بن کر رہ گیا۔“ ۳۷

ڈاکٹر صاحب کے نزدیک علم بالوحی اور علم زائیدہ کے اس فرق کے عملی طور پر ملحوظ نہ رکھنے سے ملت اسلامیہ زوال میں گرتی چلی گئی۔ اور چونکہ وہ اس زوال سے نکلنے کی راہ سے خود ہی صرف نظر کر چکی تھی جو علم بالوحی کو کما حقہ اہمیت دینے سے عبارت تھا، تو مرور ایام کے ساتھ اس زوال سے نکلنے کا یقین بھی ملت کے دلوں سے محو ہونے لگا۔

کامیابی کے اس کھوئے ہوئے اعتماد کو پھر سے بحال کرنے کی تدبیر کیا ہوگی؟

ڈاکٹر صاحب کے مطابق:

”اس صورت حال کا اب صرف ایک ہی علاج ہے کہ قرآنی اصطلاحات کا

مفہوم لغت کی بجائے آیات قرآن سے اخذ کریں۔ اور قرآن مجید نے اپنے بارے میں جو دعاوی کئے ہیں ان کے برحق ہونے پر اپنا اعتماد بحال کرنے کے لئے اور قرآنی وحی کے عطا کردہ علم سے یکسانی کا نمونہ پیدا کرنے کے لئے ایک ایسا منہاج متعین کریں جس کی ضرورت اب تک اس لئے محسوس نہیں کی گئی کہ تفسیر انسانی استعداد کا زائیدہ علم ہے، علم بالوحی کا بدل بن گیا۔“

علم بالوحی اور انسانی علم زائیدہ کے درمیان امتیاز کو نظر انداز کر دینے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ امت نے خاتم الوحی کو بھی عملاً صحف ماسبق کے درجے پر لا کھڑا کیا۔ زندگی کا عملی ربط و تعلق خاتم الوحی سے اتنا ہی رہ گیا جس طرح امم سابقہ کا اپنے صحف کے ساتھ تھا۔

صحف ماسبق اور خاتم الوحی میں امتیاز بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:-

”پرانے صحیفے ہدایت ضرور تھے لیکن نئی بعثت کے امکان کی بنا پر کوئی صحیفہ متمم ہدایت نہ تھا۔ اس کے ذریعے اپنی پیغمبرانہ قیادت کے ساتھ ہر دین اپنی ذات میں ایسا ہی کامل تھا جیسا خاتم الوحی سے میسر آنے والا دین۔ نزول قرآن سے جو تکمیل دین ہوئی ہے۔ وہ نوع انسانی کو نئی بعثت کی احتیاج سے بے نیاز کرنے کی تکمیل ہے۔ جس کا نتیجہ ”ختم نبوت“ ہے۔“

علم بالوحی اور زائیدہ علوم میں غایبیت سے ماسوا عملی سطح پر فرق کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:-

”علم بالوحی میں نہ توار تقائی تدریج ہے۔ نہ احتمال خطا۔ بخلاف اس کے انسانی استعداد کی زائیدہ علمیات ہر چند کہ علم ہی کے موضوع سے بحث کرتی ہے۔ اور اس کا

مسئلہ بھی یہی ہے کہ علم کیا ہے اور کیونکر ممکن ہے؟ (نہ یہ کہ عمل کیا ہے؟ اور غایت عمل کا حصول کیونکر ممکن ہے؟) مگر اس کے مسئلہ کا حل معرض ارتقاء میں ہے۔ ”۱۔ علم بالوحی اور علم زائیدہ کے زندگی کے مسائل کے حوالے سے منہج اقدام کے اسی فرق کی بنا پر زندگی پر ان اثرات کو عمل و علم سے معنون کیا جاسکتا ہے۔ یعنی علم بالوحی عمل کا عمل ہے جبکہ علوم زائیدہ فقط علم ہی کا علم۔ دونوں میں واضح فرق ہے۔ ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:-

- ☆ ”علم کا موضوع حقیقت محسوس ہے۔ اور عمل کا موضوع مقصود ہے۔
- ☆ علم کا مسئلہ ہے کہ حقیقت کیا ہے اور عمل کا مسئلہ یہ ہے کہ مقصود حاصل کیسے ہو؟
- ☆ علم کی ابتدا شک سے ہوتی ہے، عمل کی ابتدا یقین سے ہوتی ہے۔
- ☆ علم میں ادراک اہم ہے عمل میں ارادے کو اہمیت حاصل ہے۔
- ☆ علم کا بنیادی تصور جبر ہے عمل کا بنیادی تصور اختیار ہے۔
- ☆ علم کا وظیفہ توجیہ و تعلیل ہے، عمل کا وظیفہ تخلیق نتائج ہے۔“ ۲

گویا علم بالوحی اور علم زائیدہ میں امتیاز کی معرفت ہی بے یقینی و بے اعتمادی کو یقین و اعتماد سے بے عملی و کسالت کو عمل و جہان نو آفرینی سے بدل کر ہمیں زوال کی اتھاہ گہرائیوں سے نکالنے کی سبیل فراہم کر سکتی ہے۔

۲۔ علم بالوحی اور علوم زائیدہ میں خط امتیاز قائم کر دینے کے بعد اور اس امر کے تعین کے بعد کہ آج امت مسلمہ کا غلبہ، تمکین اور عروج صرف علم بالوحی سے ہی ممکن ہوگا اس امر کی احتیاج تھی کہ اس کی عملی سبیل و تفصیل خاتم الوحی سے اخذ کی جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس حوالے سے قرآن حکیم میں تفکر کیا۔ اور براہ راست قرآن حکیم سے زوال سے نکلنے اور غلبہ و عروج حاصل کرنے کا اصول و منہج دریافت کرنے کی

ضرورت کو محسوس کیا۔

”اگر ہم پندرہویں صدی کا آغاز اسلام اور مسلمانوں کی نسبت امید و یقین اور خود اعتمادی سے کرنا چاہتے ہیں تو فرقہ پرستی کی بجائے قرآن مجید کے حجۃ من بعد الرسل کا اعتماد بحال کرنا ہوگا۔ اس کی شرط یہ ہے کہ ہم مطالعہ قرآن کا ایک ایسا منہاج فراہم کریں جو علم بالوحی سے نمونہ علم میں یکسانی کی ضمانت مہیا کرے۔“<sup>۱</sup>

۳۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کا تیسرا بڑا امتیاز قرآن حکیم کو کتاب الغایات سمجھتے ہوئے اس سے حاصل شدہ ہدایت کی نتیجہ خیزی کا یقین ہے۔ ڈاکٹر صاحب نہ صرف خود دولت یقین سے مالا مال ہیں بلکہ ان کا طریق استنباط و استدلال بھی قرآن حکیم کی ہدایت پر یقین کو پختہ کرنے کا باعث بنتا ہے۔ اس باب میں بنیادی سوالات کہ یقین کی غلبہ دین حق کی جدوجہد میں کیا اہمیت ہے؟ امت مسلمہ دولت یقین سے کیوں محروم ہوئی؟ اور موجودہ بے یقینی کو یقین میں کس طرح بدلا جاسکتا ہے؟ کا ڈاکٹر صاحب نے تفصیلی تجزیہ کیا ہے۔

۴۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب کا یہ امتیاز ہے کہ انہوں نے قرآنی اور دینی اصطلاحات کا مفہوم از سر نو متعین کرنے کی سعی کی۔ کیونکہ دور زوال میں زاویہ ہائے فکر و نظر کے بدلنے سے الفاظ و اصطلاحات کے مفہیم متغیر ہو گئے سیاست ہی کو لیں:-

سیاست کار پیغمبراں بود

دریں دور کار بولہب شد

کے مصداق آج سیاست اور دجل و فریب ہم معنی بن چکے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے دینی اور قرآنی اصطلاحات کے مفہیم کے تعین نو کے لئے براہ راست قرآن حکیم کو بنیاد بنایا۔ اصطلاحات کے مفہیم کی تعبیر نو کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:-

”اس صورت حال کا اب صرف ایک ہی علاج ہے کہ قرآنی اصطلاحات کا مفہوم لغت کی بجائے آیات قرآنی سے اخذ کریں اور قرآن مجید نے اپنے بارے میں جو دعاوی کئے ہیں ان کے برحق ہونے پر اپنا اعتماد بحال کرنے کے لئے اور قرآنی وحی کے عطا کردہ علم سے یکسانی کا نمونہ پیدا کرنے کے لئے ایک ایسا منہاج متعین کریں۔ جسکی ضرورت اب تک اس لئے محسوس نہیں کی گئی کہ تفسیر، جو انسانی استعداد کا زائیدہ علم ہے علم بالوحی کا بدل بن گیا۔“ ۹

”تمام علوم اپنی اصطلاحات میں بند ہیں۔ اور کسی علم سے اس کی اصطلاحات کو سمجھے بغیر استفادہ نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم قرآنی نقطہ نظر سے اپنی زندگی میں انقلاب لانا چاہیں تو ہمیں قرآن کا مطالعہ نزول قرآن کے مقصد کی روشنی میں کر کے قرآن مجید ہی سے یہ جستجو کرنی پڑے گی کہ جن شرائط کے پورا ہونے پر قرآنی دعویٰ کے پورا ہونے کا انحصار ہے وہ کیسے پوری کرتا ہے۔“ ۱۰

وہ اصطلاحات جن کا مفہوم ڈاکٹر صاحب نے قرآن حکیم کی روشنی میں متعین کیا ان میں ختم نبوت، تکمیل دین، الکتاب، حجۃ من بعد الرسل، تزکیہ، غیب، رزق، توحید و شرک، اقدار، اخلاق اور تبلیغ اہم ہیں۔ ان اور دیگر کئی اصطلاحات کے مفہوم تازہ کو دیکھ کر اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ:-

جہاں تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود

سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

۵۔ ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف اصطلاحات قرآنی کو قرآن حکیم کی روشنی میں نیا مفہوم دیا بلکہ اپنے فکر و فلسفہ کو واضح کرنے کے لئے نئی اصطلاحات بھی متعارف



کروائیں۔ ڈاکٹر صاحب نے جن نئی اور جامع اصطلاحات کا مسلم فکر کے سرمائے میں اضافہ کیا ان میں مطاع مشہود، منہاج، انسان مرتضیٰ، شکست خوردگی، روحانی الذہن، موثرات حیات، ایتائے حقوق، معیار، مزاحمت، مزاحمت مزاحمت، فطرت اور صحیفہ انقلاب جیسی جامع اور وسیع المفہومی اصطلاحات شامل ہیں۔

۶۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب نے قرآن حکیم کو صحیفہ انقلاب سمجھتے ہوئے حصول نصب العین کے لئے قرآن حکیم سے اخذ ہدایت کا ایک ضابطہ کار بھی وضع کیا جسے انہوں نے منہاج کا نام دیا۔

”منہاج مسائل حل کرنے کے طریقے کو کہتے ہیں۔“ اللہ

سوال پیدا ہوتا ہے کہ منہاج ہے کیا؟ اس کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں: ”منہاج کے دو اجزا ہیں:

۱۔ بنیادی اصول اور

۲۔ اس اصول کے تحت مسائل کو حل کرنے کا عمل۔“ ۱۲

ڈاکٹر صاحب بنیادی اصول کے ضمن میں آقا ﷺ کی آرزو اصلاح انسانیت کو مقدم اور نزول قرآن کو موخر قرار دیتے ہیں اور مسائل کے حل کرنے کے عمل کے ذیل میں یہ چار مدارج بیان کرتے ہیں۔

۱۔ تمیز (Distinction):

اس کے تحت علم وحی اور علوم زائیدہ میں امتیازات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

۲۔ تعیین (Determination):

اس مرحلے کے تحت قرآنی علوم کی ماہیت کو واضح کیا جاتا ہے۔

۳۔ تضمن (Implication):

تضمن سے مراد شرائط (مضمومات کا تجزیہ) سے ہے جن پر کامیابی کا انحصار ہے اس کے تحت ڈاکٹر صاحب تین کائناتی قوانین اخذ کرتے ہیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔

۲۔ حدود (Delimitation):

اس سے مراد علم وحی کی ان حدود کو واضح کرنا ہے جن سے تجاوز پر علم وحی علم انسانی کی طرح بے اثر ہو جاتا ہے۔<sup>۳</sup>

۳۔ ڈاکٹر صاحب کی فکر کا ایک نمایاں وصف یہ بھی ہے کہ آپ حق و باطل کی معرکہ آرائی میں اہل حق کے لیے تخلیق نتائج کے حامل ۳ قوانین قرآن حکیم سے اخذ کرتے ہیں:-

i۔ کائناتی قانون نشوونما

ii۔ تاریخی قانون تضاد

iii۔ اخلاقی قانون سعادت و شقاوت

i۔ کائناتی قانون نشوونما

نشوونما کے معنی مقصد کے قریب تر ہوتے جانا ہے۔ اس قانون کی تشکیل قرآن مجید ان الفاظ میں کرتا ہے:

جعلنا لكل نبي عدوا من المجرمين. (فرقان: ۳۱)

لہذا ہر نبی جب اپنی دعوت پیش کرتا ہے تو مجرموں کی جانب سے

دعوت کی مزاحمت ہوتی ہے اور اس مزاحمت کی مزاحمت سے دعوت کامیاب

ہوتی ہے۔ اور بعثت کا مقصد حاصل ہوتا ہے اس قانون کی خاصیت یہ ہے کہ یہ

بدلتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ولن تجد لسنة الله تحويلاً. (فاطر: ۴۳)

یہ قانون ناقابل شکست اور ناقابل تغیر ہے۔ یہ مزاحمت اور مزاحمت کی مزاحمت کا قانون ہے اس قانون کا وظیفہ (Function) یہ ہے کہ اس کی بنیاد پر مقصود حاصل ہو کر رہتا ہے اور جب قومیں زوال میں مبتلا ہو کر اس قانون سے اس کی ماہیت سے اس کی خاصیت سے اور اس کے وظیفے (Function) سے غافل ہو جاتی ہیں تو زوال میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہتیں۔“ لے

### ii- تاریخی قانون تضاد

قانون نشوونما جب تاریخی قانون تضاد کی شکل اختیار کرتا ہے تو اس کی تشکیل یہ ہو جاتی ہے:-

- ۱- دو جماعتیں وجود میں آتی ہیں: حزب اللہ اور حزب الشیطان۔
- ۲- ان دونوں کا اپنا اپنا مقصود ہوتا ہے: حزب اللہ کا حق کو غالب کرنا اور حزب الشیطان کا مقصود باطل کی حفاظت کے لئے نفع بخشی اور فیض رسانی کو روکنا۔
- ۳- ان دونوں جماعتوں کی اپنے اپنے مقصود سے وفاداری ہوتی ہے جس کے پیچھے دو منظم ارادے ہوتے ہیں۔
- ۴- ان منظم ارادوں کے درمیان تصادم ہوتا ہے
- ۵- اس تصادم کو کامیاب بنانے کے لیے دو پروگرام ہوتے ہیں اس کی حتمیت کے ساتھ اس کا نتیجہ اخلاقی قانون سعادت و شقاوت سے متعین ہوتا ہے۔

### iii- قانون سعادت و شقاوت

تاریخی قانون حزب اللہ اور حزب الشیطان کے درمیان تضاد و تصادم کا قانون ہے جس کے نتیجے میں حزب اللہ ہی کو غلبہ حاصل ہونا چاہیے اور حزب الشیطان کو

شکست ہونی چاہئے۔ اس کی ضمانت اس قانون سعادت و شقاوت میں ہے:

قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا. (الشمس: ۱۰۷)

کیونکہ جس کا نفس حرص و لالچ سے پاک ہو گا وہی دوسروں کو نفع بخشی اور فیض رسانی کرے گا اور نشوونما دے گا۔ اسلئے فلاح پائے گا۔ اور جو اپنے نفس کو حرص و لالچ میں مبتلا رکھے گا، نفع بخشی، فیض رسانی اور نشوونما کو روکے گا اس لئے تباہ و برباد ہو گا۔

فلسفہ انقلاب کے قرآنی استخراج اور عملی اطلاق کا عنوان:

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

یہ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب کے طبعی فقر، بے غرضی، توکل، درویشی اور زندگی بھر کی قرآن عظیم کی ساتھ وابستگی و تفکر کی برکت تھی کہ ڈاکٹر صاحب کے فکر کو آگے بڑھانے اور اسے فروغ پذیر کرنے کا کام انجام دینے کے لیے رب ذوالجلال نے ایک ایسی شخصیت کو ڈاکٹر صاحب کے حلقہ درس میں شامل کر دیا جس نے سن شعور کے آغاز سے ہی اپنی زندگی انقلاب اسلام کے لیے وقف کر دی تھی۔ یہ شخصیت نابغہ عصر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی ہے۔ قائد انقلاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی جاندار، ولولہ انگیز، سرپایقین، بیدار مغز اور متحرک شخصیت نے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی متعارف کردہ فکر انقلاب کی نہ صرف فکری تکمیل کی، اس کے نشہ پہلوؤں کو اپنی علمی و فکری صلاحیتوں سے مکمل کیا بلکہ اسے عملاً اپنا کر ایک زندہ حقیقت میں بدل دیا۔ قرآنی فلسفہ انقلاب کو براہ راست قرآن حکیم سے اخذ کرنے کا کام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے دوران طالب علمی ہی شروع کر دیا تھا اور ۱۹۷۲ء، ۱۹۷۳ء تک اس کے

اساسی خدو خال قرآن حکیم کی روشنی میں وضع کر لیئے تھے۔ جن کی روشنی میں بعد میں انہوں نے اپنی عملی جدوجہد کا آغاز کیا۔ ملاحظہ ہوں اس کے کتاب کے آخر میں دیے گئے:

ضمیمہ نمبر ۱۔ منتخبات قرآن جو قرآن حکیم کی انقلابی ہدایت سے عبارت

ہے۔

ضمیمہ نمبر ۲۔ قرآنی فلسفہ انقلاب کے بنیادی خدو خال۔

ضمیمہ نمبر ۳۔ تحریر قائد انقلاب محررہ ۱۹۷۳ء

ضمیمہ نمبر ۵۔ جدول عروج و زوال امم

ڈاکٹر برہان صاحب کی فکر انقلاب کا عنوان ”منہاج القرآن“ آج مشرق

سے مغرب تک برپا عالمی انقلابی تحریک کا عنوان ہے۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب

نے ”واما ما ینفع الناس“ کے تحت امت مسلمہ کے عروج کے لیے قرآن حکیم

میں تفکر کیا تو ان کے اس تفکر کو تحریک منہاج القرآن کی شکل میں رب کائنات نے

فیمکت فی الارض کا مصداق بنا دیا۔

ڈاکٹر اقبال نے جن تصورات کو متعارف کروایا تھا، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

نے اپنی علمی و فکری بصیرت کی روشنی ان تصورات کو لیکر قرآن حکیم کی رہنمائی میں

ایک فکر انقلاب وضع کرنے کی کاوش کی اور ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اسے ایک منظم

فکر اور زندہ نظام میں بدل کر ایک تحریک کی شکل دے دی، قرآنی فلسفہ انقلاب کے

فکر کو قائد انقلاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے کئی پہلوؤں سے حد تک تکمیل تک

پہنچایا۔

۱۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب نے قرآن حکیم کو علم الغایات قرار دیا تھا مگر

ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے قرآنی وسعت و جامعیت کو دلائل و براہین سے بیان کیا۔  
آپ مناجج العرفان فی لفظ القرآن میں فرماتے ہیں:

”یہ وہ کتاب ہے جو ہر شے کا علم اپنے اندر جمع کئے ہوئے ہے۔ اور تمام علوم و معارف پر حاوی اور محیط ہے۔“

ڈاکٹر محمد طاہر القادری قرآن حکیم کی اس خصوصیت کو براہ راست قرآن حکیم سے ہی اخذ کرتے ہیں۔ قرآن کے مادہ ہائے اشتقاق پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”لفظ قرآن کا پہلا مادہ اشتقاق قرء ہے جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ اس لحاظ سے ”قرآن“ کے دو معانی قرار پاتے ہیں:-

۱۔ وہ کتاب جسے جمع کیا گیا ہو۔

۲۔ وہ کتاب جس کے اندر سب کچھ جمع کر دیا گیا ہو۔

قرآن کی اس شان جامعیت کو پھر ڈاکٹر صاحب داخلی اور خارجی دلائل سے بیان کرتے ہیں۔ داخلی دلائل بیان کرتے ہوئے قرآن حکیم کی آیات (النحل: ۸۹، یوسف: ۱۱۱، الانعام: ۵۹، ۳۸، بنی اسرائیل: ۱۲) بیان فرماتے ہیں اور علامہ ابن برہان کا قول نقل کرتے ہیں:-

”ما من شیء فہو فی القرآن او کائنات کی کوئی شے ایسی نہیں جس کا ذکر یا اس کی اصل قرآن سے ثابت نہ ہو۔“

اسی طرح خارجی دلائل کے حوالے سے بھی جدید سائنسی فتوحات کی اصل اور جدید سائنسی علوم کے بنیادی اصولوں کو قرآن حکیم سے اخذ کر کے اس حقیقت کو

واضح کرتے ہیں کہ قرآن مجید کو شانِ جامعیت اور تفصیلت عطا کی گئی ہے۔

۲۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے قرآن حکیم سے ماخوذ اصطلاحات کا سیرت نبوی اور اسوۃ انبیاء کی روشنی میں اطلاق کر کے ان کی مقصدیت کو منتہائے کمال تک پہنچا دیا۔ غلبہ دین حق کی جدوجہد کو انبیاء علیہم السلام کی جدوجہد کی روشنی میں بعثت دعوت اور اس کے نتائج کے حوالے سے مربوط کر کے واضح کیا۔ کہ کس طرح دینی جدوجہد کی نتیجہ خیزی کی قرآن حکیم ضمانت دیتا ہے۔

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب نے تضاد کی اصطلاح استعمال کی تھی۔ مگر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اس کی وضاحت کی کہ جب دعوت حق بلند ہوگی تو اسے ۳ طرح کی مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑے گا:

فرعونیت۔ قارونیت۔ ہامانیت

ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے دینی جدوجہد اور انقلابی کاوشوں کو ”مصطفوی انقلاب“ کا دل آویز عنوان دے کر فکر انقلاب کو ہر برنا و پیر کا جزو نطق بنا دیا ہے۔

۳۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب نے مذہبی وادارت کو عصر نو کی ضرورت قرار دیا تھا ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے تصوف کو زندگی کی زندہ قدر میں بدلنے کی تحریک کا آغاز کیا۔ آپ آسمان تصوف کے درخشندہ آفتاب سیدنا قدوة الاولیاء طاہر علاؤ الدین القادری سے بیعت ہیں۔ اور فکری و نظری طور پر جمہور صوفیاء کی روایت فکر کے امین ہیں (ضمیمہ نمبر ۷)۔ مذہبی واردات کے حصول کا راستہ صرف تصوف ہے۔ جسے حقیقت میں بدلنے کے لیے ڈاکٹر صاحب نے خانقاہی نظام کا اجراء فرمایا۔ اور اس کے لیے باقاعدہ عملی دستور مرتب کر کے ہر سال ہونے والے سالانہ اجتماعی اعتکاف میں اس پر عمل درآمد کا آغاز کر دیا۔

آپ نے اس تصور کو کہ مذہبی واردات ایمان و عمل کی خلیج تضاد کو پاٹنے کا ذریعہ ہیں عمل میں ڈھالا۔ اور اس تصور کو واضح کیا کہ کس طرح تصوف سے مذہبی واردات کا حصول ممکن ہے۔

”تصوف کی ایک حیثیت ان مذہبی واردات کی ہے جن کے ذریعے ایمانی حقائق کے نتائج کا مشاہدہ ہوتا ہے اور ایمان کے بعد ”درجہ ایقان“ حاصل ہوتا ہے۔ بقول استاذی المکرم ڈاکٹر برہان احمد فاروقی ”انسانی شخصیت کے منظم و منضبط ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اعتقاد، علم اور عمل باہم سازگار ہوں۔“ زندگی میں اعتقاد اور علم باہم سازگار نہ رہیں تو عمل، اعتقاد کا ساتھ نہیں دیتا شخصیت اختلال کا شکار ہو جاتی ہے اور سیرت ضبط انقیاد کی بجائے مضحل ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لیے انسانی سیرت کو منظم و منضبط کرنے کی خاطر اعتقاد، علم اور عمل کو باہم سازگار کرنا ناگزیر ہے۔ اس کی تائید ہمارے روزمرہ کے مشاہدے سے ملتی ہے۔ ہم بحیثیت مسلم حقائق مابعد الطبعی پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہمارا ایوان اعتقاد متزلزل ہے اور ہم بحر تذبذب میں غوطہ زن ہیں۔ اگر قارئین حقیقت پسندانہ نظر سے اپنے دل و دماغ کا جائزہ لیں تو انہیں دبی آواز میں اس امر کی تائید سنائی دے گی۔ بالخصوص ہمارا نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ اس کش مکش قلب و ذہن میں مبتلا ہے۔ یہی عدم اطمینان، فکری انتشار اور ذہنی تشتت کا باعث بن رہا ہے۔ ہمیں ایسے حالات میں فکر کرنا ہو گا کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ اس اختلال کا سبب کیا ہے؟ ہمارے اعتقاد، علم اور عمل میں یکسانیت اور سازگاری کیوں مفقود ہے؟ کیا اس کا جواب یہی ہے کہ ایسے طبقہ کو محض کافر و ملحد قرار دے دیا جائے؟ کیا اس کا علاج یہی ہے کہ اس ہمہ گیر کش مکش سے صرف نظر کر لیا جائے؟ ہرگز نہیں۔ اس طرح مذہبی قیادت اپنے فرائض سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ ہمیں منصفانہ



غور و فکر کا انداز اپنانا ہوگا۔ نئی نسل کو ان کی ذہنی و قلبی بے اطمینانی اور فکری افتراق کے باعث لا دین قرار دینے کی بجائے انہیں اطمینان بخش جواب مہیا کرنا ہوگا۔ اس کے بغیر عصر حاضر میں اسلام کی صحیح خدمت ناممکن ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ دور سائنسی دور ہے عقل ہر چیز کو مشاہدہ کی کسوٹی پر پرکھتی ہے اس کے بعد رد و قبول کا فیصلہ کرتی ہے۔ مخالفین اسلام اپنے نظریات کو تجربہ و مشاہدہ کے ذریعے منوانے میں مصروف ہیں۔ سائنسدان جو دعویٰ کرتے ہیں۔ اسے تجربہ گاہ میں تجربی توثیق (Experimental Verification) کے ذریعے درست ثابت کر رہے ہیں اور عقل لامحالہ انہیں محققین کے دعووں کی جانب جھکی جا رہی ہے، جنکا نظام فکر روحانیت کے انکار اور مادیت کے اثبات پر قائم ہے۔ جو لوگ مادہ (Matter) کو ہی آغاز و انجام سمجھتے ہیں عالم روحانیت یا مسائل مابعد الطبیعیات کی نسبت کوئی واضح موقف نہیں رکھتے، عقل پسند طبقہ میں مقبولیت حاصل کر رہے ہیں کیونکہ جب عقل اپنی عادت کی بنا پر ایمانی حقائق کے نتائج کو مشاہدہ (Observation) کی کسوٹی پر پرکھتی ہے تو ناکام رہ جاتی ہے لہذا ہمارا علم (جو تجربہ کی بنا پر حاصل ہوتا ہے) اعتقاد (ایمان) کی کامل تائید و تصدیق نہیں کر سکتا۔ جب اعتقاد اور علم میں یکسانیت و ہم آہنگی پیدا نہیں ہوتی تو عمل، اعتقاد سے سازگار نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان کی سیرت و شخصیت مختل اور مضطرب ہو کر رہ گئی ہے، لیکن موجودہ مذہبی قیادت قرآن و سنت سے ہدایت لے کر اس تشکیک قلب و نظر کو رفع کرنے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ اب ہمیں قرآن سے یہ تلاش کرنا ہوگا کہ ایمان میں پختگی ثابت قدمی اور رسوخ و تیقن کیسے حاصل ہو؟ تجربہ و مشاہدہ کی جستجو اور طلب، فطرت انسانی میں ودیعت کی گئی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایمان بالغیب کے بعد بھی حضور

الوہیت میں سوال کرتے ہیں:

رب ارنی کیف تحی الموتی (۲۶۰:۲)

”اے رب مجھے دکھا کہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کرتا ہے۔“

یہ سوال عدم ایمان کی بناء پر نہیں بلکہ حصول ایقان و اطمینان کی خاطر ہے۔ خود فرماتے ہیں۔ ولکن لیطمئن قلبی۔ یہ طلب مشاہدہ اطمینان قلب کے لیے ہی تو تھی جس کی حاجت خدا کا برگزیدہ نبی محسوس کر رہا ہے۔

و کذالک نری ابراہیم ملکوت  
السموات والارض ولیکون  
من الموقنین۔  
اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور  
زمین کی سیر کراتے تھے تاکہ وہ یقین  
کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

(۷۵:۶)

ابراہیم علیہ السلام کو اہل ایقان بنانے کی خاطر آسمانوں اور زمینوں کے ملکوت کا مشاہدہ کرایا جا رہا ہے۔ گو ”ایمان بالغیب“ سے یقین ہو جاتا ہے اور یہ اشارہ یومنون بالغیب میں مضمون ہے تاہم درجہ ایقان (کمال یقین) اپنی جگہ مسلم ہے اور اس کے لیے مشاہدہ درکار ہے۔

خدا کے لیے مومنین کی مدد اس کا حق ہے اور اس کی جانب سے فتح و نصرت اور کامیابی و کامرانی کا حاصل ہونا تمام مسلمانوں کا عقیدہ و ایمان ہے مگر حصول ایقان کی خاطر اس ایمان کے نتائج کا مشاہدہ یوں کرایا جا رہا ہے۔

اذا جاء نصر الله والفتح  
ورایت الناس یدخلون فی دین  
جب خدا کی مدد آگئی اور فتح حاصل  
ہوگئی تو دیکھئے کہ لوگ فوج در فوج

اللہ افواجاً.

اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔

(۲۱:۱۱۰)

ایمانی حقیقت (نصرت الہی) کے نتیجے کا مشاہدہ حاصل ہو جانے کے بعد اب تلقین عمل کی جارہی ہے۔

فسبح بحمد ربك واستغفره  
انہ كان تواباً.  
پس تو اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ پاکی  
بیان کر اور استغفار کر، بیشک وہ توبہ  
قبول کرنے والا ہے۔  
(۳:۱۱۰)

بظاہر یہ خطاب جناب رسالت مآب علیہ التحیۃ والتسلیم سے ہی ہے مگر عمومی سطح پر اسلامی معاشرے کے وہ تمام افراد مخاطب ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے نتائج دیکھے تھے۔ ثابت ہوا کہ قرآن نے خود حصول یقین اور اطمینان قلب کا طریق یہ بتایا ہے کہ ایمانی حقائق کے نتائج کا مشاہدہ ہوتا کہ ”رسوخ فی الایمان“ نصیب ہو سکے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایمان حقائق کے نتائج کا مشاہدہ کیونکر ممکن ہے؟ رموز دین اور اسرار شریعت پر آگہی رکھنے والے اکابرین امت اس امر پر متفق ہیں کہ تصوف جو مذہبی واردات کی حیثیت رکھتا ہے ”حصول ایقان“، ”رسوخ فی الایمان“ اور پختگی اعتقاد کا واحد ذریعہ ہے کیونکہ تصوف میں اخلاص و محنت سے چلنے والا ہر انسان ایمانی حقائق کے نتائج کا مشاہدہ کرتا ہے۔ امام غزالیؒ ”مجدد الف ثانی“ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ اس دعویٰ کی صحت و حقانیت کے سب سے بڑے حامی و مؤید ہیں۔ وہ ذاتی تجربات و مشاہدات کی بنا پر تصوف و طریقت کو رسوخ الایمان کا واحد ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

امام ابو حامد غزالیؒ کی رائے اس سلسلے میں ملاحظہ ہو:

اور جہاں تک ذوق کا تعلق ہے تو اس کی حقیقت آنکھوں سے کیے ہوئے مشاہدے اور ہاتھوں سے محسوس کیے ہوئے کام کی طرح ہے اور یہ ذوق صرف طریق صوفیہ میں پایا جاتا ہے۔

ایک اور مقام پر آپ تصوف کی نسبت فرماتے ہیں۔

پس علم ضروری کی تحصیل کا یہی طریقہ (منہاج) ہے۔ آپ صوفیہ کے مشاہدہ کی نسبت فرماتے ہیں:

اور ابتداء طریقت میں مکاشفات و مشاہدات شروع ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ عین حالت بیداری میں وہ ملائکہ اور ارواح انبیاء کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کی آوازیں سنتے اور ان سے کسب فیض کرتے ہیں۔

و اما الذوق فهو كالمشاهدة  
الاخذ باليد ولا يوجد الا في  
طريق الصوفيه.

(المنقذ من الضلال)

فهذا هو منهاج تحصيل العلم  
الضروري.

(المنقذ من الضلال)

ومن اول الطريقة تبتدئ  
المكشافات والمشاهدات  
حتى انهم في يقظتهم  
يشاهدون الملائكة و ارواح  
الانبياء و يسمعون منهم  
اصواتا و يقتبسون منهم فوائد.

(المنقذ من الضلال)

امام غزالی اسی باب میں آگے چل کر فرماتے ہیں:

اور یہ وہ حالت ہے جس کا سالک کو ادراک ذوق سے ہوتا ہے..... اور جو

و هذه حالة يتحققها بالذوق  
من سلك سبيلها.....ومن

جالسہم استفاد منہم ہذا  
 الايمان فہم القوم لا يشقى  
 جلیسہم۔  
 کوئی ان کے پاس اٹھے بیٹھے گا وہ ان  
 سے اسی طرح کے ایمان کا ثمر پائے  
 گا..... یہی وہ لوگ ہیں جن کی صحبت  
 میں بیٹھنے والا نامراد نہیں ہوتا۔  
 (المنقذ من الضلال)

لہذا جب تصوف کی وساطت سے اعتقاد علم اور عمل باہم یکساں اور سازگار  
 ہو جائیں تو کوئی سبب نہیں کہ انسانی سیرت ضبط و انقیاد کا نمونہ کامل نہ بنے۔ اسی طرح  
 جب نفس انسانی تصوف (مذہبی واردات) کا انفرادی طور پر محتاج ہے تو معاشرہ اس کی  
 ضرورت و حاجت سے کیونکر بے نیاز ہو سکتا ہے۔ جیسی سیرت و شخصیت والے افراد کا  
 اجتماع اداراتی صورت میں موجود ہوگا۔ اسی قسم کا معاشرہ قائم ہوگا۔ اور اسلام جو کہ  
 صالحیت اور نظم و ضبط کے اعتبار سے ایک مثالی معاشرہ کا متقاضی ہے تو پھر یہ تسلیم کرنا  
 ہوگا کہ اسلامی معاشرہ اپنے صحیح اسلامی وجود بقا اور ترقی و استحکام کے لیے مزکی و مصفی  
 اور منقاد افراد کا حاجت مند ہے۔ چونکہ افراد کا یہی تزکیہ و تصفیہ ہی طریق تصوف ہے  
 پس اسلامی معاشرہ کسی صورت میں بھی تصوف کی ضرورت و احتیاج سے بے نیاز نہیں  
 ہو سکتا۔

مذہبی واردات کی ماہیت بندے اور خدا کے درمیان نسبت کا شعور و تحقق  
 ہے۔ یا بہ الفاظ دیگر ”ماہیت اسلام“ کا شعور و تحقق مذہبی واردات (تصوف) کہلاتا ہے  
 اور یہ شعور پوری انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے اور عملی زندگی کا ایک خاص انداز اس  
 نسبت کے متحقق ہونے کا شاہد ہے چونکہ افراد کی شخصیت اپنے نمونے کے اعتبار سے  
 مختلف ہوتی ہے اور اس اختلاف نوعیت کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ شعور کے تین پہلو ہیں۔  
 جذبہ ارادہ اور ادراک۔

نسبت کی نوعیت کا انحصار سالک کی انفرادی شخصیت کی اس خصوصیت پر ہے کہ اس کے شعور میں جذبہ ارادہ اور ادراک کے تین پہلوؤں میں سے کون سا پہلو غالب ہے۔ اس طرح ہر سالک کی واردات یعنی اس نسبت کے حصول اور اس کے تابع اس کی باطنی کیفیات کی حیثیت انفرادی واردات کی رہتی ہے اور ہر صاحب ولایت کو چونکہ واردات نسبت کی ایک مخصوص شکل میں عطا ہوتی ہیں اس لیے اس سے مستفید ہونے والوں کی صلاحیت ان کی اپنی احتیاج اور شخصیات کے نمونوں کے حوالوں سے متعین ہوتی ہے اسی لیے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نسبت کے مختلف النوع ہونے کی وجہ سے بعض شیوخ سے بعض طالبوں کو جیسا فیض درکار ہو حاصل نہیں ہوتا۔ یہ صورت حال دونوں کے اخلاص کے باوجود پیش آسکتی ہے اور ان طالبوں کو روحانی استفادے کے لئے بعض دیگر شیوخ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ البتہ شیخ قوی توجہ کا حامل ہو اور اگر چاہے تو کسی طالب کی نسبت بدل بھی سکتا ہے اور نسبت کا بدلنا خالصتاً شیخ کے روحانی تصرف کا نتیجہ ہو گا اور اس طرح اس طالب کو حصول فیض باطنی کے لیے کہیں اور رجوع کرنے کی حاجت نہ ہوگی اور مطلوبہ فیض اپنے شیخ سے ہی حاصل ہو سکے گا۔

فطرت انسانی میں جب خدا طلی کا داعیہ بیدار ہوتا ہے تو یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بندے اور خدا کے درمیان جو نسبت ہے وہ متحقق ہو جائے۔ اس کے لیے جدوجہد کا مقصد یہ ہے کہ انسان میں کوئی استعداد ایسی ضرور موجود ہے جس سے یہ نسبت بالفعل پیدا ہو جائے۔ وہ استعداد ”وجدان“ ہے۔ اگر وجدان کی استعداد تزکیہ کے بعد نشوونما پائے تو بیک وقت محسوسات، معقولات اور ورائے معقولات حقائق کے ادراک کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ جس طرح حواس خمسہ ظاہری محسوسات کے علم کا ذریعہ

ہیں اور حواسِ خمسہ باطنی و رائے محسوسات کے ادراک کا ذریعہ ہیں اسی طرح صوفیہ کے نزدیک لطائفِ خمسہ و رائے معقولات کے ادراک کا ذریعہ ہیں۔

تعلق باللہ انسان کی فطرت میں موجود ہے مگر نفس کا تزکیہ نہ ہونے سے اسی تعلق کا ادراک و شعور اس لیے نہیں ہوتا کہ خواہشاتِ نفسانی حجابِ بنی رہتی ہیں۔ درحقیقت یہ حجابات ابتداءً خدا طلی کی راہ میں سازگار شرط ہیں۔ ان کی وجہ سے خوابیدہ عزم بیدار ہوتا ہے۔ نفس خوگر آلام ہوتا ہے۔ انسان ان نفسانی حجابات کی ظلمت سے آشنا ہو کر اس ظلمت کو نور سے بدلنا چاہتا ہے۔ ریاضت و مجاہدہ کیا جاتا ہے اور اس طرح اس کی طبیعت ضبط و انقیاد کی عادی بنتی ہے۔ انجام کا یہ حجابات نفسانی رفع ہو جاتے ہیں۔ ان حجابات کے اٹھ جانے سے سالک کی طبیعت میں خاص نسبت کا تحقق ہو جاتا ہے۔ باطن کی آنکھ کھل جاتی ہے جس سے روحانی حقائق منکشف ہو جاتے ہیں اور لطائف کی زبان کھل جاتی ہے جس سے روحانی معارف بیان ہونے لگتے ہیں۔“

۴۔ جدوجہد انقلاب اور غلبہ دین حق کے نصب العین کے حصول کا لائحہ عمل بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب نے اس لائحہ عمل کے مختلف مدارج یوں بیان کئے ہیں۔

۱۔ تضاد جو جدوجہد سے پہلے ہوگا۔

۲۔ کامیابی کی ضمانت

۳۔ قبل از وقت تصادم سے گریز

۴۔ انقلاب کے ۳ طرح کے رد عمل

۵۔ استقامت کا محرک

۶۔ ہر رد عمل کا مناسب جواب دینا ہوگا۔

مگر جب بنظر غائر ان مدارج کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان متعین کردہ مدارج میں تدریج کا فقدان ہے یعنی تضاد کے تعین سے جدوجہد کا آغاز ہو جائے گا اور آخر میں کامیابی ضرور ملے گی کہ اس کی ضمانت دی گئی ہے۔ تضاد سے کامیابی تک درمیان کے سارے سفر کی تفصیل کیا ہوگی؟ اور قطرے سے گہر بننے تک کیا کیا مراحل آئیں گے اس کی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ آخری ۴ مدارج دراصل احتیاطی تدابیر (Precautionary Measures) ہیں۔ جن کا عمل میں آنا راہ انقلاب کی جدوجہد سے ملزوم ہے۔ اگر غلبہ حق کیلئے جدوجہد ہی نہیں ہوگی تو ان احتیاطی تدابیر کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی۔

ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے تعین تضاد سے کامیابی تک سارے سفر کو طے کر نیکاپورا منہاج دیا جو حقیقتاً ”منہاج القرآن“ ہے اور براہ راست فکر قرآنی سے ماخوذ ہے۔

آپ نے جدوجہد انقلاب کے مراحل کو اس طرح متعین فرمایا:

۱۔ تضاد کا تعین

۲۔ انقلابی جدوجہد کے مراحل خمسہ کا تعین

۳۔ عبوری حکمت عملی

۴۔ رد عمل اور جوابی حکمت عملی

۵۔ نتیجہ خیزی کی ضمانت

آپ نے تحریک منہاج القرآن کو درج ذیل امتیازات پر قائم کیا۔

۱۔ جامعیت ۱۔ ا۔ خالصیت ۱۔ ا۔ صالحیت اور روحانیت ۱۔ ۷۔

انقلابیت ۷۔ آفاقیت



ب۔ فرد اور قوم کو قرآن و سنت کی انقلابی تعلیمات سے بہرہ ور کرنے کے لیے تحریک کو پانچ اہداف دیئے:-

۱۔ تعلق باللہ کی دعوت

۱۔ ذکر الہی ۱۱۔ محبت الہی ۱۱۱۔ خشیت الہی ۱۱۱۱۔ اطاعت الہی ۱۱۱۱۱۔ عبادت الہی

۲۔ ربط رسالت کی دعوت

۱۔ عشق رسول ۱۱۔ اتباع رسول ۱۱۱۔ اذہب و تعظیم رسول ۱۱۱۱۔ معرفت

رسول ۱۱۱۱۱۔ نصرت رسول

۳۔ رجوع الی القرآن کی دعوت

۱۔ قرآن مجید سے جہی تعلق ۱۱۔ تعلق تلاوت ۱۱۱۔ تدبر و تفکر

۱۱۱۱۔ عمل بالقرآن ۱۱۱۱۱۔ تبلیغ و اشاعت قرآن

۴۔ اتحاد امت کی دعوت

۱۔ سنت محمدی کا فروغ ۱۱۔ امت کے تشخص کا فروغ ۱۱۱۔ اجتماعی مفادات کا

تحفظ ۱۱۱۱۔ داخلی و خارجی حملوں کا تدارک ۱۱۱۱۱۔ عالمگیر دعوت کا احیاء

۵۔ غلبہ دین حق کی بحالی کی دعوت

۱۔ فکری و ذہنی انقلاب ۱۱۔ اخلاقی و روحانی انقلاب

۱۱۱۔ معاشی و سماجی انقلاب ۱۱۱۱۔ تعلیمی و ثقافتی انقلاب ۱۱۱۱۱۔ سیاسی انقلاب

اور عالمی سطح پر

۱۔ اسلامی دولت مشترکہ ۱۱۔ عالمی اسلامی بلاک کا قیام۔

ان مذکورہ اہداف کے حصول کے لیے تحریک منہاج القرآن کی جدوجہد

کے لیے ۵ مراحل مقرر کیے گئے:-

i۔ مرحلہ دعوت ii۔ مرحلہ تنظیم iii۔ مرحلہ تربیت iv۔ مرحلہ تحریک v۔ مرحلہ انقلاب۔ ان سب کی وضاحت آگے کتاب میں آرہی ہے۔

۵۔ فکر انقلاب کو براہ راست قرآن حکیم سے اخذ کرنے کے لیے ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے قرآن حکیم کا انقلابی نقطہ نگاہ سے مطالعہ کیا۔ اور انقلابی ہدایت و ضوابط پر مشتمل آیات کا نصاب تیار کیا جسے ”منتخبات القرآن“ کا نام دیا (ضمیمہ نمبر ۱) یہ سارا کام ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۷۱ء، ۱۹۷۲ء کے زمانہ طالب علمی میں مکمل کیا۔ اور جب یہ انتخاب ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب کو دکھایا گیا تو انہوں نے کمال مسرت کا اظہار کرتے ہوئے اس کے سرورق پر وہی عبارت لکھی جو بعد میں ۱۹۸۶ء میں ان کی چھپنے والی کتاب منہاج القرآن کے سرورق پر چھپی۔

البرهان علی سبیل الرشاد والایقان (ضمیمہ نمبر ۳)

قائد انقلاب کا ۱۷ء، ۲۰ء کا مرتب کردہ قرآنی آیات کا انتخاب کتاب ہذا کے آخر میں (ضمیمہ نمبر ۱) دیا گیا ہے۔ اس انتخاب میں سورہ فاتحہ سے سورہ حم السجدہ تک آپ نے قرآن حکیم سے (۲۳۲) ہدایات و نکات اخذ کیے۔ جن میں سے چند ایک کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

نکتہ نمبر ۲۴:۔ راہ حق پر کامیابی کے لیے صبر، ضبط، ملک و ملت کی حفاظت و نگہبانی اور تقویٰ ضروری ہیں۔ (آل عمران: ۲۰۰)

نکتہ نمبر ۳۲/۳۱: غلبہ دین حق کی جدوجہد کے مراحل خمسہ:

دعوت۔ تنظیم۔ تربیت۔ تحریک۔ انقلاب (المائدہ: ۱۶ تا ۱۲)

نکتہ نمبر ۷۳:۔ اہل حق کی فلاح اور کامیابی کی شرائط:

رسالت مآب ﷺ پر ایمان۔ آپ کی تعظیم۔ نصرت رسالت۔ اتباع رسالت

(اعراف: ۱۵۷: ۱۵۸)

نوٹ: بعد میں یہی شرائط تعلق بالرسالت کے تقاضے قرار پائے۔

نکتہ ۵۴۔ تحریکی جدوجہد کے عناصر اربعہ:

تعلق باللہ۔ ربط رسالت۔ اتحاد امت۔ انقلاب (توبہ: ۱-۲۹)

بعد میں رجوع الی القرآن کو ان میں شامل کر کے تحریک منہاج القرآن

کے اساسی عناصر خمسہ قرار دیا گیا۔

نکتہ نمبر ۵۹: مومنین (اہل حق کی جماعت) کا کردار و صفات:

التائبون. العبدون. الحامدون. السائحون. الراكعون. الساجدون.

الامرون بالمعروف، الناهون عن المنكر، الحافظون لحدود الله

(توبہ: ۱۰۷، ۱۱۲)

نکتہ نمبر ۸۹: قومی زوال کا قرآنی ضابطہ:

”کفران نعمت کی صورت میں پوری قوم اور ملک پر جوع و خوف (بھوک اور

بے چینی) مسلط کر دیے جاتے ہیں۔“ (النحل: ۱۱۲)

نکتہ نمبر ۱۱۵: اہل حق کی جدوجہد کے حوالے سے:

”دین حق کی سیاسی فتح کے لیے نصرت الہی کا وعدہ ہے۔ حتمی طور پر ظاہری

کامیابی ہوگی۔“ (الحج: ۴۰)

جب اہل حق کو تمکن فی الارض ملے گا تو وہ:

۱۔ اقامت صلوة ۲۔ ایتاء زکوٰۃ ۳۔ امر بالمعروف

۴۔ نہی عن المنکر کا باعث ہوگا۔ (الحج: ۴۱)

نکتہ نمبر ۳۳: اصول تضاد و تضادم:

”ہر نبی کے لیے مجرمین میں سے کسی نہ کسی کی عداوت پیدا کر دی“

(الفرقان: ۲۶-۳۱)

نکتہ نمبر ۱۶۰: ”پیغمبرانہ بلاغ مہین کے نتیجے میں اتباع کرنے والے نجات

پاتے ہیں اور مخالفین ہلاک ہوتے ہیں“ (العنکبوت: ۱۸)

نکتہ نمبر ۱۶۱: ”خدا کی رحمت سے مایوسی (بے یقینی) صرف کفار کو ہی ہو سکتی

ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب (عبرتناک انجام) ہے۔“ (العنکبوت: ۲۳)

نکتہ نمبر ۱۷۰: سورہ روم کی آیات ۱-۱۰ سے درج ذیل اصول و ضوابط مستنبط

فرمائے:

۱۔ شکست و غلبہ حادثاتی چیزیں نہیں بلکہ خدائی قانون و ضابطہ کے مطابق ہوتی ہیں۔

۲۔ کائناتی قانون نشوونما

۳۔ تاریخی قانونی تضاد

نکتہ نمبر ۱۷۱: فطرت انسانی ثنویت کی حامل ہے:

فطرت بالقوت، فطرت بالفعل۔ (الروم: ۳۰-۳۲)

نکتہ نمبر ۱۸۷: ختم نبوت اور تکمیل دین کا مفہوم و فلسفہ (الاحزاب:

۳۵-۳۶)

نکتہ نمبر ۲۳۲: قرآنی ہدایت:

ہدایت ربانی کتاب عزیز ہے (پختہ لائحہ عمل اور Guaranteed

Programme) اہل باطل کسی لحاظ سے بھی اس لائحہ عمل کو ناکام ثابت نہیں

کر سکتے۔ (حم السجدہ: ۲۱، ۲۲)

ان چند بیان کردہ نکات سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ ابتداء سے ہی قائد انقلاب فکر انقلاب کے حوالے سے شرح صدر کے حامل تھے۔ اور براہ راست قرآن حکیم سے انہوں نے تحریک کے خصائص، تشکیل، اہداف و مقاصد اور ان کے حصول کے لائحہ عمل اور یقین و محرک کو اخذ کیا جو آنے والے جدوجہد کے تجربات سے مزید نکھرتا اور تکمیل پذیر ہوتا گیا۔

۶۔ کوئی بھی انقلابی تحریک اور جدوجہد اس وقت تک کامیاب اور باثمر نہیں ہو سکتی جب تک وہ فکر و عمل کے تمام تقاضے پورے نہ کرے۔ صرف فکری محاذ پر داد شجاعت دینا اور عملاً انقلاب کے لیے تیاری کا فقدان انقلابی تحریک کی ثقافت کو ختم کر دیتا ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری نے صرف انقلابی جدوجہد کے فکر و فلسفہ پر غور نہیں کیا بلکہ اس فکر کو عملی رائج کرنے کے لیے اسلام کے نظام حیات کی عملی شکل پر بھی کام کیا۔ اجتماعی زندگی ۳ پہلوؤں پر مشتمل ہے:-

۱۔ معاشرت ۲۔ معیشت ۳۔ سیاست

ان تینوں پہلوؤں میں واضح اور عملی رہنمائی کے لیے ڈاکٹر صاحب نے عملی

کاوشیں کیں:

معاشرت

معاشرت میں انقلاب پانچ کرنے کے لیے آپ نے (۳) سطحوں پر عملی

کاوشیں انجام دیں۔

۱۔ اصلاح احوال

۲۔ رفاہ و بہبود عامہ

۳۔ بیداری شعور

## ۱۔ اصلاح احوال

آپ نے اپنی جدوجہد کا آغاز دعوت سے کیا۔ اور دعوت کے ذریعے جہاں قرآن و سنت کے پیغام کو عامۃ الناس کے سامنے رکھا وہاں انہیں قرآن و سنت کی انقلابی تعلیمات اور اس کے مقابل معاشرے میں موجودہ ظالمانہ فاسقانہ اور استبدادی ڈھانچوں و قدروں سے بھی عوام کو آگاہ کیا۔ اس سے لوگوں کی معاشرت میں نہ صرف تعلق باللہ اور ربط رسالت کی روشنی پیدا ہوئی بلکہ ان میں ملک پر مسلط غیر عادلانہ اور ظالمانہ نظام کے خلاف بھی شعور و جذبہ پیدا ہوا۔

## ۲۔ رفاہ و بہبود عامہ

منہاج القرآن ویلفئیر سوسائٹی کے نام سے آپ نے تحریک کارفاہی و بہبودی ونگ قائم کر کے معاشرے کے ضرورت مند افراد کی معاونت کے لئے عملی راستہ پیدا کیا تاکہ حتی الامکان معاشرے میں عملی اخوت اور ہمدردی کے ماحول کو پروان چڑھایا جاسکے۔

## ۳۔ بیداری شعور

دنیا بھر کا غیر سرکاری (NGO) سطح پر سب سے بڑا تعلیمی پروگرام شروع کیا گیا تاکہ عامۃ الناس کو دولت شعور سے بہرہ ور کیا جائے۔ علاوہ ازیں دیگر شعبوں میں بھی اصلاح احوال کا کام جاری ہے۔

## معیشت

اسلامی نظام معیشت کا عملی نظام بلا سود بنکاری کی شکل میں دیا۔ جس میں آپ نے عملاً بتایا کہ دور حاضر میں بھی نہ صرف بلا سود بنکاری کا نظام قابل عمل ہے بلکہ اسی کو اپنانے میں ملک و ملت کی فلاح ہے۔

## سیاست

ملک میں رائج و جل و فریب کی سیاست کی اصلاح کے لیے ۲۵ مئی ۱۹۸۹ء سے عملی سیاسی جدوجہد کا آغاز کیا۔ جو تاحال جاری ہے۔ تاکہ معاشرے سے یزیدی اور لادینی سیاست کا خاتمہ کر کے مصطفوی سیاست کو عام کیا جائے۔

۷۔ وہ تمام اصطلاحات جو ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب کی فکر میں تشنہ تعبیر ہیں آپ نے انہیں جامع مفہیم دیئے اور انہیں زندگی کی عملی رو سے ہم آہنگ کر دیا:

مطالع مشہود

سے مراد ذات نبوت ﷺ ہے۔ قائد انقلاب نے مطالع مشہود سے ربط کی اہمیت کو تحریک کے اہداف اساسی میں رکھا اور اس کو شرح و بسط کے ساتھ واضح کیا کہ ربط رسالت کی ہماری زندگی میں کیا اہمیت ہے اور یہ کس طرح پیدا ہو سکتا ہے۔

مسلم معاشرے کے موجبات خوف و غم کا ازالہ

آپ نے موجبات خوف و غم کا تجزیہ اور خوف و غم کی تقاصیل کو بیان کیا۔ ان کے ازالے کو مسلم معاشرے کی بنیادی خصوصیات قرار دیا۔

روحانی الذہن افراد

وہ لوگ جو غلبہ دین حق کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ روحانی الذہن ہوں گے۔ ان کی وضاحت کی کہ روحانی الذہن لوگ:

”فکر میں ایمان بالاخرت، توکل، ایمان بالغیب اور دیگر اوصاف حمیدہ سے متصف ہوں گے عمل میں ایتائے حقوق اور استقامت علی الحق اور دوسرے قرآنی اوصاف حمیدہ کے حامل ہوں گے۔“

## تغیرات

قائد انقلاب نے امت مسلمہ کی حیات اجتماعی پر طاغوتی اثرات کا تفصیلی تجزیہ کیا اور انہیں ۷ اقسام میں تقسیم کر کے ان کا تاریخی پس منظر اور ان اثرات کے تدارک کا تفصیلی لائحہ عمل بھی بیان کیا۔ آپ نے دور زوال میں امت مسلمہ کی حیات اجتماعی میں مرتب ہونے والے تغیرات کو یوں بیان کیا:

- ۱۔ سیاسی فکر میں تغیر
- ۲۔ معاشی فکر میں تغیر
- ۳۔ فقہی و قانونی فکر میں تغیر
- ۴۔ عمرانی و سماجی فکر میں تغیر
- ۵۔ تہذیبی و ثقافتی فکر میں تغیر
- ۶۔ دینی و مذہبی فکر میں تغیر
- ۷۔ تعلیمی و تربیتی فکر میں تغیر

ان تغیرات کا تذکرہ کتاب ہذا میں تفصیل کے ساتھ آرہا ہے۔

## تزکیہ

ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے اگرچہ تزکیہ کو مقصود بعثت کی طلب اور انفاق فی سبیل اللہ سے منسلک کر کے ایک نیا مفہوم دے دیا تھا مگر اپنے طبعی جوش غایتیت (Teleological Enthusiasm) کے تحت وہ تزکیے کے اس پہلو کو نظر انداز کر گئے۔ جو ان دونوں مذکورہ پہلوؤں کی اساس تھا وہ تھا بندہ مومن کا نفسی پہلو۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے فطرت انسانی کی اصلاح کے لیے تزکیہ کو ضروری قرار دیتے ہوئے اس کے مفہوم میں عناصر ثلاثہ کو عملاً جمع کر دیا۔



۸۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اپنے فکر انقلاب کے خدو خال کو واضح کرنے میں کمال جرات فکر کا مظاہرہ کیا۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب نے فکر کو صرف فکر نہ رکھا بلکہ اس کو عملاً برتا اور عمل (Practice) میں ڈالا سو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے مخفی تسامحات (Hidden flaws) بھی سامنے آتے گئے۔ اس طرح انہوں نے قرآن حکیم سے اخذ کردہ اپنی فکر کو سیرت نبویؐ کے معیار پر پرکھا اور اپنی جدوجہد میں نتیجہ خیزی کی ضمانت کو یقینی بنانے کیلئے سیرت نبویؐ سے ملنے والی رہنمائی سے عملی ہم آہنگی اختیار فرمائی مثلاً:

i۔ ۱۹۸۹ء میں سیاسی جدوجہد کا آغاز کر کے معاشرے پر مسلط استعماری بتوں کے خلاف غیر مصالحانہ جنگ کا آغاز کر دیا گیا۔ مگر جب ضرورت محسوس ہوئی تو اس غیر مصالحانہ جنگ کی توانائیوں کو سماجی انقلاب اور بیداری شعور کے سفر کی طرف موڑ دیا گیا۔ اور پھر بیثاق بدینہ اور صلح حدیبیہ سے اکتساب ہدایت کرتے ہوئے دوبارہ سیاسی میدان میں اس طرح تحریک کو واپس لایا گیا۔ کہ ملک کے بڑے سیاسی حلقوں نے تحریک کی قیادت میں کام کرنا منظور کیا۔

ii۔ نتیجہ خیزی تحریک منہاج القرآن کا نمایاں وصف ہے۔ جو آج مشرق سے مغرب تک کسی بھی صاحب بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔ مگر کیا انتقال اقدار اور باطل و استعماری ایجنٹوں کا مکمل استیصال بھی مقررہ مدت میں حاصل ہو کر رہے گا؟ اس حوالے سے ڈاکٹر محمد طاہر القادری نتیجہ خیزی کے مفہوم کا تعین یوں کرتے ہیں:-

”جدوجہد ہر مرحلے پر نتیجہ خیز ہوگی۔ جس جس مرحلے کے تقاضے پورے کئے جائیں گے اس مرحلے پر نتیجہ خیزی بھی سامنے آئے گی۔ یہ تقاضے قیادت اور وابستگان دونوں کی طرف سے پورے کرنے ہوں گے۔ بالآخر جدوجہد غلبہ حق اور

استیصال باطل پر منتج ہوگی۔ ”۲۱، ۲۲

۹۔ دعوت دین کو ملت کے دینی وجود میں ایک روح کی حیثیت حاصل ہے۔ دعوت کا عمل ہی ملت کے جسد مذہبی میں زندگی کی حرارت کو تازہ رکھتا ہے۔ اور دعوت کے عمل سے بیگانگی ملت کو اپنے فرائض منصبی سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ آج بھی ملت اسلامیہ کے مختلف طبقات میں دعوت و تبلیغ کا کام جاری ہے۔ مگر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب نے دعوت و تبلیغ کے پیغمبرانہ کام کو آج کے دور کے تقاضوں کے مطابق فکر و نظام دیا۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق موثر دعوت کے لیے ضروری ہے کہ:-

- ۱۔ اسلام کی فکری و علمی حقانیت کا یقین پیدا کیا جائے۔
- ۲۔ اسلام کے عملی نظام کی برکتوں کا شعور دلایا جائے۔
- ۳۔ اسلام کے روحانی نظام کی برکتوں اور تعمیر شخصیت میں اس کے کردار کو آشکارا کیا جائے۔

غرضیکہ دعوت و تبلیغ کو کار ثواب سے اٹھا کر قائد انقلاب نے اس اصطلاح کو کار انقلاب کا مفہوم دیا ہے۔

تحریکی و انقلابی جدوجہد کا آغاز عمل دعوت سے کر کے ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے پیغمبرانہ اسلوب کی پیروی کی۔ نہ صرف عمل دعوت کو مروجہ دعوت و تبلیغ کے بے نتیجہ اسلوب سے ہٹا کر نتیجہ خیز طریقہ کار سے آگے بڑھایا بلکہ فکر دعوت کے نئے گوشوں کو بھی آشکار کیا۔

قائد انقلاب کے مطابق

۱۔ عمل دعوت قوموں کے لیے زندگی اور روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر

کوئی قوم زوال پذیر ہو چکی ہو تو اسے زوال کی موت سے عروج کی زندگی تک لانے کا کارگر نسخہ اول عمل دعوت ہے۔ اس استنباط کے لیے ڈاکٹر صاحب قرآن حکیم سے استشہاد سے قبل ایک اصول بیان کرتے ہیں کہ

”کائنات میں ہمہ گیر وحدت کا اصول کارفرما ہے۔ اور جزو و کل کی خصوصیات میں مطابقت پائی جاتی ہے۔“

ہمہ گیر وحدت کے اصول کے تصور کی اہمیت اس وقت اجاگر ہوتی ہے جب ہم اسے قرآنی تناظر (Quranic Perspective) میں دیکھیں اور اس اصول کو سامنے رکھ کر قرآنی امثال و تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش کریں تو حقائق و معارف کے نئے افق سامنے آتے ہیں ہمہ گیر وحدت کے اصول کا تصور تعبیر نص کے باب میں ڈاکٹر صاحب کی عدیم المثال تفسیری کاوش بھی ہے۔

فرد و قوم کی حیات و موت کے تصور کو ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سوانح سے قرآن کی بیان کردہ مثالوں سے واضح کرتے ہیں۔

ب۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک موثر دعوت کے تقاضے یہ ہیں:

۱۔ اس سے حیاتِ طلبی کا داعیہ پیدا ہو۔

۲۔ داعی سراپا ذکر و تسبیح (تقویٰ) ہو۔

۳۔ یہ دعوت باطل کو پیچ و تاب میں مبتلا کر دے۔

۴۔ یہ مبنی بر منسک ہو۔

ج۔ موثر دعوت کا اسلوب بھی ڈاکٹر صاحب قرآن حکیم سے اخذ کرتے

ہوئے اس کے عناصر ثلاثہ کو یوں بیان کرتے ہیں:

۱۔ شاہدیت ۲۔ مبشریت ۳۔ نذیریت

و۔ اسی طرح داعین کے لیے سورہ مزمل اور سورہ مدثر سے پورا ضابطہ اور لائحہ عمل مستنبط کر کے بیان کرتے ہیں۔

دعوت کے ان تمام پہلوؤں کی تفصیل کتاب ہذا کے باب ”دعوت اور اس کی اہمیت“ میں بیان کی گئی ہے۔

۱۰۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب کی فکر میں قرآن حکیم کو جب علم الغایات سمجھ کر فی نفسہ ہدایت قرار دے دیا جاتا ہے اور دینی جدوجہد کو پیغمبرانہ شخصیت کی معجزہ آفرینی سے الگ کر کے دیکھا جاتا ہے تو اس سے ذات نبوت سے دوری کا شائبہ پیدا ہونے کا امکان نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اس کا عملاً تدارک کیا۔ جہاں فکری طور پر تعلق بالرسالت کو اپنی فکری کائنات کا سنگ بنیاد اور لازمی عنصر قرار دیا وہاں عملاً بھی ذات نبوت ﷺ سے ربط پیدا کرنے کی سعی کی۔ آج کے دور میں اگر کسی تحریک کو تحریک عشق رسول کا عنوان دیا جانا ہو تو یہ امتیاز و اعزاز صرف تحریک منہاج القرآن کو حاصل ہوگا۔ کہ اسے تحریک عشق رسول قرار دیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف فکری اور نظریاتی طور پر محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے امت کے تعلق کو پختہ اور استوار کرنے کی کوشش انجام دی بلکہ عملاً اس تعلق کو ان کی زندگی کا حصہ بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔ اور اس سے اقبال کے اس پیغام کی روشنی نظر آرہی ہے:-

”قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے  
دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

تلك عشرة كاملة

## عصری تناظر میں قرآنی پیراڈائیم کی ضرورت:

عالمی سطح پر اشتراکی دنیا کے زوال کے بعد جب سے مغربی سرمایہ داریت کو بلا شرکت غیرے برتری حاصل ہوئی ہے، عالمی منظر نامہ بدل رہا ہے۔ اقوام و ملل کے تشخص اور بقا کے لئے نئے حوالے سامنے آرہے ہیں۔ پھر اس کے زیر اثر ان کی بقاء کو لاحق نئے نئے خطرات و چیلنج بھی۔ تاریخ کے خاتمے کا تصور دینے والا معروف مغربی دانشور فوکویاما (Francis Fukuyama) لکھتا ہے:

"The increasing salience of culture in the global order is such that Samuel Huntington has urged that the world is moving into a period of "Civilizational Clash", in which the primary identification of people will not be ideological, as during the cold war, but cultural. Accordingly, conflict is likely to arise not among fascism socialism and democracy but among the world's major cultural groups: Western, Islamic, Confucian, Japanese, Hindu and so on." <sup>۲۳</sup>

”عالمی نظام میں کلچر کی بڑھتی ہوئی اہمیت سیموئیل ہنٹنگٹن کے بقول اس طرح اشارہ کر رہی ہے کہ دنیا تہذیبی تصادم کی طرف رواں دواں ہے۔ جس میں لوگوں کی شناخت کی اساس سرد جنگ کے دور کی طرح نظریاتی نہیں بلکہ ثقافتی اور تہذیبی ہوگی۔ اس طرح تفرق و تنازع فاشزم، سوشلزم یا جمہوریت کے مابین نہیں

بلکہ دنیا کے بڑے ثقافتی گروہوں بشمول مغرب، اسلام، کنفو شنزیم، جاپان اور ہندو ازم وغیرہ کے درمیان ہوگا۔

اگرچہ مغربی اہل دانش مستقبل میں اقوام کی عروج و زوال کی کشمکش کو مبنی بر ثقافت و تہذیب دیکھ رہے ہیں تاہم یہ اساس بھی فکری و نظریاتی تار و پود سے آزاد متصور نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ آج مغرب میں سماجی میدان میں سیکولر ازم، معاشی میدان میں سرمایہ داریت اور سیاسی میدان میں مغربی جمہوریت کو آخری راستے کے طور پر اختیار کیا جا رہا ہے جو مغرب کے فکر و نظریے سے جنم لینے والے نظام کا قدرتی نتیجہ ہے۔ اندریں حالات مسلم دنیا کو ایک ایسے واضح جاندار اور حیات افروز نظام فکر کی ضرورت ہے جو نہ صرف انہیں مستقبل کے تہذیبی تصادم کا سامنے کرنے کی سکت دے بلکہ اپنے اندر ایک نئے دور کی تخلیق کی اہلیت بھی رکھتا ہو۔ ایسا مثالی نظام فکر وضع کرنے کے لئے ایک ایسا ماخذ ہدایت درکار ہے جو:

- ☆ اپنی معنوی وسعت میں بے مثال ہو۔
- ☆ اطلاقی لحاظ سے زمانی تفرقات ثلاثہ کو محیط ہو۔
- ☆ جس میں انسانی شعور کے ارتقائی پہلو کو مستحضر رکھا گیا ہو۔
- ☆ اپنی ثقاہت کی تصدیق خود پیش کرتا ہو۔
- ☆ جس کی معنویت آفاقی، غیر متبدل اور ابدی ہو۔

اس معیار پر صرف ایک ہی ماخذ ہدایت پورا اترتا ہے یعنی اللہ کی آخری کتاب ہدایت قرآن حکیم۔ اس کتاب ہدایت سے اخذ کردہ مذکورہ نظام فکر جو قرآن حکیم کی

عظیم انقلابی اور حیات افروز ہدایت پر مشتمل ہے ”قرآنی فلسفہ انقلاب“ ہے۔  
 انقلاب فکر و عمل کا یہ سفر جاری ہے۔ آج ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی ولولہ  
 انگیز شخصیت اور ان کی سرپرستی اور قیادت میں عالم اسلام میں برپا تحریک منہاج  
 القرآن عالمی سطح پر امت مسلمہ کے احياء اقدار دین کی بحالی اور غلبہ دین حق کے عظیم  
 تر ”مصطفوی انقلاب“ کی بنیاد رکھ رہی ہے۔ ان کی جدوجہد کی نہج اٹھان اور ان کے  
 پاکیزہ زرخیز اور حیات افروز پس منظر کا حامل فکر (جس کی تفصیل پر یہ کتاب مشتمل  
 ہے) اس امر کے غماز ہیں کہ وہ دن دور نہیں جب ملت اسلامیہ کا زوال عروج سے  
 بدل جائے گا اور اقبال کی یہ نوید حقیقت زندہ بن کر صفحہ ہستی پر رقم ہو جائے گی:

فروع خاکیاں از نوریاں فزون شود روزے  
 زمیں از کوکب تقدیر ما گردد شود روزے

طاہر حمید تنولی، لاہور

۲۷۔ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ

۵ جنوری ۲۰۰۰ء





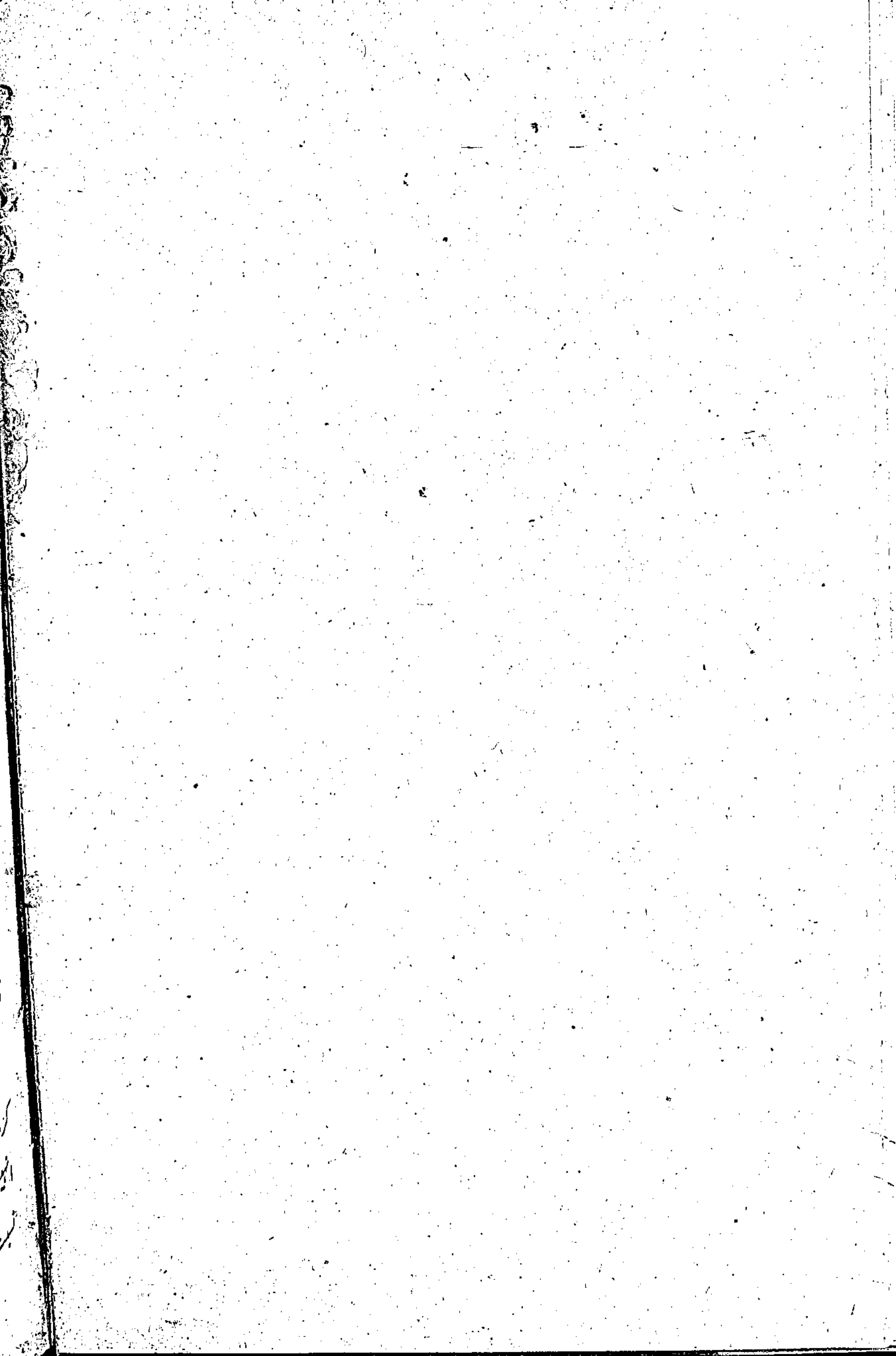
## باب اول

هو الذى ارسل رسوله بالهدى و دين الحق ليظهره على الدين كله  
(۹:۲۱)

و نريدان ممن على الذين استضعفوا فى الارض و نجعلهم ائمة و  
نجعلهم الورثين

(۵:۴۸)

قرآنى فلسفہ انقلاب کیا ہے؟



اقوام کے عروج و زوال کی حرکت مستدیر قدرت کے ساختہ آفاقی قوانین کی پابند ہے۔ ان قوانین کا احترام اقوام کو بام عروج پر فائز رکھتا ہے۔ اور ان قوانین سے انحراف زوال سے دوچار کرتا ہے۔ اگر ہم ”مطالعہ تاریخ“ کی تاریخ کا جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخ دراصل اقوام عالم کے عروج و زوال سے گزرنے کی تفصیلات کی ایک واقعاتی داستان ہے۔ جسے ہر مورخ اپنے اپنے انداز سے بیان کرتا ہے اور اس سے اپنے مزاج و فہم کے مطابق نتائج اخذ کرتا ہے۔ گویا اقوام عالم کے عروج پر فائز رہنے اور عروج کے بعد زوال پذیر ہو جانے کا علم تو علم تاریخ ہوا مگر زوال پذیر ہونے کے بعد اس دلدل سے نکلنے کی سبیل کی تلاش کا علم کیا ہوگا؟ اس موضوع پر بہت کم سوچایا لکھا گیا ہے یہی وہ نکتہ ہے جو ایک نئے فن کی ضرورت کا پیش خیمہ بنتا ہے کہ ایک علم ایسا بھی ہو جس سے زوال پذیر اور انحطاط شدہ اقوام کو پھر سے زندہ و غالب کر دیا جائے اور حصول غلبہ و حیات ملی کے اصول و ضوابط کو براہ راست قرآن حکیم کے فکر سے اخذ کیا جائے۔

## قومی زندگی میں راست فکر کی اہمیت:

قوموں کی زندگی کی سمت کے تعین میں ان کے نظام افکار بنیادی اور کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ افکار تازہ نے ہر دور میں قوموں کے زوال کو عروج میں بدلا۔ اور انہیں زندگی کی نئی جہتوں سے آشنا کیا۔ فی زمانہ جبکہ عقل اور تفکر کا عروج پہلے ادوار کی نسبت کہیں زیادہ ہے ایک مثالی اور حیات افروز نظام فکر کی ضرورت کہیں زیادہ بڑھ

جاتی ہے۔ اگر موجودہ دور کے رجحانات کا مقابلہ سابقہ ادوار سے کیا جائے۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ آج دنیا پر افکار ہی کا غلبہ و حکمرانی ہے۔ انسانی تہذیب کے آغاز میں سے تا حال بعضکم لبعض عدو کے آفاقی اصول کے تحت تفاوت باہمی نسل انسانی میں ہمیشہ ایک لازمی عنصر کے طور پر موجود رہی۔ گو اس کی نوعیت اور درجہ ہر دور میں بدلتا رہا۔ انسانی تہذیب کے ابتدائی دور میں یہ تفاوت و عداوت شخصی درجہ پر تھی۔ شخصی تفاوت (Personal Conflicts) بعد کے دور میں سماجی و قومی تفاوت (Social Conflicts) & National Conflicts میں بدلی حتیٰ کہ دور حاضر میں اس نے تہذیبوں کے تصادم (Clash of Civilizations) کی شکل اختیار کر لی۔ جو دراصل تہذیبوں کے اپنے فکر و نظریہ کی بقا کی جنگ ہے جس میں انجام کار ا صلح کو ہی بقا اور دوام حاصل ہوگا۔ اور اس معیار پر پورا نہ اترنے والا نظام فکری یا تہذیب صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے گا۔

## قرآنی نظام فکر چہارگانہ فرائض نبوت کی روشنی میں

دور زوال میں عروج کے حصول کے لئے قرآنی نظام فکر کیا ہے؟ اس سوال کا جواب اگر ہم قرآن حکیم سے اخذ کرنا چاہیں تو قرآن حکیم کے وہ مقامات جو نزول قرآن کا اقتضاء و منشا بیان کرتے ہیں اور جو منصب نبوت کے فرائض کی تفصیل بیان کرتے ہیں ان کی ترتیب اور باہمی ربط و تعلق فکر قرآن کی معرفت دیتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

”اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہیں میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم

کَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ  
يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَ

پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفساً و قلباً) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرار معرفت و حقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

يُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ  
يُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۔  
(۱۵۱:۲)

اس آیت مبارکہ کی روشنی میں فرائض چہارگانہ نبوت کی ترتیب یوں بنی:

- |               |               |
|---------------|---------------|
| ۱۔ تلاوت آیات | ۲۔ تزکیہ نفس  |
| ۳۔ تعلیم کتاب | ۴۔ تعلیم حکمت |

قرآنی فلسفہ انقلاب کے ذیل میں آیت مذکورہ میں آخری نکتے یعنی حکمت کو ہی فکر قرآن کے نام سے معنون کیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا ہر مرحلہ و ہر نکتہ کی اپنی تفصیل ہیں کہ ان سے امت کی رہنمائی کے مختلف چشمے پھوٹے مثلاً:

### ۱۔ تلاوت آیات

ان سے موعظت و تذکیر کے موضوعات نکلے کہ ان سے انسان نصیحت حاصل کرے۔ اس کی رغبت دنیا سے ہٹ کر آخرت کی طرف ہو اور اسے اپنی اصلاح کی فکر دامن گیر ہو۔ وہ تہذیب اخلاق کی طرف راغب ہو۔ تلاوت آیات سے یہ سارے امور انجام پاتے ہیں۔ گویا تلاوت آیات کا حاصل و مقصود داعیہ عمل کو جنم دینا ہے۔ جب یہی مرحلہ مزید ترقی پذیر ہو تو اس سے قرأت و تجوید کے فنون اور سماع آیات کے آداب کے ابواب نے جنم لیا۔

## ۲۔ تزکیہ نفوس

جب تلاوت آیات سے داعیہ عمل بیدار ہو گیا تو اس سے عمل صالح اور اخلاص فی العمل نے جنم لیا جو تزکیہ نفوس اور تصفیہ قلوب کا باعث بنا اس سے تصوف، طریقت، معرفت اور حقیقت کی راہیں نکلیں۔

## ۳۔ تعلیم کتاب

اس سے مراد کتاب (قرآن مجید) کے محتویات کی تفصیلات جاننا اور ان کا علم حاصل کرنا ہے۔ اس سے مسائل تفسیر اور احکام شریعت معلوم ہوئے۔ قرآن مجید سے متعلق سارے علوم اور علوم حدیث اس کے ذیل میں آگئے۔

## ۴۔ تعلیم حکمت

حکمت کا مادہ اشتقاق حکم ہے اور حکم کا لغوی معنی ہے منع، منعاً لا اصلاح یعنی کسی چیز کی اصلاح کے لئے روک دینا اسی طرح حکم کسی چیز کے متعلق فیصلہ کرنے کا نام ہے۔ گویا حکم اور حکمت کے درمیان ایک تعلق اور رشتہ موجود ہے یعنی حکمت بنیاد ہے اور حکم اس پر کھڑی عمارت ہے اور حکم کسی چیز کی حقیقت معلوم کر کے اس کے متعلق کیا گیا وہ فیصلہ ہے جو حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہو گیا۔

بالفاظ دیگر حکمت سے مراد وہ ذہنی و فکری بصیرت ہے جس سے انسان معرفت حقائق اور اشیاء کے عیون و خواص کے جملہ پہلوؤں کا علم ہی حاصل نہیں کرتا بلکہ اس علم کی تہہ میں موجود اس غایت کو بھی پالیتا ہے جو ان کے وجود کی اساس ہوتی ہے اور جس سے ان کی بقاء کا سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ حکمت کی اس اہمیت کے پیش نظر فرمایا گیا:

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔ (۲۶۹:۲)

جسے چاہتا ہے دانائی عطا فرمادیتا ہے، اور جسے (حکمت و) دانائی عطا کی گئی

اسے بہت بڑی بھلائی نصیب ہو گئی

گویا تزکیہ و تعلیم کی آخری منزل حکمت ہوئی صرف علم سے آگہی تو مل سکتی ہے مگر آگہی اور محتویات آگہی کے دھاروں کو نہیں بدلا جاسکتا۔ اس کے لئے حکمت درکاری ہوتی ہے جسے فکر کا نام دیا گیا یعنی علم صرف آگہی ہے اور فکریا حکمت اساس انقلاب ہے۔ مگر وہی فکر اساس انقلاب بنے گا جو چہارگانہ فرائض نبوت کی حقیقی ترتیب کا نتیجہ ہو گا۔ وہ حکمت جو علم صالح سے پیدا ہو اور وہ علم صالح، عمل صالح (تزکیہ) کے خمیر سے اٹھایا گیا ہو۔

تاریخ انبیاء اس امر کی گواہ ہے کہ جس بھی پیغمبر کو علم عطا ہوا اسے حکمت سے بھی نوازا گیا کیونکہ پیغمبرانہ علم کی شان یہ ہے کہ یہ نتیجہ خیز ہوتا ہے اور نتیجہ خیزی سوائے حکمت کے ممکن نہیں ہے۔ پیغمبران عظام دنیا میں کتابیں اور نصابات پڑھانے نہیں آئے۔ وہ انقلاب پاپا کرنے کے لئے آئے ہیں۔ وہ انسانیت کو ان چاروں مراحل سے گزار کر اس منزل تک لے آتے ہیں کہ وہ انقلاب آشنا ہو سکے۔

### اسوہ انبیاء کی روشنی میں حکمت کی اہمیت

اگر قرآن حکیم کی روشنی میں انبیائے کرام کے نبوی کردار کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ ہر نبی محترم کو نبوت عطا کرتے وقت حکمت بھی عطا کی گئی۔ کیونکہ انبیائے کرام کا مقصود صرف الوہی احکامات کی ترسیل ہی نہ تھا بلکہ انہیں لوگوں کے لئے ایک ایسا ضابطہ حیات کے طور پر بھی پیش کرنا تھا جو ان کا اوڑھنا بچھونا بن جاتا۔ یہ اس وقت ممکن تھا جب وہ وصف حکمت سے بھی متصف ہوتے۔ حضرت

داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:-

اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور  
اللہ نے ان کو (یعنی داؤد کو) حکومت  
اور حکمت عطا فرمائی اور انہیں جو چاہا  
سکھایا۔

وَقَتَلَ دَاوُدَ جَالُوتَ وَآتَهُ اللَّهُ  
الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا  
يَشَاءُ

(۲۵۱:۲)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

(اے رسول) آپ ان کی باتوں پر  
صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤد کو یاد  
کیجئے جو بڑی قوت والے تھے (اور)  
بے شک وہ (اللہ کی طرف) بہت  
رجوع کرنے والے تھے۔

اصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ  
عِبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْأَيْدِ إِنَّهُ  
أَوَّابٌ ۝

ہم نے پہاڑوں کو ان کا تابع فرمان کیا  
جو صبح و شام ان کے ساتھ تسبیح کرتے  
تھے۔ اور پرندے بھی ان کے ساتھ  
جمع ہو کر (تسبیح کرتے اور) سب ان کے  
تابع فرمان تھے۔ اور ہم نے ان کی  
حکومت کو بڑا استحکام دیا اور ان کو  
حکمت اور قول فیصل (کاسلیقہ) سکھایا  
(کہ سننے والا خود ان کے انصاف کا  
قائل ہو جائے)۔

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ  
بِالْعَشِيِّ وَالْإشْرَاقِ ۝ وَالطَّيْرَ  
مَحْشُورَةً كُلٌّ لَهُ أَوَّابٌ ۝  
وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَهُ الْحِكْمَةَ  
وَفَضَّلْنَا الْخِطَابَ ۝

(۲۰:۳۸-۱۷)



حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

وَ يُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ  
وَالتَّوْرَةَ وَالْاِنْجِيلَ ۝ وَرَسُوْلًا اِلَى  
بَنِي اِسْرَائِيْلَ  
(۴۹:۳۸)

اور اللہ اسے کتاب اور حکمت اور  
تورات اور انجیل (سب کچھ) سکھائے  
گا۔ اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول  
ہوگا

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيسٰى اِبْنَ مَرْيَمَ  
اِذْ كُرْنَا نِعْمَتِيْ عَلَیْكَ وَ عَلٰى  
وَالِدَتِكَ اِذْ اَيَّدْتُكَ بِرُوْحِ  
الْقُدُسِ . تَكْلِمِ النَّاسِ فِى الْمَهْدِ  
وَ كَهْلًا . وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ  
وَ الْحِكْمَةَ وَ التَّوْرَةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ۝  
(۱۱۰:۵)

جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم  
تم اپنے اوپر اور اپنی والدہ پر میرا احسان  
یاد کرو جب میں نے پاک روح  
(جبریل) کے ذریعے تمہیں تقویت  
بخشی۔ تم گہوے میں (بچہ طفولیت)  
اور پختہ عمری میں (بچہ تبلیغ و رسالت  
یکساں انداز سے) لوگوں سے گفتگو  
کرتے تھے اور جب میں نے تمہیں  
کتاب اور حکمت (ودانائی) اور تورات  
اور انجیل سکھائی

(اور دین حق کی طرف رسول کا  
لوگوں کا بلانا کوئی نئی بات نہیں) جب  
عیسیٰ بھی نشانیاں (یعنی معجزات) لے  
کر آئے تو انہوں نے (بھی یہی) کہا  
کہ (لوگو) میں تمہارے پاس حکمت

(کی باتیں) لے کر آیا ہوں اور اس  
لیے (آیا ہوں) کہ بعض وہ باتیں جن  
میں تم جھگڑتے رہتے ہو تم پر واضح  
کردوں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری  
اطاعت کرو۔

حضور اکرم ﷺ کو کتاب کے ساتھ حکمت عطا کرنے کو یوں ارشاد فرمایا

گیا:

اور (اے حبیب) اگر آپ پر اللہ کا  
فضل اور اسکی رحمت نہ ہوتی تو ان  
(دعا بازوں میں سے ایک گروہ یہ  
ارادہ کر چکا تھا کہ آپ کو بہکا دیں جبکہ  
وہ محض اپنے آپ کو ہی گمراہ کر رہے  
ہیں اور آپ کا تو کچھ بگاڑ ہی نہیں سکتے  
اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت

وَلَمَّا جَاءَ عَيْشِي بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ  
قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَالْبَيِّنَاتِ  
لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ  
فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝  
(۶۳:۴۳)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ  
لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ  
وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا  
يَضُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ  
عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ  
عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ . وَكَانَ

نازل فرمائی ہے اور اس نے آپ کو وہ  
سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں  
جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا  
فضل ہے۔

یہ حکمت و دانائی کی ان باتوں میں  
سے ہے جو آپ کے رب نے آپ کی  
طرف وحی فرمائی ہیں اور (اے  
انسان) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا  
معبود نہ ٹھہرا (ورنہ) تو ملازمت زدہ  
(اور اللہ کی رحمت سے) دھتکارا ہوا  
ہو کر دوزخ میں جھونک دیا جائیگا۔

حتیٰ کہ امہات المؤمنین کو آپ کے اس وصف کی خبر دی گئی۔

اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی  
آیات اور حکمت کی باتیں بیان کی  
جاتی ہیں ان کو (خوب) یاد رکھو  
(لوگوں تک ان کا پہنچانا علم کی) زکوٰۃ  
ہوگی) بیشک اللہ بڑا باریک بین (اور)  
بہت باخبر ہے۔ (وہ خوب جانتا ہے کہ  
دنیا میں کس قدر دین تمہارے ذریعہ

فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۝

(۱۱۳:۴)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

ذَلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ  
الْحِكْمَةِ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا  
آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا  
مَذْحُورًا ۝

(۳۹:۱۷)

حتیٰ کہ امہات المؤمنین کو آپ کے اس وصف کی خبر دی گئی۔

وَأذْكُرَنَّ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ  
مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ  
كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ۝

(۳۴:۳۳)

پھیلے گا وہ حقائق اور ان کی لطافت سے  
بھی خوب واقف ہے۔

جہاں اکثر انبیائے کرام کے تذکرے کے ساتھ کتب و حکمت عطا کرنے کا  
ذکر کیا گیا وہاں یوم میثاق تمام انبیاء کرام کو حکمت عطا کرنے کا مجموعی طور پر بھی تذکرہ  
کر دیا گیا تاکہ اس بنیادی اصول کی وضاحت ہو جائے کہ حکمت نبوت کا خاصہ ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا  
آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ  
جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا  
مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ  
(۸۱:۳)

اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کریں)  
جب اللہ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ  
جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا  
کردوں پھر تمہارے پاس وہ (سب پر  
عظمت والا) رسول تشریف لائے جو  
ان کتابوں کی تصدیق فرمائے والا ہو جو  
تمہارے ساتھ ہوگی تو ضرور بالضرور  
ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور  
ان کی مدد کرو گے۔

قرآن حکیم کے بیان کردہ چہارگانہ فرائض نبوت کے مقصود کو پیش نظر  
رکھتے ہوئے حکمت قرآن کی روشنی میں قرآن سے اخذ کردہ وہ فکر جس سے معاشرے  
میں انقلاب پیا ہو سکے اور معاشرے کے طاغوتی اور استحصالی بت پاش ہوں اور ان  
کے شکنجوں سے ملت اسلامیہ کو نجات مل سکے اور غلبہ امت مسلمہ کے عظیم انقلاب  
کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے ”قرآنی فلسفہ انقلاب“ ہے۔

## کیا فلسفہ انقلاب ایک سائنس ہے؟

قرآن حکیم اقوام کے عروج و زوال کے مضمون کو اتنے دو ٹوک انداز سے بیان کرتا ہے کہ ان ضوابط کی حتمیت میں کوئی ابہام اور شک و شبہ نہیں رہ جاتا۔ پھر عروج و زوال کے جن آفاقی اصولوں کو قرآن حکیم میں بیان کیا گیا ہے ان کی تجربی توثیق بھی تاریخ انسانی کی مختلف اقوام کے احوال حیات سے فراہم کی گئی ہے۔ اس تناظر میں جب فلسفہ انقلاب کو قرآن حکیم سے اخذ کیا جائے تو لامحالہ یہ ایک سائنس قرار پاتا ہے۔

حکمت قرآن کی روشنی میں جب فلسفہ انقلاب کو بطور ایک فکر اور سائنس کے قرآن حکیم سے اخذ کرنے کا مرحلہ آتا ہے تو اس کی جملہ تفصیلات کو قرآن حکیم سے اس طرح اخذ کرنا ہو گا کہ وہ انقلابی جدوجہد کو آغاز سے تا حصول منزل رہنمائی دے سکیں۔ اگر اس حوالے سے ہم تاریخ اسلام کا جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اوائل ادوار کے علماء نے اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں کی کیونکہ جو نتائج انقلاب سے پیدا کرنا مقصود تھے وہ نتائج تو معاشرے میں پہلے سے ہی موجود تھے۔ اسلام کا اور اسلامی تہذیب و تمدن کا غلبہ تھا۔ کفر ہر لحاظ سے تابع اور مغلوب تھا اعلیٰ کلمۃ اللہ تھا۔ دس صدیاں اس طرح گزر گئیں جزوی طور پر بگاڑ آتے رہے مگر ان کی جزوی اصلاح بھی ہوتی رہی اگر اسلامی معاشرے میں دین کے عملی نفاذ کے حوالے سے دیکھیں تو دین کے دو پہلے ہیں:

### ۱۔ معیاری دین

اس سے مراد غلبہ حق کی جدوجہد ہے، یہ مقصد بعثت محمدی ﷺ سے

عبارت ہے۔ اس کی غایت حق کو غالب کر کے حق کے اقدار کو پیدا کرنا ہے۔

## ۲۔ معمول بہ دین

یہ شریعت اور کتاب و سنت کا وہ عملی ڈھانچہ ہے جس کا مقصد پیدا شدہ اقدار کو تمام و کمال محفوظ رکھنا ہے۔

آج اسلامی معاشرے میں جس ہمہ گیر سیاسی انقلاب کی ضرورت پیش نظر ہے اسلام کے دور عروج میں اس کی ضرورت نہ تھی کہ معمول بہ دین موجود تھے جو کہ تین عناصر سے عبارت ہے:

۱۔ شریعت: یہ فقہ و قانون اسلامی کا نظام ہے جو اعمال کے نظم کے لئے ہے۔

۲۔ طریقت: یہ احوال باطنی کی اصلاح کا نظام ہے۔

۳۔ مسالک: عقائد کی اصلاح کے لئے مکاتب فکر اور مسالک کا نظام ہے۔

ماضی میں جب بھی بگاڑ آیا معمول بہ دین کے ان تینوں شعبوں میں جزوی طور پر بگاڑ پیدا ہوا تو اس کی اصلاح بھی ہوتی رہی۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے طریقت کے بگاڑ کی اصلاح کی، امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے عقائد کے باب میں اصلاح کی۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے عقائد و طریقت کے بگاڑ کو درست کیا۔ دور حاضر میں جب اہانت رسالت مآب ﷺ اور اہانت اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کی صورت میں بگاڑ پیدا ہوا تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاحی مساعی انجام دیں۔ غرضیکہ تجدیدی اور اصلاحی تحریکیں ہر دور میں چلتی رہیں اور ہر دور میں علماء حق اپنا کردار ادا کرتے رہے مگر ماضی میں چونکہ دین سیاسی طور پر بحال تھا تو معمول بہ دین کے تین پہلو بھی زندہ اور تروتازہ رہے مگر جب گزشتہ دو تین صدیوں سے اجتماعی انحطاط اور زوال کا آغاز ہوا اور غلبہ دین حق بحال نہ رہا تو معمول بہ

دین کے ان تین پہلوؤں کا تحریک اور نتیجہ خیزی بھی بحال نہ رہی۔ اس المیے کے پیش نظر آج اس امر کی ضرورت پیش آئی کہ ”قرآنی فلسفہ انقلاب“ کی صورت میں قرآن سے اس انحطاط و زوال اجتماعی کے تدارک کی راہ تلاش کی جائے۔

قرآن حکیم زندگی کا ایک ایسا ہمہ گیر اور جامع تصور پیش کرتا ہے جو بیک وقت علم و عمل کو محیط ہے۔ قرآنی فکر میں علم و عمل میں باہمی تفرق و تفوق کے بجائے توازن و اعتدال پایا جاتا ہے:-

وَلِكُلِّ دَرَجَتٍ مِّمَّا عَمِلُوا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ۝ (۱۳۲:۶)

اور ہر ایک کے لیے ان کے اعمال کے لحاظ سے درجات (مقرر) ہیں اور آپ کا رب ان (کاموں) سے بے خبر نہیں ہے جو وہ انجام دیتے ہیں۔

وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (۱۱:۵۸)

اور اللہ تم میں سے ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا کیا گیا ہے درجے بلند کرے گا اور اللہ کو خبر ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

بلندی درجات کے عمل کو علم و عمل دونوں کے ساتھ مربوط کر کے اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ اسلام میں علم بے عمل یا عمل بے علم ہرگز محمود نہیں۔ اگر ہم نماز ہی کی مثال لیں فی نفسہ فحوائے مشمولات نماز ایک علم ہے مگر اس کی اقامت ایک عمل۔ گویا قرآنی فکر علم و عمل میں توازن کا تقاضا کرتا ہے ایسا توازن جو دونوں کے ارتقاء کے عمل کو جاری رکھے:

فَإِذَا قَرَأْتَهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ۝ ثُمَّ إِنَّ

پس جب ہم پڑھا کریں (یعنی وحی

نازل ہو) (۱) تو آپ (اس کو سنا کریں

اور) اس کو اسی طرح پڑھا کریں

(۱۹:۴۵)

(یہاں اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام

کے وحی سنانے کو اپنی طرف منسوب

فرمایا ہے تاکہ یہ اتباع اللہ ہی کی

رہے) (۲)۔ پھر بلاشبہ اس کو کھول کر

بیان کر دینا ہمارے ہی ذمہ ہے (۳)۔

اس آیت میں نمبر ۱ علم، نمبر ۲ عمل اور نمبر ۳ ارتقاء الی الا علیٰ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

قرآن حکیم نے جہاں اپنی ابدی اور آفاقی تعلیمات اور ان کے حیات افروز اثرات و نتائج کو بیان کیا ہے وہاں قوانین الہی سے انحراف کرنے پر پیش آنے والے انجام و نتائج کو بھی بیان کرتا ہے۔ اقدوام و ملل کی باہمی کشمکش اور ان کے عروج و زوال کی داستان روز اول سے جاری ہے ایک قوم کا عروج کل زوال اور ایک کا زوال آنے والے زمانے میں عروج میں بدل جانا ہے۔ تاریخ کا یہ سارا عمل چند مقررہ اصول و ضوابط کے تحت ہو رہا ہوتا ہے اور اسکے کسی طور پر بھی اتفاق کو دخل نہیں ہوتا۔ قرآن حکیم نے مختلف اقوام کا تذکرہ کرتے ہوئے اس ذیل میں واضح رہنمائی کی ہے اور اقوام کی عروج و زوال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اجتماعی قوانین۔ قوموں کی اخلاقی خصوصیات اور ان کے عقائد و اعمال وغیرہ تک کو بیان کیا ہے۔ جس سے یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ جہاں جو کچھ بھی ہو رہا ہے۔ وہ کچھ مقررہ اصولوں کے تحت ہی ہو رہا ہے۔ نہ کہ تاریخ کے اندھے اور منہ زور دھارے کے رخ پر۔



قرآن حکیم نے اسے اصطلاحی انداز سے ”سنۃ اللہ“ سے تعبیر کیا ہے جو کسی بھی طرح سے تبدیل یا تحویل نہیں ہو سکتے۔

(اور) اللہ کا تو یہی دستور ان (منافقین اور کفار) کے بارے میں بھی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں (چلا آ رہا ہے) اور آپ اللہ کے کسی دستور میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔ (نہ وہ اللہ کے عذاب سے بچ سکے نہ یہ بچ سکیں گے)۔

ان سب رسولوں (کیلئے اللہ) کا دستور (یہی رہا ہے) جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا تھا اور آپ ہمارے دستور میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔

کس طرح اور کب یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے (اور اللہ کے دستور میں آپ کوئی تغیر نہ پائیں گے)۔

سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ  
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا O  
(۶۲:۳۳)

سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ  
رُسُلِنَا وَلَا تَجِدَ لِسُنَّتِنَا  
تَحْوِيلًا O  
(۷۷:۱۷)

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ  
تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا  
(۳۳:۳۵)

جس طرح اقوام و ملل کی تشکیل کا آغاز افراد قوم سے ہوتا ہے اسی طرح ان کے اجتماعی عروج و زوال کا تعین بھی ان کے اجتماعی نفسی احوال سے ہوتا ہے جو انفرادی نفسی احوال سے ہی تشکیل پاتے ہیں۔ ارشادِ باری ہے:

بیشک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے آپ میں خود تبدیلی پیدا کر ڈالیں

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ط  
(۱۱:۱۳)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

یہ (عذاب) اس وجہ سے ہے کہ اللہ کسی نعمت کو ہرگز بدلنے والا نہیں جو اس نے کسی قوم پر ارزانی فرمائی ہو یہاں تک کہ وہ لوگ از خود اپنی حالت نعمت کو بدل دیں

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ لَا  
(۵۳:۸)

یعنی کسی بھی قوم کی اچھی یا بری حالت کو تبدیل تب ہی کیا جاسکتا ہے جب وہ خود اس تبدیلی کے لئے انفسی طور پر جواز فراہم کر دیتی ہے۔ تبدیلی انفس کی اقوام کے اجتماعی عروج و زوال میں اس محوری اہمیت کی وجہ سے انفس کو اقوام کی وہ زمین قرار دیا جاسکتا ہے جہاں سب سے پہلے عروج و زوال کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ انفس میں ہونے والی تخم ریزی ہی انجام کار خارج اور ماحول میں عروج یا زوال کی صورت میں متشکل ہوتا ہے۔ یعنی خارج اور ماحول کی تبدیلیاں کسی طور پر بھی انفس سے الگ نہیں کی جاسکتیں۔ انسانی ماحول اور مافیہ (انفس) کے اس ربط و تعلق کو قرآن حکیم نے یوں بیان کیا:-

ہم عنقریب ان کو دنیا میں اور خود ان کی ذات میں اپنی (قدرت و حکمت کی) نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْأَفَاقِ وَ فِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ. أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝

پر کھل جائے گا کہ یہ (قرآن) حق

ہے۔ کیا آپ کا رب ہر چیز پر گواہ

(۵۳:۴۱)

ہونے کے لیے کافی نہیں (اگر وہ آپ

کی نبوت آپ کے دین کا شاہد ہے تو

کفار کے انکار سے کیا ہوتا ہے)۔

قرآن حکیم کی اس واضح رہنمائی سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ عروج ہو

یا زوال اسکی فطری اور قدرتی ترتیب وقوع یہ ہوگی:-

i۔ انفسی اور شعوری سطح پر تبدیلی

ii۔ عملی و اخلاقی سطح پر تبدیلی

یعنی پہلے اقوام و ملل میں افکار، تصورات کی سطح پر تبدیلی وقوع پذیر ہوتی ہے

اور وہ اعلیٰ یا اسفل درجہ زندگی کی طرف مائل ہوتی ہے اور اس کے بعد خارج میں مذکورہ

تصورات حقائق میں بدلتے ہیں جب تک کوئی بھی قوم عروج و اقتدار کے منصب سے

سرفراز ہونے کی صلاحیت سے بہرہ ور رہتی ہے اس سے یہ منصب سلب نہیں کیا جاتا۔

اسی طرح جب تک کوئی قوم شعوری اور عملی سطح پر اپنا استحقاق ثابت نہیں کرتی اسے

منصب عروج پر فائز نہیں کیا جاتا۔

عروج و زوال اور بقا و فنا کے کائناتی ضابطے کو قرآن حکیم میں مختلف مقامات

پر مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ قرآن حکیم ایک مثال سے اسے یوں واضح کرتا

ہے:-

اس نے آسمان کی جانب سے پانی اتارا

تو وادیاں اپنی (اپنی) گنجائش کے

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ

أَوْدِيَةً بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ

زَبَدًا رَابِيًا. وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ  
 فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ  
 زَبَدٌ مِثْلَهُ. كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ  
 الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ. فَأَمَّا الزَّبَدُ  
 فَيَذْهَبُ جُفَاءً. وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ  
 النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ.  
 كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۝  
 (۱۷:۱۳)

مطابق بہ نکلیں پھر سیلاب کی رونے  
 ابھرا ہوا جھاگ اٹھالیا اور جن چیزوں  
 کو آگ میں تپاتے ہیں زیور یا دوسرا  
 سامان بنانے کیلئے اس پر بھی ویسا ہی  
 جھاگ تو (پانی والا ہو یا آگ والا سب)  
 بیکار ہو کر جاتا رہتا ہے اور البتہ جو کچھ  
 لوگوں کیلئے نفع بخش ہوتا ہے وہ زمین  
 میں باقی رہتا ہے اللہ اس طرح مثالیں  
 بیان فرماتا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اس بنیادی اصول کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ نفع  
 بخشی ہی وہ بنیادی اصول ہے جو بقا و استحکام اور عروج و تمکین کا باعث بنتی ہے۔ اگر کوئی  
 قوم نفع بخشی کی روش کو اختیار کرے گی تو مشیت الہی بھی اسے بقا اور عروج کے  
 راستوں کی رہنمائی عطا کرے گی بصورت دیگر اس کا مقدر سوائے زوال کے کچھ نہیں  
 ہو سکتا۔

### ابدی فلاح کا قانون قرآن حکیم کی روشنی میں

رب ذوالجلال نے فاما یا یتینکم منی ہدی الخ کے وعدہ کے تحت جب  
 انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا تو ہر دور میں انسانیت کی فلاح کے لئے انبیاء کرام نظام فکر و  
 عمل لے کر آتے رہے۔ ان کی دعوت بایں طور انسانیت کو بام عروج پر فائز کرنے کے  
 لئے جاری رہی کہ:

عقائد کے باب میں ہر اس فکر و نظریے کی نفی کی جائے جو انسانیت کو غیر

اللہ کی بندگی میں گرفتار کر کے اس سے تکریم و شرف انسانیت چھین لے۔

معاشرت کے باب میں ہر اس امر کی نفی کی جائے جو منکر (کے قرآنی تصور) سے عبارت ہو اور ہر اس امر کو فروغ دیا جائے جو (قرآن کے دیئے ہوئے تصور) معروف پر مشتمل ہو۔

سیاست کے میدان میں مبنی بروحی نظام رائج کیا جائے جہاں انسانوں پر کسی انسان یا مافوق الفطرت دیومالائی طاقت کی حکمرانی نہ ہو بلکہ رب ذوالجلال کی حکمرانی ہو۔ اور ارضی حکمران قانون الہی کے تحت اپنا اختیار حکمرانی بطور ایک امانت اور ذمہ داری کے استعمال کریں۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے ہر دور میں انبیاء کرامؑ مصروف کار رہے تاہم ہر نئی ایک مخصوص علاقے خطے اور کسی خاص قوم کے لئے مبعوث ہوا تا آنکہ یہ سلسلہ رشد و ہدایت نبی آخر الزماں حضور اکرم ﷺ پر آکر تکمیل پذیر ہو گیا۔

آتش اور صد ابراہیم سوخت

تا چراغ یک محمدؐ بر فروخت

حضور ختمی مرتبت پر نبوت کے خاتمے کا مفہوم یہ ہے کہ الوہی ہدایت کا سلسلہ آپ پر آکر اپنے کمال و اتمام کو پہنچ گیا اور اب قیامت تک انسانیت کو کسی دوسرے نظام ہدایت کی احتیاج باقی نہیں رہی۔ گزشتہ انبیاء کرامؑ کے عطا کردہ نظام ہائے ہدایت اس آفاقیت کے حامل نہ تھے مزید یہ کہ مرور ایام کے ساتھ ساتھ ان اقوام نے بھی اپنے انبیاءؑ کی عطا کردہ تعلیمات کو مسح کر کے ان کو اصل روح سے بیگانہ کر دیا۔ مثلاً حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو احکام الہی کی پابندی کی تلقین کی:-

وَ إِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ  
لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَ بِالْوَالِدِينَ  
إِحْسَانًا وَ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ  
وَالْمَسْكِينِ وَ قُولُوا لِلنَّاسِ  
حُسْنًا وَ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَ آتُوا  
الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا  
مِّنْكُمْ وَ أَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ ۝

(۸۳:۲)

اور (یاد کرو) جب ہم نے اولاد یعقوب  
سے پختہ وعدہ لیا کہ اللہ کے سوا (کسی  
اور کی) عبادت نہ کرنا، اور ماں باپ  
کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور قرابت  
داروں اور یتیموں اور محتاجوں کے  
ساتھ بھی (بھلائی کرنا) اور عام  
لوگوں سے (بھی نرمی اور خوش خلقی  
کے ساتھ) نیکی کی بات کہنا اور نماز  
قائم رکھنا اور زکوٰۃ دیتے رہنا، پھر تم  
میں سے چند لوگوں کے سوا سارے  
(اس عہد سے) روگرداں ہو گئے اور تم  
(حق سے) گریز ہی کرنے والے ہو۔

قوم موسوی نے نہ صرف حضرت موسیٰ کے عطا کردہ نظام فکر و عمل کو بھلا  
دیا بلکہ اگر عمل بھی کیا تو صرف ظاہر پر اور اس تعلیم کی روح اور حقیقت کو پس پشت  
ڈال دیا۔ اس طرح ظاہری تشریح ان کا و طیرہ بن گیا واقعہ سبت اور ذبح بقرہ اس کی واضح  
مثالیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عیسیٰ کی بعثت ہوئی تو یہود کے اس طرز عمل  
کے تدارک پر آپ کی تعلیمات میں خصوصی زور دیا گیا۔ آپ نے اصلاح باطن کا پیغام  
دیا مگر اس پیغام پر عمل اتنی افراط کے ساتھ کیا گیا کہ آپ کے متبعین زندگی کے  
ظاہری تقاضوں سے لا تعلق ہو گئے اور اصلاح باطن کی اس حد تک جا پہنچے جس کا مستقلاً  
لحاظ رکھنے پر وہ خود بھی قادر نہ تھے ارشادِ بانی ہے:-

وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ  
 الْإِنجِيلَ ۝ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ  
 الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً  
 وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوا هَٰمًا كَتَبْنَاهَا  
 عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ  
 فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا  
 الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ  
 وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ۝  
 (۲۷:۵۷)

اور ان کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا  
 اور ان کو انجیل عطا فرمائی اور ان کے  
 متبعین کے دلوں میں شفقت و رحمت  
 ڈال دی اور (آگے چل کر انہوں نے  
 ترک دنیا و ترک لذات شروع کیا تو  
 یہ) رہبانیت جس کی ابتدا خود انہوں  
 نے کی ہم نے اس کو ان پر فرض نہ کیا  
 تھا مگر انہوں نے اسے اللہ کی  
 رضامندی کے لیے اختیار کیا لیکن  
 جس طرح اس کو نبھانا چاہیے تھا نباہ نہ  
 سکے (افراط و تفریط میں پڑ گئے رضاء  
 الہی کی جگہ اپنے تقویٰ پر نازاں ہونے  
 لگے) پھر (بھی) ان میں جو ایمان لے  
 آئے ہم نے ان کو اجر دیا اور ان میں  
 سے اکثر (تو) نافرمان ہی ہیں (اس  
 لیے کہ وہ خاتم النبیین ﷺ پر ایمان  
 نہیں لاتے)۔

گزشتہ اقوام اپنے انبیاء کی عطا کردہ تعلیمات میں افراط و تفریط کا شکار ہو کر  
 اس کی اصل روح کو گم کر بیٹھے۔ اس لئے جب اس سلسلہ رشد و ہدایت کو حضور ختمی  
 مرتبت ﷺ پر ختم کیا گیا تو اسے ہر لحاظ سے شان تکمیلی عطا کی گئی:-

و تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا  
وَعَدْلًا لَا مَبْدَلَ لِكَلِمَتِهِ وَهُوَ  
السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

اور آپ کے رب کی بات سچائی اور  
عدل کی رو سے پوری ہو چکی اس کی  
باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ  
خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

(۱۱۵:۶)

صداقت اور انصاف و عدالت الوہی ہدایت میں ہی مضمر ہے۔ گزشتہ اقوام  
و امم کا طرز عمل اس امر پر گواہ ہے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کرام کی دعوت کو جھٹلایا اور  
باغیانہ روش اختیار کی تو وہ تباہی بربادی اور ہلاکت سے دوچار ہو گئیں۔ پیغمبرانہ دعوت  
اور مقصد بعثت کے محتویات اور اس کے مقابل ان کی اقوام کے رد عمل اور اس رد عمل  
کے نتائج کی تاریخ کو اگر اقوام کے عروج و زوال کے حوالے سے دیکھیں تو یہ قرآنی  
اصول ہمارے سامنے آتا ہے:-

”انسانیت کی فلاح جملہ شعبہ ہائے حیات میں مبنی بروحی نظام  
زندگی کو اختیار کرنے میں ہے اور اس سے روگردانی کا لازمی نتیجہ  
ہلاکت و خسران ہے“

اس قرآنی اصول کی ہمہ اطلاقی نوعیت اس وقت سامنے آتی ہے جب قرآن  
حکیم کی روشنی میں اس اصول کے درج ذیل ذیلی عنوانات کا جائزہ لیا جائے:

ا: کیا گزشتہ اقوام کی ہلاکت کسی تاریخی حادثہ کے تحت بلا کسی سبب کے ہوتی  
رہی؟

ب: اگر گزشتہ اقوام کسی سبب کے تحت ہلاکت سے دوچار ہوتی رہیں تو وہ اسباب  
کیا ہیں؟



ج: فلاح یاب لوگ کون ہیں؟

د: قرآن حکیم کی روشنی میں فلاح اور کامیابی کی ضمانت کیا ہے؟

کیا گزشتہ اقوام کی ہلاکت ایک تاریخی حادثہ تھی؟

اگر گزشتہ اقوام کی زوال پذیری کے اسباب قرآن حکیم سے معلوم کئے جائیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ بعثت انبیاء کا مقصود ہی یہ تھا کہ انسانیت فلاح کی راہ پر گامزن ہو جائے۔

اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا	مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَدَا ابِكُمْ اِنْ
اگر تم شکر گزار بن جاؤ اور ایمان لے	شَكَرْتُمْ وَاَمَنْتُمْ وَ كَانَ اللَّهُ
آؤ اور اللہ (ہر حق کا) قدر شناس	شَاكِرًا عَلِيمًا ۝
ہے (ہر عمل کا) خوب جاننے والا	(۱۴۷:۴)
ہے۔	

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ وہ بستیوں	وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَاةِ
کو ظلماً ہلاک کر ڈالے در آنحالیکہ اس	بِظُلْمٍ وَّاهْلِهَا مُصْلِحُونَ ۝
کے باشندے نیکو کار ہوں۔	(۱۱:۱۱)

یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی قوم کی بد اعمالیوں کی وجہ سے اس کی ہلاکت اور تباہی کا فیصلہ کیا گیا تو پہلے اس کی اصلاح کے لئے وہاں انبیاء کرام ضرور مبعوث کئے گئے۔

اور ہم نے کسی بستی کو غارت نہیں کیا  
مگر اس کے لئے (عواقب سے)  
ڈرانے والے (ان بستیوں میں  
موجود) تھے

اور آپ کا رب بستیوں کو ہلاک نہیں  
کیا کرتا جب تک کہ ان کی بڑی (اور  
مرکزی) بستی میں کسی کو پیغمبر (بنا  
کر) نہ بھیج لے جو ان کو ہماری آیتیں  
پڑھ کر سنائے اور (ساتھ ہی ہمارا یہ  
بھی دستور ہے کہ) جب تک ان  
(بستیوں) کے رہنے والے ظالم نہ  
ہوں ہم ان بستیوں کو غارت نہیں  
کرتے۔

اور جب انبیاء کرام کی بعثت کے باوجود انکی اقوام نے ان کی دعوت پر لبیک نہ کہا اور  
سرکشی کا راستہ اختیار کیا تو اس طرح وہ ظلم کے مرتکب ہوتے اور انکی یہی ظالمانہ روش  
ان کی تباہی کا باعث بن گئی:

اور (ہمارے احکام سے عدول حکمی ان  
اور نافرمانی کر کے) انہوں نے ہمارا تو  
کچھ نہیں بگاڑا بلکہ اپنی ہی جانوں پر ظلم  
کرتے رہے۔

وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا  
مُنذِرُونَ ۝

(۲۰۸:۲۶)

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَى  
حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُوا  
عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي  
الْقُرَىٰ إِلَّا وَآهْلِهَا ظَالِمُونَ ۝

(۵۹:۲۸)

وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنفُسَهُمْ  
يَظْلِمُونَ ۝ (۵۷:۲) (۱۶۰:۷)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:-

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنْفُسُهُمْ  
يَظْلِمُونَ ۝

اور اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ  
وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

(۱۱۷:۳)

اسی طرح کا مفہوم (۳۳:۱۶) میں بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ کسی بھی بستی کی

ہلاکت کا فیصلہ اس حال میں نہیں کیا جاتا کہ وہ پیغام ہدایت سے آگاہ نہ ہو۔

یہ (رسولوں کا بھیجنا) اس لیے تھا کہ

ذَلِكَ أَنْ لَمْ يَكُنْ رَبُّكَ مُهْلِكَ

آپ کا رب بستیوں کو ظلم کے باعث

الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلِهَا غَافِلُونَ ۝

ایسی حالت میں تباہ کرنے والا نہیں

(۱۳۱:۶)

ہے کہ وہاں کے رہنے والے (حق کی

تعلیمات سے بالکل) بے خبر ہوں

(یعنی انہیں کسی نے حق سے آگاہ ہی

نہ کیا ہو)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ  
كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝

پس اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا

لیکن وہ (انکار حق کے باعث) اپنے

اوپر خود ہی ظلم کرتے تھے۔

(۷۰:۹) (۹:۳۰)

بیشک اللہ لوگوں پر ذرہ برابر ظلم نہیں

کرتا لیکن لوگ (خود ہی) اپنی جانوں

پر ظلم کرتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ

النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝

(۲۴:۱۰)

اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا تھا لیکن انہوں نے (خود ہی) اپنی جانوں پر ظلم کیا سو ان کے وہ جھوٹے معبود جنہیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے ان کے کچھ کام نہ آئے جب آپ کے رب کا حکم (عذاب) آیا تو وہ (دیوتا) صرف ان کی ہلاکت و بربادی میں ہی اضافہ کر سکے۔

اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا تھا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کرتے تھے۔

وَمَا ظَلَمْنَهُمْ وَلَكِنْ ظَلَمُوا  
أَنْفُسَهُمْ فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ  
الِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ  
مِنْ شَيْءٍ لَمَّا جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ  
وَمَا زَادُوهُمْ غَيْرَ تَتَابِعٍ ۝  
(۱۰۱:۱۱)

وَمَا ظَلَمْنَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا  
أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝  
(۱۱۸:۱۲)

اسی طرح کا مفہوم (۷۶:۳۳) میں بیان کیا گیا ہے۔

پھر ہر ایک کو ان کے گناہوں پر ہم نے پکڑا۔ تو ان میں سے بعض پر ہم نے ہوا کے ساتھ پتھر برسائے اور بعض وہ تھے جن کو ایک (آتشی) چنگھاڑنے پکڑ لیا۔ اور ان میں سے کسی کو ہم نے زمین میں دھنسیا اور کسی کو ہم نے (دریا میں) ڈبویا اور (یہ سب ان کے اپنے اعمال بد کے باعث ہوا

فَكَلَّا. أَخَذْنَا بِذُنُوبِهِ فَمِنْهُمْ مَنْ  
أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَنْ  
أَخَذْتُهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَنْ  
خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنْ  
أَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ  
وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ  
يَظْلِمُونَ ۝

(۲۰:۲۹)

ورنہ) اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا  
البتہ یہ خود اپنے پر ظلم کر رہے  
تھے۔“

مندرجہ بالا آیات سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ یہ مشیت  
ربانی ہرگز نہیں کہ بلا وجہ کسی قوم کو ہلاکت و تباہی اور زوال سے دوچار کر دیا جائے بلکہ  
جو بھی قوم تباہی و زوال سے دوچار ہوئی اپنے اعمال بد اور احکام الہی سے روگردانی کر  
کے اس نے خود اس کا امکان پیدا کیا۔

### گزشتہ اقوام کی ہلاکت کے اسباب

اگر قرآن حکیم کی روشنی میں گزشتہ اقوام کی ہلاکت کے اسباب پر غور کریں  
تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ہدایت الہی سے روگردانی ہی وہ بنیادی سبب تھا جو ان  
اقوام کی ہلاکت پر منتج ہوا۔ ارشاد ربانی ہے:-

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ  
وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ  
رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ  
تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ أُمَّةٌ  
مُقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا  
يَعْمَلُونَ ۝

اور اگر وہ لوگ تورات اور انجیل اور جو  
کچھ (مزید) ان کی طرف ان کے رب  
کی جانب سے نازل کیا گیا تھا (نافذ اور)  
قائم کر دیتے تو (انہیں مالی وسائل کی  
اس قدر وسعت عطا ہو جاتی کہ) وہ  
اپنے اوپر سے (بھی) اور اپنے پاؤں  
کے نیچے سے (بھی) کھاتے (مگر)  
رزق ختم نہ ہوتا) ان میں سے ایک  
گروہ میانہ رو (یعنی اعتدال پسند ہے)

(۲۶:۵)

اور ان میں سے اکثر لوگت جو کچھ کر رہے ہیں نہایت ہی برا ہے۔

اور اگر (ان) بستیوں کے باشندے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے (حق کو) جھٹلایا سو ہم نے انہیں ان (اعمال بد) کے باعث جو وہ انجام دیتے تھے (عذاب کی) گرفت میں لے لیا گیا

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا  
لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ  
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَكِن كَذَّبُوا  
فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝  
(۹۶:۷)

بغاوت و سرکشی کی اس روش کو قرآن حکیم نے کہیں جرم قرار دیا۔

(آپ ان سے) فرمائیے! ذرا زمین کی سیر کرو پھر دیکھو کہ یہ گنہگاروں کا کیا انجام ہوا۔

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا  
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ۝  
(۶۹:۲۷)

بھلا (قوت و طاقت میں) یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم کے لوگ اور جو ان سے پہلے گزر چکے ہم نے ان سب کو غارت کیا بے شک وہ بڑے گنہگار تھے۔

أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمٌ تُبِعَ وَالَّذِينَ مِنْ  
قَبْلِهِمْ أَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا  
مُجْرِمِينَ ۝  
(۳۷:۳۳)

کفر اور سرکشی کے اس طرز عمل کو کئی مقامات پر ظلم سے تعبیر کیا گیا۔

آپ (ان سے یہ بھی) فرمادیجئے کہ تم مجھے بتاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب اچانک یا کھلم کھلا آن پڑے تو کیا ظالم قوم کے سوا (کوئی اور) ہلاک کیا جائے گا؟

اور یہ بستیاں ہیں ہم نے جنکے رہنے والوں کو ہلاک کر ڈالا جب انہوں نے ظلم کیا اور ہم نے انکی ہلاکت کے لے ایک وقت مقرر کر رکھا تھا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کسی قوم پر ظلم متوقع نہیں بلکہ ہر ہلاک ہونے والی قوم اپنے اعمال بد سے خود ہی اپنی ہلاکت کا سامان پیدا کرتی رہی:-

یہ ان اعمال کا بدلہ ہے جو تمہارے ہاتھ خود آگے بھیج چکے ہیں اور بیشک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

ہدایت الہی سے روگردانی کی روش کو بعض مقامات پر فسق سے تعبیر کیا

گیا:-

یہ پیغام حق ہے۔ (سن لو کہ) اب وہی غارت ہوں گے جو نافرمان ہیں۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمَ الظَّالِمُونَ ۝

(۴۷:۶)

وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَوْعِدًا ۝

(۵۹:۱۸)

ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيكُمْ وَ إِنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَامٍ لِلْعَبِيدِ ۝

(۱۸۲:۳)

بَلِّغْ فَهَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمَ الفٰسِقُونَ ۝

(۳۵:۳۶)

قرآن حکیم نے کئی مقامات پر سرکش اقوام کے اس طرز عمل کو تکذیب کا

عنوان دیا:-

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ  
فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا  
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ۝  
(۱۳۷:۳)

تم سے پہلے (گذشتہ امتوں کے لئے  
قانون قدرت کے) بہت سے ضابطے  
گزر چکے ہیں سو تم زمین میں چلا پھرا  
کرو اور دیکھا کرو کہ جھٹلانے والوں کا  
کیا انجام ہوا۔

قرآن حکیم نے کہیں شرک اور کفر کو ہلاکت کا سبب بیان فرمایا:-

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا  
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ  
كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ۝  
(۴۲:۳۰)

آپ فرمادیجئے کہ زمین میں چلو پھرو  
پھر دیکھو کہ جو لوگ تم سے پہلے گزر  
چکے ہیں ان کا کیسا (بر) انجام ہوا۔ ان  
میں بہت شرک کرنے والے تھے۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ  
فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ  
مِنْ قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ  
وَاللَّكْفَرِينَ أَمْثَلَهَا ۝  
(۱۰:۴۷)

کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ  
دیکھ لیتے کہ جو لوگ ان سے پہلے گزر  
چکے ہیں ان کا کیا انجام ہوا (دیکھو) اللہ  
نے ان پر تباہی نازل کی اور اس طرح  
کے معانات کافروں کے ساتھ ہوں  
گے (وہ بھی تباہ و برباد کئے جائیں گے)

اور کہیں ذنوب (گناہوں) کو تباہی کا سبب بیان کیا گیا:-



کیا ان لوگوں نے زمین میں سیاحت نہیں کی کہ ان سے پہلے والوں کا (جو منکرین حق تھے) کیسا (برا) انجام ہوا۔ حالانکہ وہ لوگ ان سے قوت میں (بھی) زیادہ تھے اور ان نشانیوں میں (بھی) جو وہ زمین میں چھوڑ گئے ہیں۔ (ان کے مضبوط قلعے، عالیشان محل اور دیگر یادگاریں ان کی قوت و ثروت کا پتہ دیتی ہیں لیکن جب عذاب کا وقت آیا وہ اس سے بچ نہ سکے) پس اللہ نے ان کے گناہوں کے سبب ان کی گرفت کی اور اللہ (کے عذاب) سے ان کو کوئی بچانے

والانہ ہوا۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ  
فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ  
كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ  
مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ  
فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ  
لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَّاقٍ ۝

(۲۱:۴۰)

کامیاب لوگ کون ہیں؟

قرآن حکیم نے اقوام کے اسباب زوال بیان کرتے ہوئے اس حقیقت کو بھی واضح کیا ہے کہ فلاح یاب لوگ کون ہیں؟ اور وہ کون سے خصائص اور کردار کی خصوصیات ہیں جن کو اختیار کرنے سے دنیا و آخرت کی فلاح انسانیت کا مقدر بن سکتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:-

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ  
الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا  
عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ  
يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ  
الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ  
وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَاتِ وَيَضَعُ  
عَنَّهُمْ أَصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي  
كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ  
وَعَزَّزُوهُ وَ نَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا  
النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ  
الْمُفْلِحُونَ ۝

(۱۵۷:۷)

(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو امی (لقب) نبی ہیں (یعنی دنیا میں کسی شخص سے پڑھے بغیر منجانب اللہ لوگوں کو اخبار غیب اور معاش و معارف کے علوم و معارف بتاتے ہیں) جن کے اوصاف و کمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور ان سے انکے بارگراں اور طوق (قیود) جو ان پر (نافرمانیوں کے باعث مسلط) تھے ساقط تھے ساقط فرماتے (اور انہیں نعمت آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول) پر ایمان لائیں گے اور انکی تعظیم و توقیر کریں گے اور

ان کے دین کی مدد و نصرت کریں  
گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی  
کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے  
وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیں۔

یعنی اس آیت مبارکہ میں:

- ☆ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان
- ☆ رسول اللہ کی تعظیم اور نصرت اور اتباع
- ☆ احکام قرآنی پر عمل پیرا ہونے اور
- ☆ معروف کی اطاعت اور منکر سے احتراز

کا ثمر یہ عطا کیا جا رہا ہے کہ اہل ایمان کو طیبات کے حلال اور خبیثات کے حرام ہر نوع کے بوجھ اور طوق سے آزادی اور دنیا و آخرت کی فلاح کی نعمت سے سرفراز کیا جائے گا۔

فلاح کے اس تصور اور حصول فلاح کے تقاضوں کا تذکرہ دوسرے مقام پر

یوں کیا گیا:

جو نماز قائم رکھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں

اور وہی آخرت پر پورا یقین رکھتے

ہیں۔ (یعنی جس اللہ کے روبرو نہیں

آخرت میں جانا ہے اسے ہمیشہ حاضر و

ناظر جان کر اس کی عبادت کرتے ہیں

خواہ یہ عبادت ذات، نماز ہو یا اس کا

الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ

الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ

يُوقِنُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّنْ

رَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

(۳۱:۴-۵)

تعلق مال کی پاکیزگی اور معاشرہ کی  
آراستگی سے ہو۔

قرآن حکیم کی روشنی میں فلاح نہ صرف احکام الہی کی پابندی کے ساتھ  
مشروط ہے بلکہ تعلیمات قرآنی اس امر کی متقاضی ہیں کہ اہل حق جہاں خود ہدایت مبنی  
بروحی پر کاربند ہوں وہاں وہ اس طرز حیات کو ایک تحریک میں بدلنے اور پورے  
معاشرے میں اسے جاری و ساری کرنے کے لئے بھی آمادہ کار رہیں کہ یہی راہ فلاح  
ہے ارشاد ربانی ہے:-

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى  
الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ  
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ  
هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

(۱۰۴:۳)

اور تم میں سے ایسے لوگوں کی ایک  
جماعت ضرور ہونی چاہیے جو لوگوں  
کو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم  
دیں اور برائی سے روکیں اور وہی  
لوگ بامراد ہیں۔

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا  
الصَّالِحَاتِ  
بِالْحَقِّ ۝ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

(۳:۱۰۳)

مگر (اس ناقابل تلافی نقصان سے وہی  
محفوظ رہے) جو (خدا اور خدا کے  
رسول پر) ایمان لائے اور (ایمان ہی  
پر اکتفانہ کی بلکہ) نیک عمل کئے اور  
(یہی نہیں بلکہ وہ) آپس میں ایک  
دوسرے کو حق کی تلقین اور صبر (و  
استقلال) کی تاکید کرتے رہے۔

ان اوصاف کے حامل اہل ایمان کو قرآن حکیم حزب اللہ کہتا ہے فلاح ابدی

جن کا مقدر ہے:

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ  
أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ  
اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

(۲۲:۵۸)

اللہ ان سے راضی ہو اور وہ اللہ سے  
راضی ہوئے (یہ اعتماد رضا یہ لطف  
رضا یہ مسرت یہ راحت جسے ملے  
وہی جانے) یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں  
(اللہ والے ہیں۔ اللہ کے لیے زندہ  
رہتے اور اللہ کے لئے مرتے ہیں) سن  
رکھو کہ اللہ ہی کی جماعت فلاح پانے  
والی ہے (اس کو اس کے ایمان و عمل کا  
صلہ ملے گا اور خوب ملے گا)۔

قرآن حکیم نے نہ صرف فلاح پانے والوں کے خصائص اور اوصاف کو  
بشرح و بسط بیان کیا بلکہ ان منفی اقدار کا تذکرہ بھی کیا ہے جو حصول فلاح میں سدراہ کا  
کرم دار ادا کرتی ہیں:-

کفر منزل فلاح سے محروم کر دینا ہے:-

وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا  
بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ  
رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُونَ ۝

(۱۱۷:۲۳)

اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی  
دوسرے کی معبود قرار دے کہ جس  
کی اس کے پاس کوئی سند نہیں تو اس کا  
حساب اس رب کے یہاں ہوگا۔  
بلاشبہ کافروں کا (اس روز) بھلا نہ  
ہوگا۔ (ان کو اللہ کے عذاب سے

چھٹکارا نہ ملے گا۔

ظلم کا ارتکاب فلاح سے محروم کر دیتا ہے:-

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ  
كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ  
وَالظَّالِمُونَ ۝

اور اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے  
جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا یا  
اس نے اسکی آیتوں کو جھٹلایا بے شک  
ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔

(۲۱:۶)

اس عمل کو دوسرے مقام پر جرم سے تعبیر کیا گیا:-

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ  
كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ  
الْمُجْرِمُونَ ۝

پس اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون  
ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا  
اسکی آیتوں کو جھٹلا دے بیشک مجرم  
لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔

(۱۷:۱۰)

کامیابی کی ضمانت کیا ہے؟

قرآن حکیم نے جہاں گزشتہ اقوام کی ہلاکت و زوال کے اسباب کو بیان کیا۔  
اہل حق کی فلاح یابی کی شرائط اور تقاضوں کو بیان کیا وہاں اس بات کی واضح ضمانت بھی  
دی کہ اگر اہل حق ان اوصاف کو عملاً اختیار کریں گے تو اللہ کی طرف سے مدد اور  
نصرت ان کے شامل حال ہوگی اور غلبہ تمکنت اور ابدی فلاح ان کا مقدر بنے گی:-

وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ  
آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمْ

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور  
ایمان والوں کو دوست بنائے گا تو

(وہی اللہ کی جماعت ہے اور) اللہ کی  
جماعت (کے لوگ) ہی غالب ہوئے  
والے ہیں۔

الْغَلْبُونَ ۝

(۵۶:۵)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

اللہ نے یہ بات لکھ دی ہے میں اور  
میرے رسول ہی غالب رہیں گے۔  
بے شک اللہ بڑا قوت والا (اور) غلبہ  
والا ہے۔

كَتَبَ اللَّهُ لَا غَلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي إِنَّ  
اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝

(۲۱:۵۸)

اور یہ کہ ہمیشہ اسی اصول پر عمل ہوتا رہا:

اور ہمارے پیغام پہنچانے والے بندوں  
کے حق میں ہمارا پہلے ہی سے حکم  
ہو چکا ہے۔ کہ انہیں کی مدد کی جائے  
گی۔ اور ہمارا ہی لشکر غالب رہے گا۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا  
الْمُرْسَلِينَ ۝ إِنَّهُمْ لَهُمُ  
الْمَنْصُورُونَ ۝ وَإِن جُنَدُنَا لَهُمُ  
الْغَلْبُونَ ۝

(۱۷۱:۳۷-۱۷۳)

اور اسی سنت الہی کو یعنی انبیاء اور سلا کی مدد اور انہیں غلبہ عطا کرنے کی سنت

کو ان کے تبعین یعنی اہل ایمان کے لئے بھی جاری رکھا گیا۔

اور بے شک ہم نے آپ سے قبل ان  
کی (اپنی اپنی) قوموں کی طرف کتنے  
پیغمبر بھیجے تو وہ ان کے پاس نشانیاں  
لے کر پہنچے (لیکن بہتوں نے ان کو

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا  
إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ  
فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا  
وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ

الْمُؤْمِنِينَ ۝

جھٹلایا) پھر ہم نے ان لوگوں سے بدلہ  
لیا جو مجرم تھے اور مومنوں کی مدد تو

(۳۷:۳۰)

ہمارے ہی ذمہ تھی۔ (انہیں کون  
مغلوب کر سکتا تھا۔ ہر زمانہ میں باطل  
کو شکست ہوئی اب بھی ہوگی اور دین  
اسلام ابر رحمت کی طرح چھا جائے  
گا۔)

اور یہی بشارت امت محمدی ﷺ کو سنائی گئی:-

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ  
الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

اور تم ہمت نہ ہارو اور نہ غم کرو اور تم  
ہی غالب آو گے اگر تم (کامل) ایمان  
رکھتے ہو۔ (۱۳۹:۳)

جہاں امت مسلمہ کو غلبہ و کامیابی کی الوہی ضمانت دی گئی وہاں ایسی کتاب

ہدایت بھی عطا کر دی گئی جو اس ضمانت کی امین ہے ارشاد ربانی ہے:-

وَأِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَ  
سَوْفَ تُسْأَلُونَ ۝

اور بے شک یہ (قرآن) آپ کے  
لیے اور آپ کی امت کے لئے باعث  
(شرف و) نصیحت ہے (کیونکہ تاقیام  
(۲۴:۲۳)

قیامت راہ ہدایت کا یہ شرف آپ ہی  
کی امت سے وابستہ رہے گا) اور  
(لوگو) عنقریب تم سے (قیامت کے  
روز) پوچھا جائے گا (کہ تم نے دین



حق سے اپنا رشتہ کس حد تک جوڑا اپنی  
زندگی کو نور قرآن و نور رسالت سے  
کس حد تک سنوارا۔

امت مسلمہ کو یہ اعزاز بخشا گیا کہ حضور ختمی مرتبت کو وہ کتاب آخرین عطا  
کی گئی جو ہدایت و ناموری اور عزت و وقار کا سرچشمہ ہے اور کتاب اللہ کا یہ فیضان امت  
مسلمہ کے لئے تاقیامت جاری رہے گا۔

پس خدا برما شریعت ختم کرد  
پر رسول ما رسالت ختم کرد  
رونق ازما محفل ایام را  
اور سل را ختم و ما اقوام را  
(اقبال)

مگر اس اعزاز و تکریم کے ساتھ یہ حقیقت بھی امت مسلمہ کو نہیں فراموش  
کرنی چاہئے کہ وقار و تمکنت کی یہ نعمت کل امت مسلمہ کو معرض مسؤلیت میں بھی  
کھڑا کرے گی کہ مقصد بعثت انبیاء کی معراج کے وارث ہونے کے ناطے اور ہدایت  
آخریں کے حامل ہونے کے ناطے انہوں نے کس حد تک اسے عملاً اختیار کیا اور  
انسانیت تک اس کے فیض کو منتقل کرنے میں کیا کردار ادا کیا؟

می ندانی آیہ ام الکتاب      امت عادل ترا آمد خطاب  
آب و تاب چہرہ ایام تو      در جہاں شاہد علی الاقوام تو  
جلوہ در تاریکی ایام کن      آنچہ بر تو کامل آمد عام کن  
لرزم از شرم تو چوں روز شمار      پرسدت آں آبروئے روزگار

حرف حق از حضرت ما بردہ  
پس چرا با دیگران نسپردہ

(اسرار و رموز)

## جدوجہد انقلاب کے تین ادوار

جب فلسفہ انقلاب کو ایک باقاعدہ سائنس کی صورت میں لیا جاتا ہے تو تمام  
ترجدوجہد انقلاب تین ادوار پر محیط ہوگی:

(۱) دور ما قبل انقلاب (۲) دور انقلاب (۳) دور ما بعد انقلاب

دور ما قبل انقلاب بیج بونے کا مرحلہ ہے جبکہ دور انقلاب پودا لگانے، اس کی  
حفاظت کرنے اور اسے بلوغت تک پہنچانے کا مرحلہ اور دور ما بعد انقلاب درخت کی  
شمروری کا دور ہے۔

تاریخ عالم میں ان تینوں ادوار کا جامع اور جملہ پہلوؤں کی مکمل رہنمائی فراہم  
کرنے والا انقلاب صرف ”مصطفوی انقلاب“ ہے جو حضور اکرم ﷺ کی قیادت میں  
سرزمین عرب پر بپا ہوا جس میں تمام پہلو جمع ہیں۔ انقلاب کی یہ جامعیت کہیں اور نظر  
نہیں آتی۔

## انقلاب کے تعینات خمسہ

کامیاب انقلابی جدوجہد کے لئے پانچ بنیادی امور کا تعین ضروری ہے۔ فلسفہ  
انقلاب کے تشکیلی عناصر اور ترکیبی منابع یہی پانچ تعینات ہیں۔ ان پر توجہ مرکوز کئے  
بغیر فلسفہ انقلاب کو ایک سائنس کے طور پر سمجھنا ممکن ہے:

۱۔ تضاد کا تعین

۲۔ جدوجہد کے مراحل خمسہ کا تعین

- ۳۔ عبوری حکمت عملی  
 ۴۔ رد عمل اور جوابی حکمت عملی  
 ۵۔ نتیجہ خیزی کی ضمانت ۵۵

## ۱۔ تضاد کا تعین

انقلابی جدوجہد میں تضاد کا تعین ہی کلیدی اور محوری کردار ادا کرتا ہے کیونکہ تضاد کا تعین افراد جماعت کی وفاداری کو اپنی جماعت کے ساتھ منضبط اور مستحکم کرتا ہے۔ حزب مخالف کے خلاف انقلابی جنگ اور فیصلہ کن تصادم کو یقینی بناتا ہے۔ تضاد کے تعین میں چار تعینات کو ملحوظ رکھا جاتا ہے:

- ۱۔ کون سا تضاد ابھارا جائے۔
- ۲۔ تضاد کس سطح پر ابھارا جائے۔
- ۳۔ تضاد کس وقت ابھارا جائے۔
- ۴۔ تضاد کس کے خلاف ابھارا جائے۔

اس کے علاوہ تضاد کا تعین کرتے وقت جن امور کو مد نظر رکھا جاتا ہے ان میں درج ذیل تین چیزیں نہایت اہمیت رکھتی ہیں:

- ۱۔ ایسا تضاد ابھارا جائے جو انقلابیوں کی مشن، قیادت اور اپنی جدوجہد کے ساتھ وفاداری یا عدم وفاداری میں سے ایک کو واضح کر دے اس کے اندر ایسا جوہر ہو جو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دے اور اس حقیقت کو منظر عام پر لا کھڑا کرے کہ فلاں اپنی قیادت، مشن اور جدوجہد کے ساتھ مخلص اور وفادار ہے اور فلاں محض حصول مفادات کی خاطر یا اپنے ذاتی تحفظات کی بناء پر انقلابی تحریک سے وابستہ ہے اگر تضاد کے اندر یہ جوہر نہیں ہوگا تو اس کو موثر تضاد کا نام نہیں دیا جاسکتا۔

۲۔ تضاد کے اندر ایسی ضمانت موجود ہو جو انقلابی جدوجہد کرنے والوں کو ایک لڑی میں پرو دے، ان میں خاص نظم و ضبط اور ارتباط و انطباق پیدا کر دے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

تری المومنین فی تراحمهم و  
تعاطفهم و توادهم کمثل  
الجسد اولاحد ان اشتکی  
عضو منه تبعی لہ سائر  
جسدہ۔ (بخاری: ۲)

”تو مومنین کو ان کی ایک دوسرے کے لئے رحمت و شفقت، عطف و مہربانی اور محبت و مودت میں ایک جسم کی مانند دیکھے گا جس طرح اگر کوئی ایک عضو تکلیف میں مبتلا ہو تو سارا جسم بخار اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔“

باہمی ارتباط و اتحاد کی یہ انتہائی شکل اور مثالی صورت ہے کہ انقلابی جماعت اپنے اندر اجتماعیت اور مرکزیت کے ذریعے ایسا بے مثل نظم و ضبط اور اتحاد قائم کرنے کہ ”بنیان مرصوص“ بن جائے۔ کوئی بڑی سے بڑی طاغوتی طاقت اس میں رخنہ نہ ڈال سکے اور آپس میں اس کے افراد ایک دوسرے کے لئے ایثار و قربانی کا پیکر اور محبت و مودت کا مجسمہ بن جائیں۔ ہر انقلابی اجتماعی ہیئت کے لئے ایک آنکھ بن جائے اور اس شعر کا نمونہ بن کر جدوجہد کرے:

بتلائے درد کوئی عضو ہو، روتی ہے آنکھ

کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ

۳۔ تضاد کے اندر تیسری اہم ضمانت یہ ہونی چاہئے کہ وہ نتیجہ خیز ہو محض فساد انگیزی اور قتل و غارت گری کا سبب نہ بن جائے۔

دور حاضر میں جب اقامت دین کی جدوجہد برپا کی جائے گی تو مسلم معاشرے کے اندر سے ابھرنے والا تضاد ان مختلف سطحوں اور نوعیتوں پر مشتمل ہوگا۔

- ۱۔ نظریاتی تضاد
- ۲۔ معاشی تضاد
- ۳۔ سیاسی تضاد
- ۴۔ سماجی تضاد
- ۵۔ ثقافتی تضاد

پھر نظریاتی اور مادی تضاد میں سے ہر ایک کی دو نوعیتیں ہوں گی:

- ۱۔ جلی تضاد
- ۲۔ خفی تضاد

پھر ان کے بھی مختلف حوالوں سے کئی درجات ہوں گے۔ اور ہر درجہ کے تضاد کے مقابل اس کے متعلقہ تقاضوں کے تحت مزاحمت کی جائے گی۔ تاکہ غلبہ دین حق کی جدوجہد انقلابی جماعت کی توانائیاں ضائع کئے بغیر جاری رکھی جاسکے۔ تاریخ انبیاء سے اگر ہم تضاد اور اس کے رد عمل کا جائزہ لیں تو اس کی دو نوعیتیں ہمارے سامنے آتی ہیں:

- ۱۔ کفار و منکرین حق کا رویہ اور اس کے مقابل انبیاء کرام کا رد عمل جو ان کی ہلاکت پر منتج ہوا

- ۲۔ دعوت حق قبول کرنے والوں کا رویہ اور اس کے مقابل انبیاء کرام کا رد عمل جو اصلاح احوال کی کوششوں پر مبنی رہا۔

مؤخر الذکر صورت میں اگر امت بتلائے گمراہی بھی ہو گئی تو اس درجہ کا رد عمل سامنے نہیں آیا جس طرح کفار کے حوالے سے تھا۔ قوم بنی اسرائیل کی مثال اس حقیقت کو واضح کرتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں ان کی قوم گو سالہ پرستی میں مبتلا ہو گئی اور حضرت ہارون علیہ السلام کی مساعی کے باوجود قوم شرک

سے باز نہ آئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس اپنی قوم میں تشریف لائے تو آپ کی باز پرس پر حضرت ہارون علیہ السلام نے جو جواب دیا وہ آج بھی انقلابی جدوجہد کرنے والوں کے لئے ایک رہنما اصول کا درجہ رکھتا ہے:-

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي  
وَلَا بِرَأْسِي. إِنِّي خَشِيتُ أَنْ  
تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ  
وَلَمْ تَفَرِّقْ بَيْنَ قَوْلِي ○  
(۹۳:۲۰)

وہ بولے اے میرے ماں جائے (بھائی  
مجھ کو مورد الزام قرار نہ دو اور) میری  
ڈاڑھی اور میرے سر کے بالوں کو نہ  
پکڑو۔ مجھے تو یہ اندیشہ ہوا کہ (اگر میں  
ان کو چھوڑ کر نکلوں تو) تم یہ نہ کہو کہ  
تم نے آل یعقوب میں تفرقہ ڈال دیا  
(کچھ کو لے کر یہاں آگئے اور بعضوں  
کو وہاں چھوڑ دیا) اور میری نصیحت کو  
یاد نہ رکھا۔ (اس لئے میں نے یہی بہتر  
سمجھا کہ حتی الامکان ان کو مجموعی طور  
پر سمجھاتا رہوں اور تمہارا انتظار  
کروں)۔

یعنی حضرت ہارون علیہ السلام نے قوم کی گمراہی کے باوجود اس کی وحدت کو  
ایسے رد عمل پر ترجیح دی جو اسے تفرقہ میں مبتلا کر سکتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا  
رد عمل بھی یہاں دونوعی تھا:-

۱۔ سامری جو اس اجتماع قومی گمراہی کا سبب اور محرک تھا آپ نے اس کے لئے  
بددعا کی اور ابدی عذاب و بربادی اس کا مقدر بنا۔

۲۔ قوم کو آپ نے توبہ اور اصلاح احوال کی راہ کی طرف ہدایت فرمائی آپ کے رد عمل کی یہی صورت حال قوم اور فرعون کے حوالے سے تھی:

۱۔ فرعون اور اس کے پیروکاروں کے لئے عذاب اور ابدی زوال آیا۔

فَوْقَهُ اللَّهُ سَيَّاتٍ مَا مَكْرُوا وَ  
حَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ  
الْعَذَابِ ۝  
پس اللہ نے اس (مرد مومن) کو  
لوگوں کی بری تدبیر سے محفوظ رکھا  
اور آل فرعون کو سخت عذاب نے  
آگھیرا۔

(۳۵:۴۰)

پھر ہم نے ان کے بعد موسیٰ کو اپنی  
نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اسکے  
(درباری) سرداروں کے پاس بھیجا تو  
انہوں نے ان (دلائل اور معجزات)  
کے ساتھ ظلم کیا پھر آپ دیکھئے کہ  
فساد پھیلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔  
۱۔ المفسدین ۝

(۱۰۳:۷)

فَعَصَى فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ  
أَخْذًا وَّبَيِّنًا ۝  
پھر (جب) فرعون نے (ہمارے) اس  
رسول کا کہنا نہ مانا تو ہم نے اس کو بری  
طرح پکڑ لیا۔

(۱۶:۷۳)

۲۔ قوم کو باوجود لغزشوں اور خطاؤں کے استغفار اور اصلاح کی طرف رہنمائی  
عطا کی۔

وَ إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يٰقَوْمِ  
إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِ  
اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم  
سے کہا اے میری قوم! بیشک تم نے

بچھڑے کو (اپنا معبود) بنا کر اپنی جانوں پر (بڑا) ظلم کیا ہے تو اب اپنے پیدا فرمانے والے (حقیقی رب) کے حضور توبہ کرو پس (آپس میں) ایک دوسرے کو قتل کر ڈالو (اس طرح کہ جنہوں نے بچھڑے کی پرستش نہیں کی اور اپنے دین پر قائم رہے ہیں وہ بچھڑے کی پرستش کر کے دین سے پھر جانوروں کو سزا کے طور پر قتل کر دیں) یہی عمل (تمہارے لئے تمہارے خالق کے نزدیک بہترین (توبہ) ہے پھر اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی یقیناً وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا تم اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، بیشک زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور انجام خیر پر ہیزگاروں کیلئے ہی

ہے۔

كُم الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ  
فَأَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ. ذَلِكُمْ خَيْرٌ  
لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ. فَتَابَ  
عَلَيْكُمْ. إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ  
الرَّحِيمُ ۝

(۵۴:۲)

قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ  
وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ. يُورِثُهَا  
مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ.

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝

(۱۲۸:۷)



اور آپ کی اسی نظری و عملی روش کا ثمر تھا کہ انجام کار قوم بنی اسرائیل کو فرعونی، قارونی اور ہامانی نظام سے نجات نصیب ہوئی:

وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا  
يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ  
مَغَارِبَهَا الَّتِي بَزَكْنَا فِيْهَا. وَ  
تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى  
عَلٰى بَنِي اِسْرٰٓئِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا.  
وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ  
قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝  
(۱۳۷:۷)

اور ہم نے اس قوم (بنی اسرائیل) کو جو کمزور اور استحصال زدہ تھی اس سر زمین کے مشرق و مغرب (مصر اور شام) کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی تھی اور (یوں) بنی اسرائیل کے حق میں آپ کے رب کا نیک وعدہ پورا ہو گیا، اس وجہ سے کہ انہوں نے (فرعونى مظالم پر) صبر کیا تھا۔ اور ہم نے ان (عالیشان محلات) کو تباہ و برباد کر دیا جو فرعون اور اسکی قوم نے بنا رکھے تھے اور ان چٹائیوں (اور باغات) کو بھی جنہیں وہ بلند یوں پر چڑھاتے تھے۔

گویا تضاد ابھارنے اور اس تضاد کے رد عمل کے طور پر انقلابی جدوجہد کو آگے بڑھانے کے حوالے سے درج ذیل امور کو مد نظر رکھنا ہوگا:

۱۔ اگر تضاد غیر مسلم قوم اور معاشرے کی طرف سے سامنے آ رہا ہو تو اس کا جواب بھی اتنا ہی شدید دینا ہوگا کہ

اور تم ہمت نہ ہارو اور نہ غم کرو اور تم

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَ

عَلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

ہی غالب آو گے اگر تم (کامل) ایمان رکھتے ہو۔

(۱۳۹:۳)

کا منظر سامنے آجائے۔ حالیہ تاریخ میں اس کی واضح مثال تحریک پاکستان ہے جس میں ہندو مسلم تضاد کے نتیجے میں پاکستان وجود میں آیا۔

۲۔ اگر دعوت حق کے جواب میں تضاد مسلم معاشرے کی طرف سے ابھر رہا ہو تو:

الف۔ اس تضاد کو متاع و مبتغر کی بنیاد پر خانہ جنگی تک نہ پہنچایا جائے الایہ کہ حکمران اہل حق اور انقلابی جماعت کے مقابل تضاد کا علمبردار طبقہ نفاق کا مظہر ہو اور حدود الہی کی واضح پامالی کی راہ پر گامزن ہو تو ان کی بیخ کنی کرنا ہوگی، تاہم مد مقابل عالم کفر ہی کو رکھا جائے گا تاکہ وحدت ملی سلامت رہے۔

ب۔ جواب ہارون علیہ السلام کی روشنی میں ملت کے جسد اجتماعی کو ہر نوع کے افتراق سے بچایا جائے۔

ج۔ اس تضاد کو ایسا رنگ ہر گز نہ دیا جائے کہ کفر و طاغوت کے مقابل امت جسد واحد بننے کی بجائے باہمی جنگ و جدل کا شکار ہو جائے۔ یزید کے طاغوتی اقتدار کے خلاف حضرت امام حسینؑ کی انقلابی جدوجہد اس اصول کی وضاحت کرتی ہے کہ آپ نے یزید کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہوئے انقلابی جدوجہد کے انتہائی آخری تقاضے تک پورے کئے مگر امت میں باہمی جنگ و جدل کا سامان پیدا نہ کیا۔

د۔ مسلم معاشرے میں تضاد ابھارتے وقت یا موجود تضاد کا سامنا کرتے وقت مسلمانوں کے باہمی طبقاتی تضاد پر کفر و اسلام کے تضاد کو زیادہ نمایاں بنایا جائے۔ کشمیر، فلسطین و بوسنیا کی حالیہ مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

۵۔ معاشرے میں تضاد ابھارنے پر انقلابی تحریک کو دو طرح کے ماحول کا سامنا کرنا پڑے گا۔

۱۔ معاند ماحول (Hostile Atmosphere) :

یہ تین نوعی طبقات پر مشتمل ہوگا

الف۔ منافقین      ب۔ مخالفین      ج۔ متعصبین

۲۔ غیر معاند ماحول (Non-Hostile Atmosphere) :

یہ بھی تین نوعی طبقات پر مشتمل ہوگا

الف۔ موافقین      ب۔ لا تعلق افراد      ج۔ غرض مند افراد

معاند ماحول کی تسخیر کے لئے اور اسے معاون ماحول میں بدلنے کے لئے

حکمت پر مبنی کارگر لائحہ عمل وضع کیا جائے تاکہ انقلابی تحریک کی توانائیاں بے اثر جدوجہد میں تضحیح کا شکار نہ ہوں۔

۶۔ ہر درجے کے تضاد کا اس کے تقاضوں کے مطابق سامنا کیا جائے۔ اور نتیجہ خیزی کے حصول کے لئے ہر دائرہ حیات میں قرآن حکیم کے دیئے گئے مناہج جدوجہد کو حسب تقاضہ بروئے کار لایا جائے، تاکہ انقلابی جدوجہد کا ہر قدم نتیجہ خیز ثابت ہو اور ہر آنے والا لمحہ اسے منزل انقلاب کے قریب تر کر دے۔

۲۔ مراحل خمسہ کا تعین:

تضاد کے تعین کے بعد انقلابی جدوجہد کے جملہ مراحل اور اس کی تفصیل سے آگہی بہت ضروری ہے تاکہ انقلابی جماعت اس سفر کے جملہ تقاضوں سے کما حقہ عہدہ برآ ہونے کی تیاری کر سکے۔ قرآن حکیم اس ذیل میں یوں رہنمائی عطا کرتا

ہے۔

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ

(۱۲:۵)

اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور (اس کی تعمیل مستفیذ اور نگہبانی کے لیے) ہم نے ان میں بارہ سردار مقرر کیے اور اللہ نے (بنی اسرائیل سے) فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں (یعنی میری خصوصی مدد و نصرت تمہارے ساتھ رہے گی) اگر تم نے نماز قائم رکھی اور تم زکوٰۃ دیتے رہے اور میرے رسولوں پر (ہمیشہ) ایمان لاتے رہے اور ان (کے پیغمبرانہ مشن) کی مدد کرتے رہے اور اللہ کو (اس کے دین کی حمایت و نصرت میں مال خرچ کر کے) قرض حسن دیتے رہے تو میں تم سے تمہارے گناہوں کو ضرور مٹا دوں گا اور تمہیں یقیناً ایسی جنتوں میں داخل کر دوں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں پھر اس کے بعد تم میں سے جس نے (بھی) کفر (یعنی عہد سے انحراف) کیا تو بے شک وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔

ساس آیت مبارکہ میں انقلابی جدوجہد کے مدارج مرحلہ وار بیان کر دیئے گئے ہیں:

- ۱۔ دعوت
- ۲۔ تنظیم
- ۳۔ تربیت
- ۴۔ تحریک و انقلابی جدوجہد
- ۵۔ انقلاب
- ۶۔ انقلابی راہ سے انحراف کا انجام: زوال

۱۔ دعوت:

اس سے مراد انقلابی تحریک کا پیغام، مقاصد اور نصب العین عام کرنا ہے۔ اور معاشرے و قوم کی اکثریت کو اس سے آگاہ کر کے انہیں انقلابی تحریک کا عضو فعال بنانا ہے تاکہ اقامت دین حق کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کر کے غلبہ دین حق کی راہ ہموار کی جاسکے۔

۲۔ تنظیم:

جب معاشرے میں افراد کی ایک متعدد بہ تعداد انقلابی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اسے قبول کرے تو انہیں ایک باقاعدہ نظم دے کر ایک تنظیم میں تبدیل کیا جاتا ہے تاکہ یہ انقلابی جدوجہد کو موثر انداز سے آگے بڑھانے میں مدد و معاون ہو۔

۳۔ تربیت:

تربیت سے مراد انقلابی تحریک سے وابستہ افراد میں انقلابی فکر کا رسوخ ہے تاکہ وہ فکری واضحیت اور عملی صحت کے ساتھ انقلابی جدوجہد میں داخل ہو سکیں۔ اگر انقلابی تحریک کے وابستگان کو اس نوع کی تربیت کے عمل سے نہ گزارا گیا تو ان کی وابستگی کبھی بھی دائمی، پختہ اور استوار ہو سکے گی۔

۴۔ تحریک:

تحریک سے مراد معاشرے میں اجتماعی سطح پر اعلیٰ اقدار کے احیاء و قیام کے

لئے کی جانے والی ایسی جدوجہد ہے جو ایک طرف صالح اور اعلیٰ اقدار کے فروغ و نفوذ کا باعث بنتی ہے تو دوسری طرف ان طبقات اور عناصر کی بیخ کنی بھی کرتی ہے جو معاشرے میں غلبہ دین حق کی راہ میں رکاوٹ ہوتے ہیں۔ یہ سارا عمل اس وقت تک ممکن نہیں ہوتا جب تک قوم کی ایک موثر تعداد شعوری اور عملی طور پر اس امر کی انجام دہی کے لئے کمر بستہ نہ ہو جائے۔

### ۵۔ انقلاب:

یہ انقلابی جدوجہد کی وہ منزل ہے جو علمی، فکری، اخلاقی و روحانی اور معاشی و معاشرتی سطح پر اس اعلیٰ و ارفع معیار حیات کے حصول سے عبارت ہے جس کا اظہار قرآن حکیم میں ان الفاظ میں کیا گیا:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ  
وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ  
كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝

(۲۸:۲۸)

وہی (اللہ) تو ہے جس نے اپنے رسول  
(محمد ﷺ) کو (کتاب) ہدایت اور  
دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو  
تمام ادیان پر مکمل طور پر غالب  
کردے (اور جملہ حقائق و معارف کو  
ظاہر فرما دے اور کلمہ طیبہ کی  
صداؤں سے عالم گونجتا رہے) اور یوں  
تو دین حق کی صداقت اور رسول کی  
رسالت پر اللہ ہی گواہ کافی ہے۔

چونکہ اس کے لئے انقلابی جدوجہد مقصد بعثت نبوی کی اقامت کے لئے اور سیرت  
نبوی ہی کی رہنمائی میں انجام پذیر ہوئی ہے اس نے اسے ”مصطفوی انقلاب“ کا عنوان

دیا گیا ہے۔

مصطفوی انقلاب سے مراد ایک ایسا صالح اور مثالی معاشرے کا قیام ہے جہاں ہر فرد معاشرہ حقیقی اور عملی معنوں میں:

فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ O  
تو جو بھی میری ہدایت کی پیروی کرے گا نہ ان پر کوئی خوف (طاری) ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (۳۸:۲)

کا مشاہدہ کرے۔ اندریں حالات اگر کوئی بغاوت و سرکشی کی روش اختیار کرے گا تو:  
فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ O  
اس کے بعد تم میں سے جس نے (بھی) کفر (یعنی عہد سے انحراف) کیا تو بے شک وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔ (۱۲:۵)

کے مصداق وہ اپنے آپ کو وعدہ الہی کی مذکورہ برکات سے بعید پائے گا۔

### ۳۔ عبوری حکمت عملی:

زندگی کی نوعیت اپنی اصل کے اعتبار سے امکاناتی اور احتمالی ہے۔ یعنی زندگی کبھی بھی لگے بندھے اصولوں اور ضوابط کی ہی پابند نہیں رہتی بلکہ بسا اوقات ایسے حالات بھی حیطہ ظہور میں آتے ہیں جن سے عہدہ برآ ہونے کیلئے وقتی اور ہنگامی لائحہ عمل اختیار کرنا پڑتی ہے۔ انقلابی جدوجہد کرنے والی جماعت کو نوعیت کی عبوری حکمت عملی تشکیل دینے اور دوران جدوجہد ہر نوع کے پیش آمدہ حالات اور واقعات سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت کا حامل ہونا چاہئے۔ سیرت نبوی ﷺ اس حوالے سے جامع رہنمائی عطا کرتی ہے۔ اہل اسلام کیلئے حکم جہاد موجود ہونے کے باوجود صلح

حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ نے کفار سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا اور اس طرح نفوذ و فروغ اسلام کے نئے امکانات کے باب واکر لئے۔

عبوری حکمت عملی پر نظر رکھنے سے جہاں انقلابی قیادت ہنگامی حالات سے کما حقہ عہدہ برآ ہو سکتی ہے وہاں انقلابی جماعت کے کارکن و وابستگان بھی وسعت نظر و عمل کے حامل بنتے ہیں کہ وہ قیادت کے ایسے فیصلوں کو اساسی فکر سے انحراف (Deviation) قرار نہیں دیتے بلکہ سوئے منزل بڑھنے کی ایک راہ گردانتے ہیں۔

## ۴۔ رد عمل اور جوابی حکمت عملی؛

انقلابی جدوجہد کے دوران انقلابی تحریک کو پیش آنے والے ممکنہ رد عمل کا تعین فکر انقلاب کا ایک اہم عنصر ہے۔ انقلابی تحریک کو اپنے جدوجہد کے سفر کے دوران تین طرح کے رد عمل کا سامنا کرنا ہوگا۔ ان کسی انقلابی جدوجہد کی کامیابی کی ضمانت ان عوامل کی مزاحمت کی موثر مزاحمت میں ہوگی۔ وہ تین رد عمل یہ ہیں:-

۱۔ ایمان                      ۲۔ کفر                      ۳۔ منافقت

اس سے یہ گروہ وجود میں آئیں گے:-

۱۔ موافق                      ۲۔ مخالف                      ۳۔ مفاد پرست

انہیں قرآن حکیم کی اصطلاح میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔ مسلمان                      ۲۔ کافر                      ۳۔ منافق

جدید اصطلاحی زبان میں ہم انہیں یوں عنوان دے سکتے ہیں:

۱۔ انقلابی                      ۲۔ رجعت پسند                      ۳۔ مصلحت کش

۱۔ موافقین کا رد عمل:

فکر انقلاب کی دعوت پر موافقین اور انقلابیوں کا رد عمل یہ ہوگا کہ وہ



مومنانہ کردار ادا کرتے ہوئے اس دعوت پر لبیک کہیں گے اور انقلابی جدوجہد میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کریں گے۔ وہ قیادت کے دست و بازو بنیں گے اور مشن کی خاطر ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار رہیں گے وہ انقلابی جدوجہد کے ذریعے باطل، فرسودہ اور سامراجی و استحصالی نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر بٹی برحق، جاندار اور عادلانہ نظام حیات نافذ کرنے کے لئے تگ و دو کریں گے۔ ان کے فکر و عمل کی وضاحت قرآن حکیم کی روشنی میں یوں کی جاسکتی ہے:-

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ  
الصَّلَاةَ وَ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ  
يُنْفِقُونَ ۝

جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز کو (تمام حقوق کے ساتھ) قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔

(۳:۲)

(اس) رسول نے جو کچھ ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا اور اس کی تصدیق کی

أَمَّنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ  
رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ

(۲۸۵:۲)

اور مومن لوگ اس (وحی) پر جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اور اس (وحی) پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہے (برابر) ایمان لاتے ہیں۔

وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ  
إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ

(۱۶۲:۴)

ایمان والے (تو) صرف وہی لوگ ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ  
اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تَلِيَتْ

ذکر کیا جاتا ہے (تو) ان کے دل (اس کی عظمت و جلال) کے تصور سے) خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور جب ان پر اسکی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ (کلام محبوب کی لذت انگیز اور حلاوت آفریں باتیں) ان کے ایمان میں زیادتی کر دیتی ہیں اور وہ (ہر حال میں) اپنے رب پر توکل (قائم) رکھتے ہیں۔

ان کے ایمان میں زیادتی کر دیتی ہیں اور وہ (ہر حال میں) اپنے رب پر توکل (قائم) رکھتے ہیں۔ (اور کسی غیر کی طرف نہیں تکتے) (یہ) وہ لوگ ہیں جو نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں۔ (حقیقت میں) یہی لوگ سچے مومن ہیں، ان کیلئے ان کے رب کی بارگاہ میں (بڑے) درجات ہیں آپ ان لوگوں کو جو اللہ اور یوم

عَلَيْهِمْ اِيْتُهُ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝

(۲:۸)

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَّ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

(۲۴:۳:۸)

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ایسا نہ پائیں گے کہ وہ ان لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں خواہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے خاندان ہی کے لوگ کیوں نہ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان ان کے دلوں میں ایمان مثبت کر دیا ہے اور ان کو اپنے فیض خاص سے تقویت بخشی ہے (وہ دنیا میں بھی فیضیاب ہوں گے) اور (آخرت میں اللہ) ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے (یہ ان کا اجر ہے اور فیضان یہ کہ) اللہ ان سے راضی ہو اور وہ اللہ سے راضی ہوئے (یہ اعتماد رضا یہ لطف رضا، یہ مسرت، یہ راحت جسے ملے وہی جانے) یہ لوگ اللہ کا گروہ ہیں (اللہ والے ہیں۔ اللہ کے لیے زندہ رہتے اور اللہ کے لیے مرتے

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُؤَادُّونَ مَنْ حَادَّ  
اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ  
أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ  
عَشِيرَتَهُمْ. أُولَئِكَ كَتَبَ فِي  
قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ  
مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ  
تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا.  
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ  
أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ. أَلَا إِنَّ حِزْبَ  
اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ

(۲۲:۵۸)

ہیں) سن رکھو کہ اللہ ہی کی جماعت  
فلاح پانے والی ہے (اس کو اس کے  
ایمان و عمل کا صلہ ملے گا اور خوب ملے  
گا۔

اور (یہ مال) ان لوگوں کا (بھی حق  
ہے) جو (ہجرت والے) گھر (یعنی  
مدینہ) میں پہلے سے مقیم ہیں اور  
ایمان میں (ثابت قدم) ہیں (یعنی)  
جو شخص ان کے پاس ہجرت کر کے  
آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں (اس  
کو اپنا سمجھتے ہیں) اور جو کچھ مہاجرین  
کو ملتا ہے اس سے ان کے دل میں کوئی  
خلش (ریشک یا تنگی پیدا) نہیں ہوتی  
اور (یہی نہیں بلکہ وہ ان کو) اپنی ذات  
پر مقدم رکھتے ہیں (ان کی ضروریات  
کو ترجیح دیتے ہیں) اور اگرچہ خود ان کو  
شدید ضرورت (ہی کیوں نہ) ہو اور  
(ان کا یہ مجاہدہ نفس اللہ کے یہاں  
پسندیدہ ہے۔ یہ اللہ کا ان پر بڑا فضل  
ہے سچ تو یہ ہے کہ جس کو

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ  
مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ  
إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ  
حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَى  
أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ  
وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ  
هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

(۹:۵۹)

(توفیق الہی سے) اس کے نفس کی  
حرص سے محفوظ رکھا گیا تو وہی لوگ  
میرا پانے والے ہیں۔

بے شک مومن (تو) وہ لوگ ہیں جو  
اللہ اور اس کے رسول پر (دل و جان  
سے) ایمان لاتے ہیں پھر (اس میں  
ذرا) شک نہیں کرتے اور اللہ کی راہ  
میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد  
کرتے ہیں یہی لوگ سچے (اور پکے  
مسلمان) ہیں۔ ان کا منتہائے نظر  
منزل صدق ہے ان میں سب سے  
بڑے کا نام صدیق ہے۔

ان آیات سے اہل ایمان انقلابیوں کے درج ذیل اوصاف سامنے آتے  
ہیں:-

- ۱- یہ لوگ ہی حزب اللہ ہیں اور فلاح ابدی انہی کا مقدر ہے۔
- ۲- ان کی جدوجہد کی بنیاد ایمان بالغیب پر ہے۔ اللہ کا وعدہ ان کے لئے زندگی کی  
ہر حقیقت سے بڑی حقیقت ہے یہ اپنے ایمان بالغیب کی توثیق اقامت صلوة اور انفاق  
فی المال سے کرتے ہیں۔
- ۳- اللہ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر اتارا گیا کلام ان کے لئے یقین و ایمان کا  
سرچشمہ و منبع ہے۔

۴۔ ان کے لئے ایمان ایک تصور نہیں بلکہ ان کی زندگی کی ایک زندہ حقیقت ہے۔ ذات ربانی کا تصور ان کی شخصیت کا جزو لاینفک ہے سو آیات الہی کی تلاوت و سماعت ان کے لئے زیادتی ایمان اور دولت توکل کا باعث بنتی ہے۔

۵۔ یہ لوگ مغفرت کے امیدوار ہیں اس عملی و ذہنی روش کے ساتھ کہ مغفرت اقامت صلوة اور انفاق فی المال سے منسلک ہے۔

۶۔ ان کے نزدیک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں سے دوستی کی کوئی گنجائش نہیں چاہے وہ ان کے قریبی عزیز اور خوئی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

۷۔ اقامت دین کے لئے ترک وطن و مفادات ان کے کردار کا حصہ ہے۔ وہ اقامت دین کی جدوجہد کرنے والوں پر خرچ کرنے کو اپنی ذات پر خرچ کرنے پر ترجیح دیتے ہیں چاہے یہ شدید ابتلاء و مشکلات پر ہی کیوں نہ منتج ہو۔

۸۔ ان کی انقلابی جدوجہد ہر طرح کے شک و ریب سے بالاتر اور جہاد بالمال و بالنفس سے مملو ہوتی ہے۔ جو ان کے صدق اور نصب العین سے سچی لگن کی عملی دلیل ہے۔

## ۲۔ مخالفین و رجعت پسندوں کا رد عمل

انقلاب کے لئے دوسرا ممکنہ رد عمل مخالفین کی طرف سے ہو گا یہ وہ رجعت پسند لوگ ہوں گے جن کے مفادات پر انقلاب کے ذریعے براہ راست زد پڑے گی۔ جن کی اجارہ داریوں کو دھچکا لگے گا، جن کے کبر و عنوت کے بت پاش پاش ہوں گے۔ جن کی مفاد پرستیاں انہیں بکھرتی اور ریزہ ریزہ ہوتی نظر آئیں گی اور وہ کافرانہ کردار ادا کرتے ہوئے مخالف و مزاحم ہوں گے۔ مشن اور دعوت انقلاب جتنی مبنی برحق ہوگی اس کی مخالفت اتنی ہی شدت سے ہوگی کیونکہ حق میں نکھار مخالفت کی وجہ سے آتا ہے

بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ

نہال ترک زبرق فرنگ بار آورد

ظہور مصطفوی ﷺ را بہانہ بولہبی است

(پیام مشرق)

اگر دعوت انقلاب پر مخالفانہ رد عمل نہ ہو تو اس فکر انقلاب میں خالصیت اور باطل نظام کو تبدیل کرنے کی قطعاً کوئی صلاحیت نہ ہوگی نہ وہ باطل اور طاغوتی طاقتوں کے لئے کوئی واضح چیلنج بن سکے گا۔

مخالفین و رجعت پسندوں کے کردار کا تعین قرآن حکیم کی روشنی میں یوں

کیا جاسکتا ہے:-

آپ انہیں یقیناً سب لوگوں سے زیادہ

جینے کی ہوس میں مبتلا پائیں گے اور

(یہاں تک کہ) مشرکوں سے بھی

زیادہ ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ

کاش اسے ہزار برس کی عمر مل جائے

نہ وہ لوگ جو اہل کتاب میں سے کافر

ہو گئے ہیں اور نہ ہی مشرکین اسے

پسند کرتے ہیں کہ تمہارے رب کی

طرف سے تم پر کوئی بھلائی اترے

بہت سے اہل کتاب کی یہ خواہش ہے

تمہارے ایمان لے آنے کے بعد پھر

وَلتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى

حَيٰوةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا يَوَدُّ

أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ

(۹۶:۲)

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ

الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ

عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِّنْ رَبِّكُمْ

(۱۰۵:۲)

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ

يُرَدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ

تمہیں کفر کی طرف لوٹادیں

كُفَّارًا

(۱۰۹:۲)

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ

(۸۹:۲)

وَ إِذَا قِيلَ لَهُمْ امِنُوا بِمَا اُنزِلَ

اللَّهُ قَالُوا نُوْمِنُ بِمَا اُنزِلَ عَلَيْنَا وَ

يَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ

(۹۱:۲)

سو جب ان کے پاس وہی نبی (حضرت محمد ﷺ) اپنے اوپر نازل ہونے والی

اور جب ان سے کہا جاتا ہے اس (کتاب) پر ایمان لاؤ جسے اللہ نے

(اب) نازل فرمایا ہے (تو) کہتے ہیں

ہم صرف اس (کتاب) پر ایمان رکھتے

ہیں جو ہم پر نازل کی گئی اور وہ اس کے

علاوہ کا انکار کرتے ہیں

اور یہود و نصاریٰ آپ سے (اس وقت

تک) ہرگز خوش نہیں ہوں گے جب

تک آپ ان کے مذہب کی پیروی

اختیار نہ کر لیں

اور جب ان (کافروں) سے کہا جاتا

ہے کہ جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اسکی

پیروی کرو تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ ہم

تو اسی (روش) پر چلیں گے جس پر ہم

نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، اگرچہ ان

کے باپ دادا نہ کچھ عقل رکھتے ہوں

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا

النَّصْرَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ط

(۱۲۰:۲)

وَ إِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا اُنزِلَ اللَّهُ

قَالُوا بَل نَتَّبِعُ مَا اَلْفِينَا عَلَيْهِ اَبَانَا

اَوْ لَوْ كَانَ اَبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ

شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ○

(۱۷۰:۲)



اور نہ ہی ہدایت پر ہوں۔

کافر چاہتے ہیں کہ کہیں تم اپنے  
ہتھیاروں اور اپنے اسباب سے غافل  
ہو جاؤ تو وہ تم پر دفعۃً حملہ کر دیں

وَدَّالَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ  
أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ  
عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَاحِدَةً.

(۱۰۲:۴)

(اے نبی مکرم!) آپ فرمادیجئے اے  
اہل کتاب تمہیں ہماری کونسی بات  
بری لگی ہے بجز اس کے کہ ہم اللہ پر  
اور اس (کتاب) پر جو ہماری طرف  
نازل کی گئی ہے اور ان (کتابوں) پر جو  
پہلے نازل کی جاچکی ہیں ایمان لائے  
ہیں اور بیشک تمہارے اکثر لوگ  
نافرمان ہیں۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِمُونَ  
مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا  
وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ  
فَاسِقُونَ ۝

(۵۹:۵)

ان آیات سے مخالفین اور رجعت پسندوں کے کردار کے درج ذیل خصائص

ہمارے سامنے آتے ہیں:-

۱۔ ان کے نزدیک اصل زندگی دنیاوی زندگی ہے۔ وہ آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتے ہیں۔  
۲۔ اہل ایمان کی بھلائی اور ترقی انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی۔ وہ انہیں ہر خیر حتیٰ کہ  
دولت ایمان تک سے محروم کر دینا چاہتے ہیں۔

۳۔ وہ دعوت حق پر تعقل اور استدلال کی بنیاد پر غور نہیں کرتے بلکہ ہٹ دھرمی اور

انانیت کی روش پر گامزن ہونے کی وجہ سے تعصب کی بنیاد پر اسے قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں۔

۲۔ وہ ہمہ وقت اہل ایمان کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے ہیں۔ تاکہ وہ انہیں ان کے ایمانی، دینی اور ملی تشخص سے محروم کر دیں اور اپنے کافرانہ تہذیبی سماجی اور ثقافتی رنگ میں رنگ لیں۔

### ۳۔ منافقین و مصلحت پسندوں کا رد عمل

انقلاب کے لئے تیسرا اور آخری رد عمل ایسے مفاد پرست طبقے کی طرف سے ہو گا جو نہایت خطرناک اور تاریخ میں گھناؤنا کردار سرانجام دینے والا ہے۔ یہ طبقہ منافقین اور مصلحت پسندوں کا طبقہ ہے۔ یہ منافقین سے مل کر انہیں اپنی حمایت کا بھرپور یقین دلاتے اور مفادات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جو بھی مخالفین کی صفوں میں قدم رکھتے ہیں انہیں کے ہو جاتے ہیں اور مفادات کے حصول کی خاطر ”صاف چھپتے بھی نہیں اور سامنے آتے بھی نہیں“ کا نمونہ بنے رہتے ہیں۔

جو یہی تحریک انقلاب کو استحکام ملتا ہے اور وہ روز افزوں ہوتی ہوئی ترقی کے زینے طے کرتی جاتی ہے۔ مذکورہ تینوں قسم کے رد عمل ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں تحریک کی تیزی گہرائی اور ترقی کے ساتھ ساتھ یہ رد عمل بھی تیز تر گہرے اور ترقی حاصل کرتے چلے جاتے ہیں۔

قرآن حکیم کی روشنی میں منافقین کی علامت درج ذیل ہیں:-

اور لوگوں میں سے بعض وہ (بھی)	وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ
ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر اور یوم	وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ
قیامت پر ایمان لائے حالانکہ وہ	بِمُؤْمِنِينَ ۝ يُخَدِعُونَ اللَّهَ

(ہرگز) مومن نہیں ہیں۔ وہ اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں مگر (فی الحقیقت) وہ اپنے آپ کو ہی دھوکہ دے رہے ہیں اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد پانہ کرو، تو کہتے ہیں ہم ہی تو اصطلاح کرنے والے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ! یہی لوگ (حقیقت میں) فساد کرنے والے ہیں مگر انہیں (اس کا) احساس تک نہیں۔

(اے نبی کریم) جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں اور اللہ بھی جانتا ہے کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں (لیکن یہ منافق جو کہہ رہے ہیں یہ ان کے دل کی آواز نہیں وہ ہرگز دل سے آپ کی رسالت کے قائل نہیں) اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا  
أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝

(۹۸:۲)

وَ إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي  
الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ  
مُصْلِحُونَ ۝ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ  
الْمُفْسِدُونَ وَلَكِن لَّا  
يَشْعُرُونَ ۝

(۱۲:۱۱:۲)

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ  
أَنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ. وَاللَّهُ يَعْلَمُ  
أَنَّكَ لَرَسُولُهُ. وَاللَّهُ يَشْهَدُ أَنَّ  
الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ۝

(۱:۶۳)

ہیں۔

وہ اپنی زبان سے وہ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔

يَقُولُونَ بِاللِّسَانِ فِي قُلُوبِهِمْ

(۱۱:۴۸)

وہ (منافق) جو تمہاری (فتح و شکست کی) تاک میں رہتے ہیں، پھر اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح نصیب ہو جائے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کو (ظاہری فتح میں سے) کچھ حصہ مل گیا

الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعُكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا

(۱۴۱:۴)

تو (ان سے) کہتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہیں ہو گئے تھے اور (اس کے باوجود کیا) ہم نے تمہیں مسلمانوں (کے ہاتھوں نقصان) سے نہیں بچایا؟ پس اللہ تمہارے درمیان قیامت کے دن فیصلہ فرمائے گا اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر (غلبہ پانے کی) ہرگز کوئی راہ نہ دے گا۔

اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں

إِنْ تَمْسِكُمْ حَسَنَةً تَسْؤُهُمْ وَإِنْ

بری لگتی ہے اور تمہیں کوئی رنج پہنچے

تو وہ اس سے خوش ہوتے ہیں

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (تم

بھی) ایمان لاؤ جیسے (دوسرے) لوگ

ایمان لے آئے ہیں تو کہتے ہیں کیا ہم

بھی (اسی طرح) ایمان لے آئیں جس

طرح (وہ) بیوقوف ایمان لے آئے۔

کہتے ہیں کہ (ہم نے آپ کا) حکم مان

لیا۔ پھر جب وہ آپ کے پاس سے

(اٹھ کر) باہر جاتے ہیں تو ان میں

سیا یک گروہ آپ کی کہی ہوئی بات کے

خلاف مشورے کرتے ہیں۔

اور جب ان کے پاس کوئی خبر امن یا

خوف کی آتی ہے تو وہ اسے پھیلا دیتے

ہیں۔

کیا آپ نے ان لوگوں کا حال نہیں

دیکھا جنہیں (ابتداءً کچھ عرصہ کے

لیے) یہ کہا گیا کہ اپنے ہاتھ (قتال

سے) روکے رکھو اور نماز قائم کیے

رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو (تو وہ اس پر

تُصِبْكُمْ سَيِّئَةً يَفْرَحُوا بِهَا

(۱۲۰:۳)

وَ إِذَا قِيلَ لَهُمْ امِنُوا كَمَا امِنَ

النَّاسُ قَالُوا اَنُؤْمِنُ كَمَا امِنَ

السُّفَهَاءُ.

(۱۳:۲)

اِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ

مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ.

(۸۱:۴)

وَ اِذَا جَاءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوْ

الْخَوْفِ اَذَاعُوا بِهِ

(۸۳:۴)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا

اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

وَ اَتُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ

الْقِتَالُ اِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ

النَّاسَ كَخَشِيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ

خوش تھے) پھر جب ان پر جہاد یعنی کفر اور ظلم سے ٹکرانا (فرض کر دیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ (مخالف) لوگوں سے (یوں) ڈرنے لگا جیسے اللہ سے ڈرا جاتا ہے یا اس سے بھی بڑھ کر۔ اور کہنے لگے اے ہمارے رب! تو نے ہم پر (اس قدر جلدی) جہاد کیوں فرض کر دیا۔

اور ایسے لوگوں کی بھی پہچان کر اداے جو منافق ہیں۔ اور جب ان سے کہا گیا کہ اے اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا (دشمن کے حملے کا) دفاع کرو تو کہنے لگے اگر ہم جانتے کہ (واقعتہ کسی ڈھب کی) لڑائی ہوگی یا ہم سے اللہ کی راہ میں جنگ جانتے) تو ضرور تمہاری پیروی کرتے اس دن وہ (ظاہری) ایمان کی نسبت کھلے کفر سے زیادہ قریب تھے (اور) اللہ تم لوگوں میں سے ان کو بھی خوب جانتا ہے جو (لوگوں کو جہاد میں شریک ہونے سے) روکتے ہیں اور

خَشِيَةً. وَ قَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ. لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ

(۷۷:۴)

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا. قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَا اتَّبَعْنَاكُمْ. هُمْ لِلْكَفْرِ يَوْمئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ.

(۱۶۷:۳)

قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا.

وَلَا يَأْتُونَ النَّاسَ إِلَّا قَلِيلًا

(۱۸:۳۳)

اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ (کہاں  
لڑائی میں مر رہے ہو) ہمارے پاس  
چلے آؤ۔ اور یہ خود لڑائی میں بہت کم  
شریک ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا تینوں پیش آنے والے رد عوائل کا سامنا کرنے کے لئے انقلابی  
قیادت کے پاس واضح حکمت عملی بھی ہونی چاہئے۔ انقلابی جدوجہد کے دوران  
احتیاطی اقدامات کے تحت انقلابی قیادت کو قبل از وقت تصادم سے گریز کرنا ہوگا۔<sup>۹</sup>  
قبل از وقت تصادم کا التواء

دور ما قبل انقلاب میں تصادم کو خاص عرصے تک ملتوی رکھا جاتا ہے اپنے  
فکر کے ہمنوا پیدا کر کے بتدریج ان کی تعداد میں اضافہ کرنا قیادت کی بنیادی ضرورت  
ہوتی ہے۔ معاشرے میں پہلے سے موجود ظالم، استحصالی اور سامراجی نظام کے دست  
تظلم کے گردش میں ہونے کی وجہ سے اس نظام کی فرسودگی، بطلان اور سامراجیت کو  
لکارنا اپنی قوت کو خود اپنے ہاتھوں قبر میں اتارنا ہے لہذا ایک خاص مدت تک تصادم کو  
معرض التواء میں رکھا جاتا ہے۔

یہ چیز ذہن نشین رہے کہ جب تصادم معرض التواء میں ہو اس وقت  
انقلابیوں کے سامنے ایسا پروگرام ہونا چاہئے جس سے ان کے حوصلے اور جذبے نرم اور  
سرد نہ ہوں اور وہ تسلسل کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہیں اور تحریک  
جب تصادم کو دعوت دینے کے مرحلے تک آ پہنچے تو کسی تاخیر کے بغیر میدان کارزار  
میں کودا جائے گویا فیصلہ کن قوت کے تیار ہونے سے پہلے تصادم کو ملتوی رکھنا اور  
انقلابیوں کے جذبات اور حوصلوں کو سرد نہ ہونے دینا راہ انقلاب کے اہم تعینات

ہیں۔

التواء کے اس سارے دور میں دعوت، تربیت، تنظیم کے مراحل سے انقلابیوں کو گزارا جائے اور مواخات مدینہ کی طرز پر انقلابیوں کے معاشی استحکام کے لئے کام کیا جائے۔

انقلابی قیادت کو مذکورہ بالا ہر رد عمل کے جواب میں یہ حکمت عملی اختیار کرنا ہوگی:

۱۔ مومنین اور انقلابی جماعت کے کارکنوں کی حوصلہ افزائی کی جائے گی ان کے ایمان و کردار کی تعمیر کے ساتھ ساتھ انہیں معاشی استحکام عطا کر کے ان کی انقلابی قوت کو فروغ دیا جائے گا:

۲۔ رجعت پسندوں، منکرین اور کافروں کو ہر سطح پر قوت سے دبایا جائے گا:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً  
وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ  
اور ان سے جنگ کرتے رہو حتیٰ کہ  
کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین (یعنی  
زندگی اور بندگی کا نظام عملاً) اللہ ہی  
کے تابع ہو جائے تے

۳۔ منافقین کی پردہ داری کی جائے گی۔ مصلحت کو شوں کو ہر سطح پر بے نقاب کیا جائے گا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ  
وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ  
اے نبی (معظم!) آپ کافروں اور  
منافقوں سے جہاد کریں اور ان پر سختی  
کریں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے

اس کا عملی نمونہ ہمیں سیرت نبوی ﷺ سے ملتا ہے کہ خاص وقت تک



انتظار کے بعد پیغمبر انقلاب ﷺ نے مصلحت پسندوں کو بے نقاب کر دیا اور ایک ایک کا نام لے کر مسجد سے نکالا گیا۔

فاخرج من المسجد یا فلاں اے فلاں مسجد سے نکل جا تو منافق انت منافق ہے۔

گویا انقلابیوں کی ہر سطح پر حوصلہ افزائی کرنا رجعت پسندوں کو ہر سطح پر قوت سے دبانے اور مصلحت کو شوں کو ہر سطح پر بے نقاب کرنا یہ ممکنہ رد عمل کے جواب ہوں گے۔ فلسفہ انقلاب کے ان پانچ تعینات سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام اپنے خاص وحی پر مبنی پاکیزہ مقاصد کے حصول کی خاطر انقلاب پیا کرنے کی تعلیم دیتا ہے اور کفر اپنے طریق پر اپنے باطل مقصد کے حصول کی خاطر انقلاب لانے کی دعوت دیتا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز  
چراغ مصطفوی ﷺ سے شرار بولہبی  
حیات شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز  
نمرشت اس کی ہے مشکل کشی، جفا طلبی  
اس کشاکش پیہم سے زندہ ہیں اقوام  
یہی ہے راز تب و تاب ملت عربی

## ۵۔ نتیجہ خیزی کی ضمانت

غلبہ دین حق کے لئے کی جانے والی جدوجہد نتیجہ خیز ہوگی اور انجام کار اپنے نصب العین کی تکمیل سے بہرہ ور ہوگی۔ یہ تصور جہاں فکر انقلاب کا اہم اور نمایاں تعین ہے وہاں دیگر افکار حاضرہ اور ”قرآنی فلسفہ انقلاب“ میں ایک نکتہ امتیاز بھی ہے۔

ملت کے دور زوال سے دوچار ہو جانے کے بعد دوبارہ غلبہ و عروج کو حاصل کرنے کے دو منہج ہوں گے:-

۱۔ الوہی منصوبہ بندی (Divine Planing)

۲۔ احيائی جدوجہد (Revivalistic Struggle)

۱۔ الوہی منصوبہ بندی:

کائنات ارضی پر انسانی زندگی کے آغاز کے ساتھ ہی جب صہوط آدم علیہ السلام سے نسل آدم علیہ السلام کا سلسلہ شروع ہوا تو رب ذوالجلال نے نسل آدم علیہ السلام سے وعدہ فرمایا کہ ان کے پاس ابدی فلاح کی ضامن ہدایت آتی رہے گی جس کی اتباع ان کے لئے ہر نوع کے خوف و حزن سے نجات کا باعث ہوں گے۔ اس سلسلہ ہدایت کو مسلسل قائم رکھنے کے لئے انبیاء کا سلسلہ قائم کیا گیا:

(ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی دین

پر جمع تھے (پھر جب ان میں

اختلافات رونما ہو گئے) تو اللہ نے

بشارت دینے والے اور ڈر سنانے

والے پیغمبروں کو بھیجا اور ان کے

ساتھ حق پر مبنی کتاب اتاری تاکہ وہ

لوگوں میں ان امور کا فیصلہ کر دے

جنہیں وہ اختلاف کرنے لگے تھے

اور ہم نے کسی بستی کو غارت نہیں کیا

مگر اس کے لیے (عواقب سے)

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً. فَبَعَثَ

اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَ مُنذِرِينَ وَ

أَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ

لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا

فِيهِ.

(۲:۲۱۳)

وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا

مُنذِرُونَ ۝ ذِكْرَىٰ. وَمَا كُنَّا

ظَلَمِينَ ۝

(۲۰۹-۲۰۸:۲۶)

ڈرانے والے (ان بستیوں میں موجود) تھے۔ نصیحت کرنے کے لیے۔ اور ہمارا کام ظلم کرنا نہیں (یعنی پہلے ہدایت کے لیے اللہ کے نبی اس کے بندے لوگوں کو بد اعمالیوں کے عواقب سے ڈراتے ہیں جب پھر بھی وہ راہ ہدایت پر نہیں آتے تب ہلاک کیے جاتے ہیں)۔

اور (سلسلہ وحی اور انبیاء کوئی نئی بات نہیں) ہم گزشتہ امتوں میں بہت سے پیغمبر بھیجتے رہے ہیں۔ اور (ان کفار کا تو یہی حال رہا کہ) جو پیغمبر بھی ان کے پاس آتا وہ اس کا مذاق اڑاتے۔ (لیکن ان کے انکار کے باعث اللہ نے اپنا حکم بھیجنا بند نہ کیا)

وَكَمْ أَرْسَلْنَا مِنْ نَبِيِّ  
الْأَوَّلِينَ ۝ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا  
كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝

(۷-۶:۴۳)

یعنی اللہ کی طرف سے ہدایت تو ہر دور میں عالم انسانیت کے پاس آتی رہی جس کی اتباع میں ان کی فلاح تھی مگر وہ تمرد اور سرکشی کی روش کی وجہ سے الوہی ہدایت سے میسر آنے والی فلاح سے محروم رہے:

اور اس میں اختلاف بھی فقط انہی لوگوں نے کیا جنہیں وہ کتاب دی گئی

وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ  
مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا

تھی، باوجود اس کے کہ ان کے پاس واضح نشانیاں آچکی تھیں (اور انہوں نے یہ اختلاف بھی) محض باہمی بغض و حسد کے باعث (کیا) پھر اللہ نے ایمان والوں کو اپنے حکم سے وہ حق کی بات سمجھا دی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے، اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرمادیتا ہے۔

بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا  
اختلفوا فيه من الحق بإذنه والله  
يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ  
مُسْتَقِيمٍ

(۲۱۳:۲)

ہر قوم اپنی سرکشی کے سبب سے انجام کار تباہی اور بربادی سے دوچار ہوتی رہی مگر ان کے لئے اصلاح احوال کے دروازے کھلے رکھے گئے گو اپنی غفلت، نفس پرستی اور ہدایت الہی سے دوری کے سبب وہ اصلاح احوال کی راہ اختیار کر کے نجات حاصل نہ کر سکے۔ گزشتہ اقوام کی حالات بیان کرتے ہوئے قرآن حکیم ایک اصول کے طور پر قوم یونس علیہ السلام کا تذکرہ کرتا ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کو ان کی سرکشی کے سبب چھوڑ کر چلے گئے اور قریب تھا کہ وہ قوم عذاب الہی سے دوچار کر دی جاتی مگر توبہ و استغفار اور عملاً اصلاح احوال کے عزم اور ہدایت ربانی کی طرف رجوع میں انہیں عذاب سے نجات دے کر دوبارہ ان کے زوال (خزئی) کو عروج (ومتعنہم) میں بدل دیا:

پھر قوم یونس (کی بستی) کے سوا کوئی  
اور ایسی بستی کیوں نہ ہوئی جو ایمان

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا  
إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا

لائی ہو اور اسے اسکے ایمان لانے نے  
فائدہ دیا ہو جب (قوم یونس کے لوگ  
نزول عذاب سے قبل صرف اسکی  
نشانی دیکھ کر) ایمان لے آئے تو ہم  
نے ان سے دنیوی زندگی میں (ہی)  
رسوائی کا عذاب دور کر دیا اور ہم نے  
انہیں ایک مدت تک منافع سے بہرہ  
مند رکھا

كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي  
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى  
حِيْنٍ ۝  
(۹۸:۱۰)

اس تذکرے سے قرآن حکیم اس بنیادی اصول کی طرف متوجہ کر رہا ہے کہ  
زوال و تباہی سے نجات اور عروج و تمکنت کا حصول الوہی ہدایت کی ایسی اتباع جو تعقل،  
تفکر اور تدبیر کے ذریعے پوری زندگی کو صحت مند روش پر گامزن کر رہی ہو، ہی کے  
ذریعے ہی ممکن ہے۔ اگلی آیت میں ارشاد ہوا:

اور کسی شخص کو (از خود یہ) قدرت  
نہیں کہ وہ بغیر اذن الہی کے ایمان  
لے آئے وہ (اللہ) کفر کی گندگی انہی  
لوگوں پر ڈالتا ہے جو (حق کو سمجھنے  
کیلئے) عقل سے کام نہیں لیتے

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا  
بِاِذْنِ اللّٰهِ. وَيَجْعَلُ الرَّجْسَ عَلٰى  
الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝  
(۱۰۰:۱۰)

## ۲۔ احيائی جدوجہد:

تاریخ ملل میں ملت اسلامیہ کو یہ شان امتیاز حاصل ہے کہ اسے ابدی زوال و  
تباہی سے دور آ اور مستثنی رکھا گیا ہے۔ حالانکہ اس سے قبل ہر قوم کو ایک مدت معینہ

کے بعد ان کے انجام کے حوالے کر دیا گیا۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ  
ہر امت کے لئے ایک فیصلہ کن  
ساعت ہے۔ (۲۹:۱۰)

اور اجل کے لئے فرمایا گیا:

لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ  
ہر فیصلہ کن ساعت کے لئے ایک  
کتاب ہے۔ (۳۸:۱۳)

کتاب کا تعلق اس فیصلے سے ہے جو فیصلہ کن ساعت میں کسی امت کے متعلق طے پاتا ہے کہ کون سی امت اس کی حق دار ہے کہ وہ باقی رہے اور ترقی کرے اور کون سی امت اس امر کی مستحق ہے کہ اسے مکافات عمل کے تحت نابود کر دیا جائے۔ تاہم اجل کی کتاب کے مفہوم کو متعین کرتے ہوئے اس امتیاز کو سامنے رکھنا ہوگا کہ قرآن حکیم نے اس کا مفہوم امت مسلمہ اور ما قبل امم کے لئے مختلف انداز سے متعین کیا ہے وہ امم سابقہ کے لئے کیا گیا۔

لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ إِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ  
ہر امت کیلئے ایک میعاد (مقرر) ہے  
فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا  
جب انکی (مقررہ) میعاد آ پہنچتی ہے تو  
يَسْتَقْدِمُونَ ○  
وہ نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور  
نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ (۲۹:۱۰)

مگر ملت اسلامیہ کے حوالے سے اس مفہوم کو یوں بیان کیا گیا۔

لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ يَمْحُو اللَّهُ مَا  
اللہ جس (لکھے ہوئے) کو چاہتا ہے مٹا  
يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ  
دیتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) ثبت فرما  
دیتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب  
(۳۸:۱۳-۳۹)

(لوح محفوظ) ہے۔

گویا ملت اسلامیہ کو زماں و مکاں کے اثرات و نفاذنا بودیت سے ماوراء منصب عطا کیا گیا:

از اجل این قوم بے پروا تے

استوار از سخن نزلنا آتے

(اقبال)

اسی امتیاز سے متصف ہونے کے باعث ہر دور زوال میں ملت اسلامیہ کے

عروج و احیاء کے لئے کی جانے والی جدوجہد انجام کار کامیابی پر منتج ہوگی بشرطیکہ وہ

مطلوبہ تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے کی گئی ہو۔ نتیجہ خیزی کے لئے مطلوبہ تقاضے دو

نوعی ہیں:

قسم ہے زمانے کی یقیناً انسان خسارے

میں رہا (کہ کسب سعادت اور کسب

فیض سے محروم رہا۔ یہ آخری دور پایا

اور ایمان نہ لایا) مگر (اس نا قابل تلافی

نقصان سے وہی محفوظ رہے) جو

(خدا اور خدا کے رسول پر) ایمان

لائے اور (ایمان ہی پر اکتفا نہ کی بلکہ

(نیک عمل کیے اور) (یہی نہیں بلکہ وہ)

آپس میں ایک دوسرے کو حق کی

تلقین اور صبر (و استقلال) کی تاکید

کرتے رہے۔

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ

وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ

(العصر)

یعنی عصر کے ابذی خسران سے۔ مستثنیٰ وہی قوم ہوگی جو

۱۔ ایمان و یقین اور

۲۔ عمل صالح سے متصف ہوگی۔

## ایمان و یقین

یقین جدوجہد برپا کرنے اور اس میں استقامت کے لئے نتیجہ خیزی سے پہلے ضروری ہے کامیابی (مشاہدہ) کے لیے جدوجہد (مجاہدہ) ضروری ہے اور موثر جدوجہد بغیر یقین کے نہ ہو سکے گی۔ یعنی جدوجہد سے پہلے جب تک جدوجہد کرنے والے کو اپنی کامیابی کا یقین نہ ہو گا وہ اس راہ پر کوئی موثر قدم نہ اٹھا سکے گا۔ اور پھر یہی یقین اسے راہ جدوجہد میں استقامت و پامردی اور استحکام دے گا جو حصول منزل کی ضمانت بنے گا۔ جبکہ یقین کو مشاہدہ ہی سے مربوط کر دینے سے نہ صرف یقین کی عملی افادیت ختم ہو جاتی ہے۔ بلکہ قرآن حکیم کی روشنی میں بعض اوقات مشاہدہ بھی یقین خیزی کا سبب نہیں بنتا جب تک شاہد خود اس مشاہدہ سے یقین حاصل نہ کرنا چاہتا ہو۔

وَلَوْ اَنَّآ نَزَّلْنَا اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ  
كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا  
عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَا كَانُوْا  
لِيُؤْمِنُوْا اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ  
اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝  
اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتار  
دیتے اور ان سے مردے باتیں کرنے  
لگتے اور ہم ان پر ہر چیز (آنکھوں کے  
سامنے) گروہ در گروہ جمع کر دیتے وہ  
تب بھی ایمان نہ لاتے سوائے اس  
کے جو اللہ چاہتا اور ان میں سے اکثر

(۱۱۱:۶)

لوگ جہالت سے کام لیتے ہیں۔

یعنی اگر انسان کا وطیرہ یجھلون (To practice Ignorance) ہو تو مشاہدہ بھی



یقین و ایمان کی دولت نہ دے گا چاہے وہ ارض و سموات کی جمیع آیات اور دلائل و براہین پر مشتمل ہی کیوں نہ ہو! جدوجہد سے پہلے ضرورت یقین کو قرآن حکیم یوں بیان کرتا ہے:-

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أُمَّةً يَهْدُونَ  
بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا  
يُوقِنُونَ ○

اور ہم نے ان (بنی اسرائیل) میں جب تک وہ صبر سے کام لیتے رہے بہت سے پیشوا بنادئیے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

(۲۴:۳۲)

i۔ جدوجہد میں استقامت (صبر)

ii۔ قانون الہی کی واقعیت اور اس پر کاربند رہنے کی صورت میں وعدہ الہی کی صداقت کا یقین۔

قرآن حکیم نے متفرق مقامات پر یقین کے اس عملی پہلو کو بیان کیا ہے:-

۱۔ موسیٰ عليه السلام کو فرعونی مظالم سے بچانے کے لیے مادر موسیٰ عليه السلام کو رب ذوالجلال نے وحی فرمائی کہ موسیٰ عليه السلام کو حوالہ دریا کر دو۔ یہ ایک مشکل امر تھا مگر وعدہ الہی پر یقین نے انہیں یہ کار مشکل انجام دینے کا حوصلہ دیا۔ وعدہ الہی پر یقین کا ثمر کیا ہوا ارشاد ربانی ہے:-

اس طرح ہم نے ان کو ان کی ماں کے پاس پہنچا دیا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ (بیٹے کی جدائی سے) غمگین نہ ہوں اور جان لیں کہ بے

فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا  
وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ  
حَقٌّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا

يَعْلَمُونَ ۝

شک اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (اور جب کسی معاملہ میں دیر ہوتی ہے یا کوئی اور صورت پیدا ہوتی ہے تو ان میں تذبذب پیدا ہونے لگتا ہے)۔

(۱۳:۲۸)

یعنی مادر موسیٰ عليه السلام کو وعدہ الہی کی حقانیت کا مشاہدہ مل گیا مگر تب جب انہوں نے اپنی جان جان کو وعدہ الہی پر یقین کرتے ہوئے بنظر ظاہر نذر ہلاکت کر دیا۔ ب۔ جب موسیٰ عليه السلام حکم ربانی کے تحت اپنی قوم کو لیکر روانہ ہوئے تو فرعونی لشکر بھی ان کے تعاقب میں آگئے۔ جب دریائے نیل کے کنارے پہنچے تو بنی اسرائیل آگے دریا اور پیچھے فرعونی لشکروں کو دیکھ کر سخت پریشان ہوئے انہیں اپنی موت سامنے نظر آنے لگی۔ اور موسیٰ عليه السلام سے کہنے لگے۔

فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَمْعُ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدْرَكُونَ ۝  
پھر جب دونوں جماعتیں مقابل ہوئیں تو موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا (لو) ہم تو پکڑے گئے۔

(۶۱:۲۶)

مگر ان دگرگوں اور ہلاکت خیز حالات میں بھی جو جواب اپنی قوم کو موسیٰ عليه السلام نے دیا وہ پیغمبرانہ یقین کا حامل جواب تھا۔

قَالَ كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝  
(موسیٰ نے) فرمایا ہرگز نہیں (ایسا کبھی نہیں ہو سکتا) میرا پروردگار میرے ساتھ ہے وہ مجھے راہ (نجات) بتا دے گا۔

(۶۲:۲۶)

یقین سے مملو اس جواب کے ساتھ ہی وحی ربانی آئی:-

فَاَوْحَيْنَا اِلَى مُوسَى اَنْ اَضْرِبْ  
بِعَصَاكَ الْبَحْرَ فَاَنْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ  
فِرْقٍ كَالطُّورِ الْعَظِيمِ ۝

(۶۳:۲۶)

چنانچہ ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنا عصا دریا پر مارو (انہوں نے تعمیل حکم کی) تو دریا (دو حصوں میں) پھٹ گیا اور ہر ٹکڑا پانی کے ایک بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا۔ (اس طرح دریا نے اللہ کے حکم سے موسیٰ کو راہ دی)۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ یقین کی نتیجہ خیزی غلبہ حق کی شکل میں سامنے آئے گی۔ اور غلبہ حق کو قرآن اسی دنیا میں غلبے سے تعبیر کرتا ہے ارشاد ربانی ہے:-

قَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنْ اسْتَعْلَىٰ ۝  
آج وہی کامیاب (و کامران) ہے جو  
غالب آئے۔

(۶۴:۲۰)

گویا یہ آیت مبارکہ انتم الا علون کی وضاحت بھی بیان کر رہی ہے! اور اگر کہیں نتیجہ خیزی نظر نہ آرہی ہو تو اس کا سبب بھی بھجوائے قرآن یقین کا فقدان ہو گا:-  
وَ حِيلَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ  
كَمَا فَعَلْ بِاشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ  
اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيبٍ ۝  
اور (اس دن تو) ان میں اور ان کی  
آرزوں کے درمیان ایک پردہ حائل  
کر دیا جائے گا (ایسا پردہ کہ دین حق کی  
تمنا بھی نہ کر سکیں) جیسا کہ ان سے  
قبل ان ہی جیسے (باطل پرست)

(۵۴:۳۴)

لوگوں کے ساتھ کیا گیا کیونکہ وہ لوگ  
(بھی غیب کی باتوں کے متعلق) ایسے  
شک میں پڑے ہوئے تھے جس نے  
ان کو تردد میں ڈال رکھا تھا۔

یقین نہ صرف اہل حق کی جدوجہد کے لیے شرط اولین (Very first  
(Pre-requisite) ہے بلکہ نتیجہ خیزی کا ضامن بھی۔ اور اگر نتیجہ خیزی سامنے نہ  
آ رہی تو قرآن حکیم کی روشنی میں یقین کے معیار اور اس کے تقاضوں کا از سر نو جائزہ  
لینا ہوگا جو نتیجہ خیزی کے حوالے سے ”و حیل بینہم“ کی رکاوٹوں اور مشکلات کو دور  
کرنے کا سبب بنے گا۔

جب یہ امر طے پایا گیا کہ نتیجہ خیزی کا یقین نتیجہ خیزی کے مشاہدے سے  
پہلے ضروری ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ یقین میسر کیسے آئے گا؟

وعدہ الہی اور نتیجہ خیزی پر یقین کے حوالے سے یہ امر قابل ذکر ہے کہ  
قرآن حکیم محسوس حقائق کا مشاہدہ کروا کر غیبی حقائق کا یقین دینے کا اسلوب اپناتا  
ہے۔ تخلیق کائنات میں تفکر کی دعوت اس لیے دی جاتی ہے۔ کہ ”حق“ کی معرفت  
حاصل کی جاسکے۔ اس طرح وعدہ الہی کی واقعیت اور حقانیت کا یقین حاصل کرنے کے  
لیے رب کائنات انسان کے سامنے Data رکھتا ہے کہ یا تو انسان اس Data کے  
چیلنج کو قبول کر کے اسے رد کرنے کی سعی کرے اور اگر اسے رد نہ کر سکے تو اسے قبول  
کر کے اس کے محتویات کے مصداق بننے کی جدوجہد کرے۔ یہ ربانی Data ان اجزاء  
پر مشتمل ہے۔

۱۔ ذات نبوت ۲۔ قرآن حکیم

## ۱۔ ذات نبوت

سیرت نبوی کی عدم مشکییت کا یہ عالم کہ نزول قرآن سے بھی قبل آنے والے قرآن کی تصدیق کروانے کے لئے کفار کے سامنے رسول اللہ ﷺ سے جس سند کو پیش کیا وہ آپ کی سیرت مبارکہ تھی:-

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ  
أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

پیشک میں اس (قرآن کے اترنے) سے قبل (بھی) تمہارے اندر عمر (کا ایک حصہ) بسر کر چکا ہوں سو کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

(۱۶:۱۰)

## بقول اقبال

می توواں منکر یزداں شدن  
منکر از شان نبی نتواں شدن

یعنی اہل حق کو خاتم الانبیاء اور خاتم الوحی کی ناقابل چیلنج حیثیت (Unchallengable Status) سے ان کے دیئے گئے وعدوں کا یقین حاصل کر کے سوئے منزل نو سفر کا آغاز کرنا ہوگا۔

## ۲۔ قرآن حکیم

قرآن حکیم دنیا کی واحد کتاب ہے جو اپنی تصدیق ثقاہت (Falsification Test) کے لیے اپنے مخالفین کو دعوت دیتی ہے کہ اگر وہ اس کتاب کو منزل من الحق کتاب تصور نہیں کرتے اور انسان کی ساختہ تخلیق سمجھتے ہیں تو وہ بھی کوشش کر دیکھیں کہ اسی شان کی حامل کوئی کتاب بنا لیں۔

ارشاد ربانی ہے:-

قُلْ لِّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ  
عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ  
لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ  
بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۝

(۸۸:۱۷)

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرِيهِ قُلْ فَأْتُوا  
بِعَشْرِ سُورٍ مِثْلَهُ مُفْتَرِيَةٍ وَ  
ادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ  
إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝

(۱۳:۱۱)

فرمادیجئے اگر تمام انسان اور جنات  
اس بات پر جمع ہو جائیں کہ وہ اس  
قرآن کے مثل (کوئی دوسرا کلام بنا)  
لا سینگے تو (بھی) وہ اس کی مثل نہیں  
لا سکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے  
مددگار بن جائیں۔

کیا کفار یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس  
(قرآن) کو خود گھڑ لیا ہے فرمادیجئے تم  
(بھی) اس جیسی گھڑی ہوئی دس  
سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا (اپنی  
مدد کیلئے) جسے بھی بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم  
سچے ہو۔

یہ دونوں Datas آج بھی اپنے کمال اور شان اتمامیت کے حوالے سے  
دنیا بھر کے لیے چیلنج ہیں۔

یقین سے نتیجہ خیزی کس طرح آئے گی؟

جب اہل حق اس دولت یقین سے بہرہ ور ہو کر کہ:

ان کی نصرت کا وعدہ اللہ کر چکا ہے:

كتب الله لا غلبن انا ورسلى (۲۱:۵۸)

”اللہ نے ان یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں

گے۔“

ب۔ یہ ارادہ الہی ہے کہ انہیں مدد و نصرت و غلبہ سے نوازا جائے:-

و نُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ  
اسْتَضَعُوا فِي الْأَرْضِ  
وَنَجْعَلَهُمْ آيَةً وَّ نَجْعَلَهُمُ  
الْوَارِثِينَ ○

اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر  
احسان کریں جن کو ملک میں بالکل  
کمزور کر دیا گیا تھا اور یہ کہ ان کو سردار  
بنادیں اور (فرعون کے ملک و سلطنت  
کا) ان کو وارث بنادیں۔

(۵:۲۸)

راہ حق کے مسافر بنیں گے اور عمل صالح کو اپنا وطیرہ بنائیں گے تو فلاح  
ضرور ان کا مقدر بنے گی۔

## عمل صالح

عمل صالح کا مفہوم بھی قرآن کی روشنی میں طے کرنا ہوگا۔ قرآن حکیم کی روشنی میں  
عمل اس وقت ہی عمل صالح بنتا ہے جب وہ درج ذیل حیثیتوں میں صالح ہو:

### ۱۔ حیثیت عرفی

یعنی عمل معروف معنوں میں اچھا ہو:

والله يعلم المفسد من المصلح (۲: ۲۲۰)

”اور اللہ خرابی کرنے والے کو بھلائی کرنے والے سے جدا پہچانتا ہے۔“

### ۲۔ حیثیت شرعی

وہ عمل شرعی لحاظ سے بھی محمود ہو:

فمن امن واصلح فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون (۴۸: ۶)

”سو جو شخص ایمان لے آیا اور (عملاً) درست ہو گیا تو ان پر نہ کوئی خوف

ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔“

### ۳۔ حیثیت نوعی و قوعی

وہ عمل کمال صحت مندی (Excellence) کے ساتھ انجام دیا گیا

ہو۔ صحت مندی کا یہ مفہوم اس آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے:-

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيٰ وَ

أَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ۔

پھر ہم نے ان کی فریاد سن لی اور ان کو

بیچی (ساحل و ارث) بخشا اور ان کی

بیوی کو اچھا کر دیا (اولاد کے قابل

بنادیا)

عمل کی صالحیت کا یہ پہلو اس آیت مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے:-

کہ کشادہ زر ہیں بناؤ اور (اس کی)

کڑیاں مناسب انداز سے جوڑو۔ اور

نیک عمل کرو (یعنی خوب محنت و

مشقت سے زر ہیں بناؤ اور یاد رکھو) کہ

جو کچھ تم کرتے ہو میں اسے دیکھ رہا

ہوں۔

أَنْ أَعْمَلَ سَبِيغًا وَ قَدَّرَ فِي

السَّرْدِ وَأَعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا

تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

(۱۱:۳۴)

### ۴۔ حیثیت نفسی

وہ عمل نیت کے لحاظ سے بھی صالح ہو۔ یعنی وہ عمل نمود و نماز دنیوا جاہ

طلبی یا نفس پرستی کے لئے نہیں بلکہ نیک نیتی رضائے الہی کے حصول اور لوجہ اللہ

انجام دیا گیا ہو۔



وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَ أُحْضِرَتِ  
الْأَنفُسُ الشُّحَّ  
اور صلح (حقیقت میں) اچھی چیز ہے  
اور طبیعتوں میں (تھوڑا بہت)  
بخل (ضرور) رکھ دیا گیا ہے۔  
(۱۲۸:۴)

وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ  
هُمُ الْمُفْلِحُونَ  
اور (اللہ نے) جس کو اس کے نفس  
کے لالچ سے بچا دیا گیا (وہی مراد کو  
پہنچا) یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔  
(۱۶:۶۴)

### ۵۔ حیثیت عقبی

وہ عمل اپنے انجام اور نتیجہ کے لحاظ سے بھی صالح ہو۔ یعنی اس کے مقبول  
بارگاہ ہونے سے ہی اس کی نتیجہ خیزی مرتب ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ  
عمل کی انجام دہی تقویٰ کے جملہ تقاضوں کو مد نظر رکھ کر کی جائے۔

وَالعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ. (۸۳:۲۸)

”اور انجام تو پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔“

فَمَنْ اتَّقَى وَ اصْلَحَ فَلَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (۳۵:۷)  
”پس جو پرہیزگار بن گیا اور اس نے (اپنی) اصلاح کر لی تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ  
(ہی) وہ رنجیدہ ہوں گے۔“

کیونکہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ان کی ثمروری ان کے خاتمے سے واضح ہوتی  
ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

الاعمال بخواتیمها. (فتح ربانی: مجلس ۱۷)

ترجمہ: اعمال کے (حسن و فتح) کا فیصلہ تو ان کے خاتمے (پر قبولیت یا عدم قبولیت) سے  
ہی کیا جاسکتا ہے۔

جب ایمان و یقین اور عمل صالح کے ان تقاضوں کو پورا کیا جائے گا تو یہی

ہدایت یابی اور منزل یافتگی کی ضمانت ہے۔

آپ تو صرف اسی کو ڈرا سکتے ہیں جو

إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذُّكْرَ وَ

آپ کے سمجھانے پر چلے (نصیحت کو

خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ فَبَشَّرَهُ

قبول کرے قرآن کا تابع ہو جائے)

بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ۝

اور (خدائے) رحمن سے بلا دیکھے

(۱۱:۳۶)

ڈرے۔ (آپ اسی کو ذکر و شغل میں

لگائیے) پس آپ اس کو مغفرت اور

بڑے درجہ کے ثواب کی بشارت

دیتے (جو یہاں اور وہاں اس کے لیے

بڑی عزت کا باعث ہوگا)

جبکہ اس کے برعکس اگر جدوجہد راہ حق کے دوران عمل صالح چھوٹ گیا تو

نہ صرف منزل کا حصول محال ہے بلکہ ایمان و یقین کی شمع بھی گل ہو جائے گی۔

اسی طرح آپ کے رب کا حکم

كَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ

نا فرمانوں پر ثابت ہو کر رہا کہ وہ ایمان

عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا

نہیں لائینگے۔

يُؤْمِنُونَ ۝

(۳۳:۱۰)

کیونکہ ایمان و یقین اور فسق دو متضاد حقیقتیں ہیں جن کا جمع ہونا محال ہے۔

عمل صالح کو جب عملاً شخصیت کا حصہ بنانے کی جدوجہد کی جائے گی تو یہ

تشکیل و تعمیر کردار پر منتج ہوگی۔ انقلابی جدوجہد کرنے والے افراد کے کردار کی تشکیل

و تعمیر بنیادی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ وہی عمل جاندار اور نتیجہ الخیز ہوگا جو با کردار افراد کی طرف سے انجام دیا جائے گا۔ تشکیل کردار کا ضابطہ اس آیت مبارکہ سے مترشح ہو رہا ہے۔

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت (اور زور آور) ہیں (لیکن) آپس میں رحم دل (ایک دوسرے کے ساتھ اخلاص اور محبت سے پیش آتے ہیں۔ ان کی حالت یہ ہے کہ ان کا غصہ ان کی محبت سب اللہ کے لیے ہے، اے دیکھنے والے) تو (بھی) دیکھتا ہے کہ وہ (کبھی) رکوع (کبھی) سجود میں ہیں (غرض ہر طرح) اللہ سے اس کے افضل اور اس کی رضامندی کے طلبگار ہیں ان کی علامت (ان کے پر نور پر رونق نشان سجدہ سے) ان کے چہروں پر نمایاں ہے جو سجدوں کا اثر ہے (ان کے چہروں پر عبادت کے آثار، پیشانی پر سجدہ کے نشان، ولایت کا باران کی

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ  
أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ  
بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا  
يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا  
سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ  
السُّجُودِ ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي  
التَّوْرَةِ. وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ.

(۲۹:۴۸)

جبین پر ہے یہ تو الگ پہچانے جاتے  
 ہیں) ان (صحابہ) کی تعریف توریت  
 میں اور ان کے اوصاف انجیل میں  
 (آئے) ہیں

اس آئیہ مبارکہ سے انقلابی جماعت کے ان کارکنوں کے کردار جو اس سے ما قبل  
 آیت (۲۸:۳۸) میں بیان کردہ مقصد بعثت نبوی کی اقامت کی خاطر مصروف  
 جدوجہد ہوں گے کے یہ دو پہلو سامنے آتے ہیں:

۱۔ فکری و باطنی کردار

۲۔ عملی و ظاہری کردار

اور ان دونوں پہلوؤں میں ان کے کردار کامرکز و محور ذات نبوت ﷺ  
 سے پیوستگی ہوگا۔

۱۔ فکری و باطنی کردار:

یہ افراد روحانی الذہن ہوں گے۔ اور اپنے فکر و نظریہ کے حوالے سے دیگر  
 لوگوں سے ممتاز ہوں گے یعنی وہ  
 ۱۔ ہر معاملے میں اللہ کی رضا کے طالب ہوں گے:

يبتغون فضلا من الله ورضوانا

۲۔ وہ ان اعلیٰ اخلاقی و روحانی اوصاف سے متصف ہوں گے جو انہیں دوسروں کے لئے  
 مینارہ نور بنادے:

سيما هم في وجوهم من اثر السجود

دوسرے مقام پر اس وصف کو یوں بیان کیا گیا:-

اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول سے  
(انکے حقوق کی ادائیگی میں) خیانت نہ  
کیا کرو اور نہ آپس کی امانتوں میں  
خیانت کیا کرو حالانکہ تم (سب  
حقیقت) جانتے ہو۔ اور جان لو کہ  
تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تو  
بس فتنہ ہی ہیں اور یہ کہ اللہ ہی کے  
پاس اجر عظیم ہے۔

اے ایمان والو (تم) اللہ سے ڈرتے  
رہو۔ اور اس کے پیغمبر پر ایمان  
لاؤ (یعنی دل سے تم ان کو اپنا وسیلہ اور  
عالم کے لیے رحمت تصور کرو اور ان  
کے ہو جاؤ تو اللہ) تم کو اپنی رحمت سے  
(ثواب کے) دوحصے عطا فرمائے گا۔ (دنیا  
میں بھی اللہ اور رسول کی رحمت  
تمہاری معاون ہوگی) اور تمہارے  
لیے ایک نور پیدا کر دیگا (ایمان اور  
تقویٰ سے تمہارا وجود ہی نورانی  
ہو جائیگا) تم اس کی روشنی میں چلو گے  
(یہاں بھی اور آخرت میں بھی) اور

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ  
يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ  
سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو  
الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

(۲۹:۸)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ  
آمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ  
رَحْمَتِهِ وَ يَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا  
تَمْشُونَ بِهِ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ  
غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

(۲۸:۵۷)

وہ تم کو (تمہاری لغزشوں پر) بخش  
دے گا، اور اللہ تو بڑا بخشنے والا مہربان  
ہے۔

۳۔ اپنی انقلابی جدوجہد پر انہیں غیر متزلزل یقین ہو گا۔

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا  
يَسْتَخِفُّكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ۝  
یقین نہیں لاتے کہیں تم کو (تمہارے  
عزم سے) ہلانا دیں۔

۴۔ وہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والے ہوں گے۔ سو وہ جانی و مالی قربانی سے کبھی دریغ  
نہیں کریں گے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ  
عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِنْ عَذَابِ  
الْأَلِيمِ ۝ تُوْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ  
وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ، ذَلِكُمْ  
خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝  
(۱۱۰:۱۱)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک  
ایسی تجارت بتاؤں جو تم کو (آخرت  
کے) دردناک عذاب سے بچالے۔ تم  
اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ  
اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی  
جانوں سے جہاد کرو۔ اگر تم سمجھ رکھتے  
تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر  
ہے۔ (بہت معمولی سی چیز دے کر  
آخرت کی ابدی راحتیں خرید رہے ہو،  
اس سے بڑھ کر کامیابی کیا ہوگی۔)

۵۔ زندگی کے ہر معاملے میں وہ مثبت اور تعمیری رویے کے حامل ہوں گے:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا  
السَّيِّئَةُ. ادْفَعِ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ  
فَإِذَا الدِّى بَيْنَكَ وَ بَيْنَهُ عَدَاوَةٌ  
كَانَتْهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ وَمَا يُلْقِهَا إِلَّا  
الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلْقِهَا إِلَّا ذُو  
حِظٍّ عَظِيمٍ ۝

(۳۱:۳۴-۳۵)

اور (اے حبیب) بھلائی اور برائی  
برابر نہیں ہو سکتی۔ آپ حسب  
معمول لوگوں کی سختی اور برائی کو  
اپنے) نیک برتاؤ سے ٹال دیا کیجئے تو  
(آپ دیکھیں گے کہ) جس شخص  
میں اور آپ میں دشمنی ہے وہ ایسا  
ہو جائے گا جیسا ایک دلی دوست (اس  
کی دوستی میں اخلاص کے ساتھ گرم  
جوشی ہوگی جب سرکارِ دو عالم نے یہ  
آیت پڑھی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ  
کی طرف اشارہ ہے)۔

## ۲۔ عملی و ظاہری پہلو

انقلابی جماعت کے کارکنوں کی ظاہری زندگی جہاں ان کے روحانی الذہن  
ہونے اور عبادت کے نور کے سبب پاکیزگی کا مرقع ہوگی وہاں وہ  
۱۔ باہم ترحم و مودت کے سبب رحمانیت کی تصویر ہوں گے اور  
۲۔ مخالفین حق کے لئے فولاد سے بھی سخت ہوں گے۔ اور ان کے فتنہ کے قلع  
قمع اور غلبہ دین حق کے لئے مسلسل مصروف عمل رہیں گے۔ کردار کے ان پہلوؤں کی  
توضیح اگلے ابواب میں آرہی ہے۔

جب انقلابی جماعت کے کارکن اس کردار کے حامل ہوں گے تو ان کی

جدوجہد کے اثرات کا دیرپا ہونا اور باثمر و نتیجہ خیز ہونا قرآن حکیم آیت کے اگلے حصے میں یوں بیان کرتا ہے:-

كَزَّرَعٍ أَخْرَجَ شَطَاةً فَازَرَهُ  
فَاسْتَعْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ  
يُعِجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ  
الْكُفَّارَ. وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِرِ  
عَمَلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَ  
أَجْرًا عَظِيمًا ۝

(۲۹:۳۸)

ان کی مثال ایک کھیتی کی مانند ہے کہ اس نے (پہلے) سوئی (کی طرح کی ایک پتی) نکالی، پھر (ارد گرد کے ماحول اور زمین سے قوت حاصل کر کے) اس کو مضبوط (اور قوی) کیا۔ پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر (بڑھ کر) اپنے بل پر کھڑی ہو گئی (اور یہ سر سبز و لہلہاتی ہوئی کھیتی) کاشتکاروں کو بھلی معلوم ہونے لگی (اسلام کی کھیتی بھی لہلہا رہی ہے) تاکہ کافروں کا جی جلے (اور یہ تو دنیا میں ان صحابہ کرام اور مومنوں کا انعام ہے) آخرت میں تو اللہ نے ان سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ حصول نتائج وعدہ الہی پر یقین کی پختگی کا متقاضی ہے۔ قرآن حکیم اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ وعدہ الہی کی حقانیت اور ہدایت ربانی کی نتیجہ خیزی پر اہل حق کو اتنا ہی یقین ہو جو یقین انہیں اپنے معمولات حیات کے



حقائق پر حاصل ہے۔ یعنی ان کے لئے دیکھے اور ان دیکھے حقائق میں مرتبہ یقین کے اعتبار سے کوئی فرق نہ ہو۔

اور (یوں تو) یقین رکھنے والوں کے لیے زمین میں (بے شمار) نشانیاں ہیں اور (اے لوگو) خود تمہارے نفسوں میں بھی (اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں) پھر کیا تم غور نہیں کرتے۔ اور (یاد رکھو جس طرح تمہاری روح کی پرورش کے لیے غذائے روحانی یعنی قرآن آسمان سے اترا ہے اسی طرح تمہارا رزق آسمان (ہی) میں ہے (لوح محفوظ میں وہ سب کچھ تحریر ہے جو تم کو دنیا میں ملتا ہے، اگر یہ سمجھ لو گے تو کبھی حرص و ہوس میں مبتلا نہ ہو گے) اور جو کچھ تم سے وعدہ (آخرت کا) کیا گیا ہے (وہ بھی وہیں درج ہے)۔ پس قسم ہے آسمان و زمین کے پروردگار کی کہ یہ بات (یعنی قرآن یا آخرت) حق ہے (اور یہ اسی طرح حق ہے) جیسے تم بات چیت

وَ فِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ وَ فِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۝ وَ فِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوعَدُونَ ۝ فَوَرَبَّ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ إِنَّهُ الْحَقُّ مَثَلِ مَا أَنْتُمْ تَنْطِقُونَ ۝

(۲۳:۵۱-۲۰)

کرتے ہو۔

اسی مقام پر سیدنا علی مرتضیٰ نے فرمایا:

ولم تزد دنی یقینا ولو کشف  
الغطاء  
اگرچہ پردے ہٹا دیے جائیں میرے  
یقین میں کوئی زیادتی نہ ہوگی۔

نتیجہ خیزی وعدہ الہی پر یقین کے ”قدر“ سے ہی مرتب ہوگا۔ جس حد تک  
وعدہ الہی کی حقانیت پر یقین ہوگا اس ”قدر“ اس کے نتائج مرتب ہوں گے اور  
جدوجہد بھی نتیجہ خیز ہوتی جائے گی۔

وَأَنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ  
وَمَا نُنزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ  
اور (کائنات کی) کوئی بھی چیز ایسی  
نہیں ہے مگر یہ کہ ہمارے پاس اس  
کے خزانے ہیں اور ہم اسے صرف  
معین مقدار کے مطابق ہی اتارتے  
رہتے ہیں۔

اسی لئے اقبال نے کہا:

گریک ذرہ کم گردد از انگیز وجود من

بایں قیمت نمی گیرم حیات جاودا نے را

اب اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ کیا مشاہدہ یقین پیدا کرتا ہے؟  
اگر ہم اس امر کا بنظر غائر جائزہ لیں تو یہ حقیقت الم نثرح ہوتی ہے کہ یقین سے مشاہدہ  
پیدا ہوتا ہے اور مشاہدہ سے اطمینان۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آیات الہی  
کے مشاہدہ کا تقاضا کیا تو اس کا مقصود بھی یہی تھا۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي  
اور (وہ واقعہ بھی یاد کریں) جب

كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى. قَالَ أُولَئِم  
تُؤْمِنُ. قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لَّا يَظُنُّ  
قَلْبِي

(۲۶۰:۲)

ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا میرے  
رب! مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو  
کس طرح زندہ فرماتا ہے، ارشاد ہوا  
کیا تم یقین نہیں رکھتے، اس نے عرض  
کیا کیوں نہیں (یقین رکھتا ہوں) لیکن  
(چاہتا ہوں کہ) میرے دل کو بھی  
خوب سکون نصیب ہو جائے۔

یہی اطمینان یقین کو مزید پختگی تک پہنچا دیتا ہے کہ غیب و حضور ایک جیسے ہو جاتے  
ہیں۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا:-

وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ  
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُوْنُ مِنَ  
الْمُوقِنِيْنَ ۝

(۷۵:۶)

اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو  
آسمانوں اور زمین کی تمام بادشاہتیں  
(یعنی عجائبات خلق) دکھائیں اور  
(یہ) اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں  
میں ہو جائے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ:-

- ۱۔ ابراہیم علیہ السلام نے طلب مشاہدہ یقین کے ساتھ اطمینان قلب کیلئے کیا اور
  - ۲۔ رب نے اس مشاہدہ ملکوت کو ابراہیم علیہ السلام کی پختگی یقین کا ذریعہ بنا دیا۔
- یہ امر بھی قابل غور ہے کہ یقین اور اطمینان میں ایک بنیادی فرق ہے۔  
یقین ان دیکھی منزلوں کو حاصل کرنے کیلئے جدوجہد کا محرک جذبہ ہے۔ اور اطمینان  
منزلوں کو پالنے پر احساس یافت، اطمینان کا ثمر پانے کے لئے یقین کی تخم ریزی پہلے

مرحلے کی حیثیت رکھتی ہے۔

## انقلاب کے دو نقطہ ہائے نظر

انقلاب کے ان تعینات خمسہ کی تعریف (Classification) کے بعد معاشرے میں انقلاب پنا کرنے کا سوال آتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں انقلاب پنا کرنے کے حوالے سے دو نقطہ ہائے نظر کار فرما رہے ہیں:

(الف) اگر معاشرے میں انقلاب پنا کرنا ہے اور معاشرتی ڈھانچے کو تبدیلیوں سے ہم آہنگ کرنا ہے تو پہلے معاشرے میں اخلاقی انقلاب پنا کیا جائے۔ تعلیم و تربیت، تبلیغ و لٹریچر کے ذریعے سے پہلے معاشرے میں فکری انقلاب پنا کیا جائے جب معاشرے میں لوگوں کی ایک کثیر تعداد اسلامی ذہن کی حامل ہو جائے تو معاشرے میں خود بخود انقلاب پنا ہو جائے گا۔ اس فکر کے علمبرداروں میں سید قطب شہید و غیرہ شامل تھے۔ برصغیر میں سید قطب شہید اور حسن البنا سے ہی اس فکر کو مودودی صاحب نے لیا۔ اس مکتبہ فکر کے نزدیک معاشرے میں فکری و اخلاقی انقلاب مقدم ہے اور سیاسی انقلاب مؤخر ہے کہ فکری اور اخلاقی انقلاب کے نتیجے میں سیاسی انقلاب خود بخود پنا ہو جائے گا۔

مگر اس فکر کے جتنے بھی اساطین تھے ان میں سے کوئی بھی اپنی زندگی میں انقلاب پنا نہ کر سکا کوئی اس کوشش میں اپنی زندگیاں صرف کر کے رخصت ہوئے۔ جنہوں نے تحریکی زندگی کو اختیار کیا تو زندگی میں اپنی راہ عمل کو بدل ڈالا چونکہ فکر الگ تھا اور راہ عمل الگ، نتیجہ فکر و عمل میں خلیج پیدا ہوئی اور نتائج پیدا نہ ہوئے اور بجائے نتائج اور عملی ثمرات کے سامنے آنے کے ان کے فکر و عمل کے تضاد نے ان کے بارے میں التباسات اور متنازعہ نقطہ ہائے نظر کو جنم دیا۔

(ب) دوسرا نقطہ نظریہ رہا کہ سیاسی انقلاب مقدم ہے، اگر معاشرے میں تبدیلی لانی ہے تو اس کا آغاز صرف اور صرف سیاسی انقلاب سے ہو گا۔ پہلے سیاسی انقلاب کے نتیجے میں انتقال اقتدار ہو پھر معاشرے کو تبدیلی سے ہمکنار کیا جائے۔ جب سیاسی انقلاب مقدم ٹھہرا تو انتقال اقتدار کے لئے دستوری، انتخابی، خونی یا انقلابی و فوجی و عوامی بغاوت کے طریقے میں کوئی تمیز نہ رہی مگر اس کے نتیجے میں بھی معاشرے میں دیرپا تبدیلی کی توقع ممکن نہیں کہ اس طرح وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں کی جڑیں گہری اور تبدیلی پیدا کرنے والی نہیں ہوتیں۔

### انقلاب کا قرآنی تصور

ان دونوں مذکورہ بالا تصورات سے جامع اور نتیجہ خیز تصور وہ ہے جو قرآن حکیم سے ماخوذ ہے اور ایک لحاظ سے ان دونوں کی تطبیق (Synthesis) بھی ہے۔ اس کے مطابق سیاسی انقلاب مقدم ہے اور سماجی و معاشرتی انقلاب اس کا نتیجہ ہے۔ مگر پہلے قدم کا آغاز سیاسی انقلاب سے نہ کیا جائے بلکہ آغاز دعوت سے کیا جائے۔ اس طرح انقلاب کے تین ادوار ہوں گے:

(۱) دور ما قبل انقلاب (۲) دور انقلاب (۳) دور ما بعد انقلاب

دور ما قبل انقلاب میں بھی کچھ مراحل ہوں گے۔ وہ مراحل دعوت، تنظیم اور تربیت کے مراحل ہیں۔ ان مراحل کے ذریعے عوامی سطح پر انقلابی فکر کو شناسائی ملے گی اور ساتھ ہی ساتھ کچھ جانثار (Dedicated) لوگ بھی پیدا ہو جائیں گے۔ دعوت و تبلیغ کے ساتھ فکری، عملی اور روحانی تربیت بھی جاری رہے گی۔ دعوت کا عمل پوری انقلابی جدوجہد میں کبھی بھی معطل نہ ہو گا اور یہ روز اول سے آخر تک مسلسل جاری رہے گا حتیٰ کہ وہ دن آجائے کہ آقا و جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میرا دین اور

میرا پیغام وہاں وہاں تک جا پہنچے گا جہاں جہاں تک سورج اور چاند جاتے ہیں۔ گویا اس دن کی صبح تک (روز قیامت تک) دعوت کا کام جاری رہے گا۔ دعوت کا عمل تنظیم اور تربیت سے خالی نہیں ہو گا یعنی ان دائروں (Spheres) میں نقطہ اختتام (Point of Saturation) کبھی نہیں آئے گا۔ مرحلے بدلیں گے مگر اصلاً یہ تینوں کام ہمیشہ جاری رہیں گے۔ مثلاً ان کی تربیت جنہوں نے دعوت کو آگے پہنچانا ہے اور فکر کو نافذ کرنا ہے اور عوام الناس کی تربیت جنہوں نے فکر کو اپنانا ہے گویا ہر سطح پر کام جاری رہے گا۔

جب اس مرحلے پر کچھ مشکلات جھیلنے والے اور سرفروش تیار ہو جائیں گے تو دور انقلاب کا آغاز ہو گا جب اہل حق باطل اور طاغوتی طاقتوں سے فیصلہ کن تصادم اختیار کریں گے کیونکہ ہمیشہ دعوت و تربیت کے مرحلے پر ہی مداومت کسی تبدیلی کا باعث نہیں بن سکے گی۔ جب معاشرے میں حق اور نیکی کے پیچھے صرف و عظم کی قوت ہو تو وہ صرف مسجد و خانقاہ میں ہی رہے گا اور باقی ساری زندگی پر شرکی حکمرانی رہے تو ایسے معاشرے میں حق کا دور دورہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ایسا معاشرہ اخلاق حسنہ اور نیکی کا مرقع نہیں بن سکتا۔ اب دعوت کے عمل کے ساتھ ساتھ ایسی انقلابی جدوجہد کا آغاز بھی کیا جائے گا جو سیاسی قوت حاصل کر کے باطل اور طاغوتی نظام کے فروغ کا باعث بننے والوں سے مسند اقتدار چھین کر غلبہ دین حق کو ممکن بنائے گا۔

سیرت نبوی ﷺ سے اس طریق کی تائید ہوتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ایک مدت تک دعوت کا کام کیا اور اپنی قوم کے سامنے اپنے ماضی اور کردار کو ہی دلیل کے طور پر رکھا:

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ  
 أَفَلَا تَعْقِلُونَ (۱۶:۱۰)

بیشک میں اس (قرآن کے اترنے) سے قبل (بھی) تمہارے اندر عمر (کا ایک حصہ بسر کر چکا ہوں۔ سو کیا تم عقل نہیں رکھتے

مگر ایک مخصوص وقت کے بعد لیظہرہ علی الدین کلہ (۳۳:۹) پر عمل کا آغاز فرمایا۔ سیرت نبوی ﷺ سے اس امر کی تائید ملتی ہے کہ جب تک اقتدار اہل حق کے ہاتھوں میں نہ ہو گا و عطا و عطا ہی رہے گا معاشرے کا عملی ضابطہ نہ بن سکے گا۔

باطل کے اقتدار میں تقویٰ کی آرزو!

کیا حسین فریب ہے کہ کھائے ہوئے ہیں ہم

حکیم الامت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس فکر کی تائید اور اس

کے مخالف فکر کی تردید مختلف مقامات پر کی ہے:

ملا کو جو ہند میں ہے سجدے کی اجازت

نادان یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

ہے مملکت ہند میں عجب طرفہ تماشا

اسلام مجوس ہے اور مسلمان ہے آزاد

(ضرب کلیم)

غلبہ دین حق کی بحالی کے لئے انقلابی جدوجہد کا قرآنی تصور یہ ہے کہ آغاز

دعوت حق سے کیا جائے گا جس کے نتیجے میں سیاسی انقلاب پیاہونے کی راہ ہموار ہوگی

اور جب قوت نافذہ اہل حق کے پاس آئے گی تو پھر معاشرتی، معاشی اور اقتصادی

ڈھانچے بدلے جائیں گے اور معاشرے کی ہر ہر نیچ کو ضابطہ حق کے مطابق ڈھالا جائے گا۔ قرآن پاک کے متعدد مقامات اس تصور کی تائید کرتے ہیں چند منتخب درجات ذیل ہیں:

اللہ کا وعدہ ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ وہ ان کو ملک کا حاکم بنا دے گا جیسا کہ ان سے قبل کے لوگوں کو حاکم بنا چکا ہے اور ان کا دین جس کو اس نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے مستحکم کر دے گا اور ان کے اس خوف کے بعد (جس سے وہ قومی و معاشرتی زندگی میں دوچار ہیں) ان کو امن بخشنے گا وہ میری عبادت کریں گے (اور اپنے مقصد حیات یعنی اپنے فکر و عمل میں) میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔ اور جو اس کے بعد بھی (میری اور میرے رسول کی اطاعت سے) انکار کرے پس وہی لوگ بد کردار ہیں (ان کے لیے نہ

(۱) وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا إِنَّهُمْ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ○ وَ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَ اطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ○ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ مِنَ النَّارِ وَ لَبِئْسَ الْمَصِيرُ ○

(۵۷:۲۳-۵۷:۵۷)



دین ہے نہ ایمان) اور (بے مسلمانو!) نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (تم پر اس کی رحمت ہو) (اور اے مخاطب) یہ ہرگز خیال نہ کرنا کہ یہ کافر (اللہ کو) زمین میں تھکا دیں گے (یہ نہ تم کو مغلوب کر سکتے ہی نہ اللہ کے عذاب سے بھاگ سکتے ہیں) اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

ان آیات مبارکہ میں درج ذیل نکات بیان ہوئے ہیں:

- ۱۔ اہل حق کو غلبہ اور اقتدار کی خوشخبری دی گئی۔
- ۲۔ اقتدار اور غلبہ کی خوشخبری کے ساتھ ہی تمکین دینی کا بیان ہوا کہ اہل حق کا اقتدار دراصل الوہی ضابطوں اور دین کے تمکین کا اقتدار ہے۔
- ۳۔ اہل حق کو خوف کی بجائے امن (security) کی بشارت دی گئی۔
- ۴۔ غلبہ دین حق کی بحالی اور الوہی نظام کے اجراء کے بعد ناشکری، گمراہی اور حدود اللہ کی پامالی کو فسق گردانا گیا۔
- ۵۔ اہل حق کو اقتدار عطا کرنے کے بعد اقامت الصلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ اور اطاعت نبوی کا حکم دیا گیا۔
- ۶۔ اہل حق کے غلبہ کو بیان کر کے کفار کو مخاطب کیا گیا کہ وہ کسی طور پر حق پر غالب

نہیں آسکتے بلکہ ان کا مقدر مایوسی، ناکامی اور خسران ہے۔ دنیا میں بھی وہ حق کو عاجز کرنے کی بجائے خود حق کے سامنے مغلوب اور عاجز بن کر رہیں گے (بشرطیکہ اہل حق "اہل حق" ہوں) اور آخرت میں بھی ان کا انجام دوزخ ہے۔

۲- وَاذْكُرُوا إِذَا أَنْتُمْ قَلِيلٌ  
مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ  
تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ  
فَأُولَئِكَ وَ أَيْدِيكُمْ يَنْصُرُهُمْ  
رِزْقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ  
تَشْكُرُونَ ۝

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم (مکی  
زندگی میں عداً) تھوڑے (یعنی  
اقلیت میں) تھے ملک میں دبے ہوئے  
تھے (یعنی معاشی طور پر کمزور اور  
استحصال زدہ تھے) تم اس بات سے  
(بھی) خوفزدہ رہتے تھے کہ  
(طاقتور) لوگ تمہیں اچک لیں گے

(۲۶:۸)

اس آیت مبارکہ میں رب ذوالجلال نے تین بنیادی قومی مسائل وابتلاؤں کا

تذکرہ فرمایا:

۱۔ افرادی قلت یا سیاسی کمزوری (Lack of Political Sovereignty)

۲۔ معاشی کمزوری (Economic Dead-lock)

۳۔ سماجی عدم تحفظ (Social Insecurity)

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ان تینوں مشکلات سے نکال کر تین نعمتوں سے

بہرہ ور فرمایا:

۱۔ سیاسی استحکام (Political Stability) عطا فرمایا۔

۲۔ سماجی و عسکری استحکام (Social Stability/Military Power) عطا فرمایا۔

۳۔ معاشی استحکام (Economic Stability) عطا کیا۔

اس کے بعد فرمایا العکم تشکرون کہ اب پورا معاشرہ صاحب شکر معاشرہ  
یعنی اطاعت الہی بجالانے والا معاشرہ بن جائے۔

(۳) فَمَا أَمَّنَ لِمُوسَى  
الْأَذْرِيَّةَ مِنْ قَوْمِهِ عَلَى خَوْفٍ  
مِّنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَائِهِمْ أَن  
يَفْتِنَهُمْ. وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي  
الْأَرْضِ. وَ إِنَّهُ لَمِنَ  
الْمُسْرِفِينَ ۝

پس موسیٰ پر ان کی قوم کے چند  
جو انوں کے سوا (کوئی) ایمان نہ لایا  
فرعون اور اپنے (قومی) سرداروں  
(وڈیروں) سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں  
وہ انہیں (کسی) مصیبت میں مبتلا نہ  
کر دیں اور بیشک فرعون سر زمین  
(مصر) میں بڑا جابر و سرکش تھا اور وہ  
یقیناً (ظلم میں) حد سے بڑھ جانے

(۸۳:۱۰)

والوں میں سے تھا۔

اس آیت مبارکہ میں درج ذیل نکات بیان کئے گئے:

۱۔ جب اقتدار باطل اور طاغوتی ہاتھوں میں ہو تو دعوت حق کا کام بھی کما حقہ انجام  
نہیں دیا جاسکتا اور دعوت حق کو وہ قبول عام نہیں ملتا کہ دعوت حق کے اقتضاء کو  
راج الوقت قانون و ضابطے میں بدل دیا جائے کیونکہ اقتدار پر متمکن طاغوتی  
طاقتیں اہل حق کو آزمائش میں ڈال دیتی ہیں اور ان کے راستے میں رکاوٹیں  
کھڑی کرتی ہیں۔

۲۔ فرعون کی خود سری اور اقتدار کے نشے کو بھی مذمت کے انداز میں قرآن حکیم  
بیان کر رہا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ رضائے الہی ہے کہ  
باطل اور طاغوتی پنچوں سے اقتدار چھین کر اہل حق کو سونپا جائے تاکہ معاشرہ

صالح اور صحت مند اقدار و روایات کا امین بن سکے جو غلبہ دین حق کے بغیر  
ناممکن ہے۔

(۴) قَالَ اجْعَلْنِي عَلِي  
تَخْرَاجُ الْاَرْضِ اِنِّي حَفِيظٌ  
عَلِيمٌ ۝  
یوسف نے فرمایا مجھے سر زمین (مصر)  
کے خزانوں پر (وزیر اور امین) مقرر  
کردو بیشک میں (ان کی) خوب  
حفاظت کرنیوالا (اور اقتصادی امور  
(۵۵:۱۲)  
کا) خوب جاننے والا ہوں۔

اس آیت مبارکہ میں بھی بیان کیا جا رہا ہے کہ:

۱۔ جب بادشاہ مصر نے حضرت یوسف عليه السلام کو طلب کیا اور انہیں کوئی ذمہ داری  
دینا چاہی تو یوسف عليه السلام نے فرمایا کہ انہیں خزان الارض کے انتظام و انصرام  
کی ذمہ داری دے دی جائے کیونکہ یہی وہ شعبہ مملکت ہے جو سب سے زیادہ  
دیانتداری اور اہلیت کا متقاضی ہے اور مملکت کے بقیہ سارے کاروبار اس کے  
خزانہ کی صحت پر ہی منحصر ہوتے ہیں۔ یوسف عليه السلام نے خود اسے طلب فرمایا کہ  
اس میں خلق خدا اور مملکت کی بھلائی کا رہا تھا۔

۲۔ انی حفیظ علیم کے الفاظ بیان کر کے قرآن حکیم نے اس امر کی طرف اشارہ  
کر دیا کہ انقلابی جدوجہد کرنے والے اور اس کے نتیجے میں اقتدار پر متمکن ہونے  
والے انقلابیوں کو حفیظ یعنی دیانتداری (Honesty) اور علیم یعنی اہلیت  
(Competency) کی صفات سے بہرہ ور ہونا چاہئے۔

(۵) الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ  
بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ  
(یہی وہ لوگ ہیں) جو اپنے گھروں  
سے ناحق نکالے گئے محض اس بات پر

کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو (راہبوں کی) خانقاہیں اور (عیسائیوں کے) گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے (جو زمانہ قدیم میں اللہ کے ذکر کا مرکز رہے ہیں) اور مسجدیں جن میں (آج بھی) اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے سب منہدم ہو چکے ہوتے اور اللہ یقیناً اس کی مدد کرے گا جو اس کے (دین) کی حمایت کرتا ہے، بے شک اللہ زبردست ہے (اور) غلبہ والا ہے۔ (اور اہل مدینہ گو اس وقت مظلوم ہیں لیکن) یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک پر تسلط بخشیں تو یہ لوگ نمازوں کو قائم کریں، زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی جملہ) نیک کاموں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

وَلَوْ لَا دَفَعُ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ  
بِبَعْضٍ لَّهَدَمَتْ صَوَامِعُ وَبِيعٌ وَ  
صَلَوَاتٌ وَ مَسْجِدٌ يُذَكَّرُ فِيهَا  
اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا. وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ  
مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ  
عَزِيزٌ ۝ الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّهُمْ فِي  
الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا  
الزَّكَاةَ وَآمَرُوا بِالمَعْرُوفِ وَ  
نَهَوْا عَنِ المُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ  
الْأُمُورِ ۝

(۲۲:۲۰-۲۱)

ان آیات مبارکہ میں درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ دعوت حق کا راستہ آزمائشوں، ابتلاؤں اور تکالیف کا راستہ ہے کلمہ حق بلند کرتے ہی اور اللہ کی وحدانیت کا ترانہ لاپتے ہی (آخر جو امن دیا رہم) مشکلات و مصائب کا آغاز ہو جاتا ہے۔

۲۔ اہل حق اور اہل باطل کا باہم مقابلہ و تصادم خود مشیت الہی ہے کہ اسی میں اہل حق کی بقاء ہے اگر اہل حق اور اہل باطل کا تصادم نہ کروایا جاتا اور اہل باطل کی اس طرح بیخ کنی نہ کی جاتی تو وہ اہل حق کے آثار تک مٹا دیتے۔

۳۔ نصرت الہی انہی کا مقدر بنتی ہے جو سر بکف ہو کر اللہ کے دین کی تائید و حمایت کے لئے میدان میں اتر پڑتے ہیں۔

۴۔ جب اقتدار اہل حق کو مل جائے تو وہ اقامت صلوٰۃ (حقوق اللہ کی ادائیگی کا نظام) اور ایٹائے زکوٰۃ (حقوق العباد کی ادائیگی کا نظام) اور معروف کے فروغ اور منکر کے استیصال کے لئے سراپا عمل بن کر معاشرے کو حقیقی اسلامی اور مصطفوی معاشرے میں بدل دیتے ہیں۔

اور آپ (اپنے رب کے حضور یہ)

عرض کرتے رہیں اے میرے رب!

مجھے سچائی (خوشنودی) کیساتھ داخل

فرما (جہاں بھی داخل فرمانا ہو) اور

مجھے سچائی (و خوشنودی) کیساتھ باہر

لے آ (جہاں سے بھی لانا ہو) اور مجھے

اپنی جانب سے مددگار غلبہ و قوت عطا

(۶) وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ

مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِيْ

مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِيْ مِنْ

لَدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝

(۸۰:۱۷)

فرمادے۔

اس آیت مبارکہ میں بھی آقائے دو جہاں ﷺ کو فرمایا جا رہا ہے کہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں داخل ہو کر ایک مستحکم مضبوط اور تائید الہی کی حامل اسلامی حکومت کے لئے دعا فرمائیں۔ یہ دعا آپ ﷺ کو تعلیم فرما کر رب کائنات نے اپنی مشیت کا اظہار بھی فرمادیا کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ  
إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝

اور فرمادیجئے حق آگیا اور باطل  
بھاگ گیا بیشک باطل نے زائل و نابود  
ہی ہو جانا ہے۔

(۸۱:۱۷)

ہم نے اپنے رسولوں کو  
نشانیوں (معجزات) دیکر بھیجا اور ان پر  
کتابیں نازل کیں اور (اس کو) میزان  
(عدل قرار دیا) تاکہ لوگ انصاف پر  
قائم رہیں اور ہم نے (اپنی قدرت  
سے) لوہا اتارا اس میں لوگوں کے لیے  
سخت خطرہ بھی ہے اور فائدہ بھی اور  
(یہ سب اس لئے ہے) تاکہ اللہ جان  
لے کہ کون اس کی اور اس کے  
رسولوں کی بن دیکھے (محض وعدہ  
آخرت پر) مدد کرتا ہے (یوں اللہ اور  
اس کا رسول لوگوں کی مدد و اعانت سے

(۷) لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ  
وَ أَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ  
لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَ أَنْزَلْنَا  
الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَ مَنَافِعُ  
لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَ  
رُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ  
عَزِيزٌ ۝

(۲۵:۵۷)

بے نیاز ہے) بے شک اللہ بڑا قوت  
والا (اور) غلبہ والا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں بھی اسی فکر کو بیان کیا گیا ہے:

۱۔ تمام انبیاء کو صرف معجزات، دلائل اور کتاب کے ساتھ ہی نہیں مبعوث کیا گیا  
بلکہ انہیں میزان بھی عطا کی گئی۔ مقصود اس کا عملاً لوگوں کو انصاف پر قائم کرنا  
تھا صرف ظاہر ہے کہ انصاف کا قیام صرف وعظ و تبلیغ سے ممکن نہیں جب تک  
انصاف کا پرچار کرنے والوں کے پاس قوت نافذ نہ ہوگی۔

۲۔ اس کے ساتھ حدید کو اتارا گیا۔ حدید سے مراد قوت و اقتدار ہے کہ یہ منافع کا  
حامل بھی ہے کہ تنفیذ کا موثر ذریعہ ہے اور اس میں سخت آزمائش بھی ہے کہ  
بہت لوگ اس کی وجہ سے ہلاکت سے دوچار ہوں گے اس طرح یہ حقیقت الم  
نشرح ہو جاتی ہے کہ کتاب اور میزان کی تنفیذ تبھی ممکن ہوگی جب انہیں  
حدید کی تائید حاصل ہوگی بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ

”عصا نہ ہو تو کلیسی ہے کار بے بنیاد“





## حواشی

(مقدمہ)

- ۱۔ اسلام اور قومیت پر مولانا حسین احمد مدنی کے بیان کے جواب میں علامہ اقبال کا بیان روزنامہ احسان لاہور میں ۹ مارچ ۱۹۳۸ء کو شائع ہوا۔
- ۲۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب اقبال نے ایک جماعت کے قیام کی ضرورت محسوس کی اور اس کے کام کے لئے ان کے کہنے پر ڈاکٹر سید ظفر الحسن نے اپنے جن شاگردوں کو اقبال کی خدمت میں بھیجا تھا ان میں ڈاکٹر برہان احمد فاروقی بھی شامل تھے۔
- ۳۔ منہاج القرآن: ۹، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی
- ۴۔ ایضاً: ۶۳
- ۵۔ ایضاً: ۵۰
- ۶۔ ایضاً: ۷۳
- ۷۔ قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل: ۶۶، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی
- ۸۔ منہاج القرآن: ۵۱، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی
- ۹۔ ایضاً: ۶۵
- ۱۰۔ قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل: ۱۰۴
- ۱۱۔ منہاج القرآن: ۷
- ۱۲۔ ایضاً
- ۱۳۔ ایضاً: ۷۲، ۷۱، ۲۶۲

۱۴۔ ایضاً: ۱۱۳

۱۵۔ ایضاً: ۱۱۴

۱۶۔ ایضاً: ۲۵۳

۱۷۔ کیونکہ انسانی علم ہر دور میں معرض ارتقاء میں ہے اور اس امر کا متقاضی ہے کہ ہر دور نو میں اسے تازہ فکر کی کمک پہنچائی جائے بقول اقبال:

"It must, however, be remembered that there is no such thing as finality in philosophical thinking. As knowledge advances and fresh avenues of thought are opened, other views than those put forth,.... are possible. Our duty is carefully to watch the progress of human thought and to maintain an independent critical attitude towards it."

(Reconstruction: Dr. M. Iqbal)

اور پھر ہر مفکر اپنے عصری شعور جاریہ (Current Conscience

of the Era) کا حصہ ہوتا ہے اور اس کے اثرات سے متاثر بھی:

مجھ کو تہذیب کے برزخ کا بنایا وارث

جرم یہ بھی میرے اجداد کے سر جائے گا

(ماہ تمام)

اس لئے وہ اپنے دور کے فکری ورثے سے الگ نہیں ہو سکتا۔ سو قائد

انقلاب نے ایک جامع اور ہمہ گیر فکری پس منظر کا حامل ہوتے ہوئے  
فلسفہ انقلاب کے دائرہ ہائے استخراج و اطلاق کے محیط کو ثقاہت کے درجے  
تک پھیلا دیا۔

۱۸۔ یعنی وہ تمام احمیائی اور انقلابی تصورات جو آج کے انقلابی فکر میں ملتے ہیں ان  
کا تذکرہ و تعارف ہمیں فکر اقبال میں نظر آتا ہے:

یقین:

یقین پیدا کر اے ناداں یقین سے ہاتھ آتی ہے  
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

مقصدیت:

مدعا راز بقائے زندگی  
جمع سیماب قوائے زندگی  
چوں حیات از مقصدے محرم شود  
ضابطہ اسباب این عالم شود  
علم بالوحی اور علم زائیدہ کا فرق:

جب تک نہ ہو ترے ضمیر پر نزول کتاب  
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف  
اک دانش نورانی اک دانش برہانی  
ہے دانش برہانی حیرت کی فراوانی  
خوب و ناخوب عمل کی ہوگرہ وا کیونکر  
گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرار حیات

امت مسلم کا مقصود:

زانکہ در تکبیر راز بود تست  
حفظ و نشر او مقصود تست  
می ندانی آیہ ام الکتاب  
امت عادل ترا آمد خطاب

مطالع مشہود:

از رسالت در جہاں تکوین ما  
از رسالت دین ما آئین ما

شکست خوردگی

غلامی کیا ہے؟ ذوق حسن و زیبائی سے محرومی  
جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا  
بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر  
کہ دنیا میں فقط مردان حر کی آنکھ ہے بینا

غالب وزندہ فکر کی برکات:

ندرت فکر و عمل کیا شے ہے؟ ذوق انقلاب  
ندرت فکر و عمل کیا شے ہے؟ ملت کا شباب

قانون تضاد و مزاحمت:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز  
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی  
اسی کشاکش پیہم سے زندہ ہیں اقوام

یہی ہے راز تب و تاب ملت عربی

تاریخی قانون نشوونما:

جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک

اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

انسان مرتضیٰ:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے

خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

روحانی الذہن:

فکر کی سان پہ جب چڑھتی ہے تیغ خودی

اک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ

تغیرات:

تمدن تصوف شریعت کلام

بتان عجم کے پجاری تمام

فکر عرب کو دے کر فرنگی تخیلات

اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

فقیہ شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور

کہ معرکے ہیں شریعت کہ جنگ دست بدست

اقبال کی نظم و نثر میں انقلابی افکار جا بجا ملتے ہیں زبور عجم کی یہ نظم اقبال کے

انقلابی افکار کے خدو خال کو سامنے لاتی ہے۔

## انقلاب

خواجہ از خون رگ مزدور سازد لعل ناب  
از جفائے وہ خدایاں کشت دھقانان خراب

انقلاب، انقلاب اے انقلاب

واعظ اندر مسجد و فرزند او در مدرسہ

آل بہ پیری کود کے این پیر در عہد شباب

انقلاب، انقلاب اے انقلاب

شوخ باطل نگر! اندر کمین حق نشست

شیراز کوری شیخونے زندبر آفتاب

انقلاب، انقلاب اے انقلاب

من دروں شیشہ ہائے عصر حاضر دیدہ ام

آنچناں زہرے کہ ازوے مار ہادر پیچ و تاب

انقلاب، انقلاب اے انقلاب

باضعیفاں گاہ نیروے پلنگاہ می دہند

شعلہ شاید بروں آید ز فانوس حباب

انقلاب، انقلاب اے انقلاب

(زبور عجم)

عملاً بھی اعلائے کلمۃ اللہ کیلئے اقبال نے اپنے الحباب اور قابل اعتماد ساتھیوں

سے مل کر ۲۱ اگست ۱۹۳۵ء کو جمعیت شبان المسلمین کی بنیاد رکھی۔ جس کی

امارت کیلئے باقاعدہ طور پر اقبال کا نام پیش کیا گیا۔ اس جماعت کے قیام کا

مقصد ہندوستان میں مسلمانوں کا عروج و اقبال کا حصول تھا۔ تاہم بوجہ یہ  
جماعت اپنے مقاصد کی طرف نہ بڑھ سکی۔

(علامہ اقبال اور مسلمانوں کا سیاسی نصب العین از ڈاکٹر برہان احمد فاروقی)

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں:

۱۹

حقیقت تصوف از ڈاکٹر محمد طاہر القادری

تصوف کا عملی دستور از ڈاکٹر محمد طاہر القادری

کیونکہ زندگی کے جملہ تقاضوں کا احاطہ صرف قرآنی فکر ہی کر سکتا ہے ناکہ

۲۰

فکر انسانی بقول ڈاکٹر ظفر الحسن:-

"Philosophy can not give guidance  
which it was out to find & to give. And this is  
nearly because it can not give a sure world  
view."

(Philosophy a Critique: Dr. S. Z. Hasan)

حقائق حیات کے احاطے کے حوالے سے عقل انسانی کی اسی در ماندگی کا  
اندازہ رسل کے اس بیان سے بھی ہوتا ہے جو اس نے ہیگل کے بارے میں

لکھا:

"Hegel's thought that if enough  
was known about a thing to distinguish it  
from all other things, than all its  
properties would be inferred by logic. This

was a mistake, and from this mistake  
 arose the imposing edifice of his system.  
 This illustrates an important truth, namely,  
 that the worse your logic, the more  
 interesting consequences to which it  
 rise."

(History of Western Philosophy: Bertrand Russell)

یہی وجہ ہے کہ قائد انقلاب نے اپنے فکری نظام کی بنیادی خالصتاً الوہی  
 ہدایت یعنی قرآن و سنت پر رکھی۔

۲۱۔ وان لو استقاموا علی الطريقة لاسقینہم ماءً غدقا (۱۶:۷۲)

۲۲۔ قائد انقلاب سے فلسفہ انقلاب کے حوالے سے ۲۲۔ نومبر ۱۹۹۸ء کو انٹرویو

: طاہر حمید تنولی

23- Francis Fukuyama; Trust, Penguin Books, USA.





# حواشی

## (باب اول)

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

قرآنی فلسفہ عروج و زوال: ڈاکٹر محمد طاہر القادری

دیگر مقامات: ۲: ۱۲۹، ۳: ۱۶۳، ۶۲: ۲

۲۔ حکم کی یہی تعریف اس کی فقہی معنویت واضح کرتی ہے یعنی حکم اسی چیز کے بارے میں دیا جائے گا جس سے منع کرنا مقصود ہو۔

۳۔ امام راغب نے مفردات القرآن میں لفظ حکمت کا لغوی معنی یوں بیان کیا ہے۔ الحکمة اصابة الحق بالعلم والعقل ”علم اور عقل کے ذریعے صحیح اور درست بات کو پہنچنا حکمت ہے۔“

لسان العرب میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے:

”الحکمة عبارة عن معرفة افضل الاشياء بافضل العلوم“

”بہترین علوم کی مدد سے بہترین اور افضل چیزوں کا جاننا حکمت ہے۔“

اسی طرح تفاسیر میں حکمت کے باب میں درج ذیل اقوال ملتے ہیں:

معرفة الاشياء بحقائقها، الفصل بين الحق والباطل، الاصابة

في القول والعمل.

بقول مفکر اسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری:

”حکمت وہ بنیادی علت اور سبب ہے جس پر جملہ احکام کی عمارت

تعمیر ہوتی ہے۔“

(خطاب قرآنی فلسفہ انقلاب)

مزید تفصیل کیلئے درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

۲:۲۳۱، ۲:۲۶۹، ۱۶:۱۲۵، ۳۱:۱۲، ۵۳:۵

قرآنی فلسفہ انقلاب جو قرآن حکیم سے ماخوذ ہے اس کی تجربی توثیق خود سیرت نبوی ﷺ سے میسر آتی ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں:-

سیرت الرسول ﷺ ج ۴ حصہ اول، حصہ پنجم

سیرت الرسول ﷺ ج ۵ حصہ اول

سیرت الرسول ﷺ ج ۷ حصہ دوم

سیرت الرسول ﷺ ج ۸ حصہ اول باب دوم

اسلامی فلسفہ زندگی باب ۶، ۷

(مصنفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

قرآن فکر کی حقانیت اور سائنسیت کو واضح کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ دیگر عصری فکری نظام اپنے بارے میں اسی نوع کے دعاوی رکھتے ہیں۔ مثلاً ماؤزے تنگ کی تحریریں جہاں انقلابی جدوجہد کے رہنما اصول بیان کرتی ہیں وہاں وہ انقلاب چین کے رہنماؤں کا اپنی جدوجہد کی نتیجہ خیزی اور حصول منزل کے یقین کو بھی ہمارے سامنے لاتی ہیں۔

"Specifically, the only way is to strive to win"

more battles and wear down the enemy's forces, develop guerilla warfare to reduce enemy occupied territory to a minimum, consolidate & expand the united front to rally the forces of the whole nation, build up new armies and develop new war industries, promote political, economic & cultural progress, mobilize the workers, peasants, businessmen, intellectuals & other sections of the people, disintegrate the enemy forces & win over their soldiers, carry on international propaganda to secure foreign support & win the support of the Japanese people & other oppressed people. Only by doing all this we can reduce the duration of the war. There is no magic short cut."

(S. Military writings of Mao Tse Tung P.219)

"We do not want any of our commanders in the war to detach himself from the

objective condition & become a blundering hot head, but we decidedly want every commander to become a general who is both bold & sagacious. Our commanders should have not only the boldness to overwhelm the enemy but also the ability to remain masters of the situation throught-out the changes & vicissitude of swimming in the ocean of the entire war. They must not flounder but make sure of reaching the opposite shore with measure strokes. Strategy & tactics, as the laws for directing war, constitute the art of swimming in the ocean of war."

(Ibid. p. 226)

اس تمام تر جدوجہد اور ان تعینات خمسہ کے جملہ مراحل کے دوران  
استقامت و ثابت قدمی اسوہ حسنہ کی پیروی سے حاصل ہوگی۔ جو  
مزاہمت کے جواب میں جہاد بالمال و جہاد بالنفس سے عبارت ہوگی۔  
تینوں طبقات کے اوصاف قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر بیان کیئے  
گئے ہیں تاہم انقلابی جدوجہد کے حوالے سے چیدہ چیدہ مقامات کا

-۸

-۹

حوالہ دیا گیا ہے۔ منافقین کی علامات کیلئے ملاحظہ ہو:  
 ”منافقت اور اس کی علامات“ از ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ  
 اس آیت مبارکہ کو تحریک منہاج القرآن کے پرچم سے بھی معنوی  
 مناسبت حاصل ہے:-

وقاتلواہم: سرخ پیٹی

حتی لا تكون فتنة: سفید پیٹی

ویكون الدين كله لله: سبز پیٹی

دیگر: ۸: ۳۹

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

”نظام مصطفیٰ“ از پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ کا آخری باب

”مطلوبہ نتائج کی راہ میں رکاوٹیں اور ان کا ازالہ“

وجعلت لی الارض مسجداً وطهوراً (صحیح بخاری شریف)

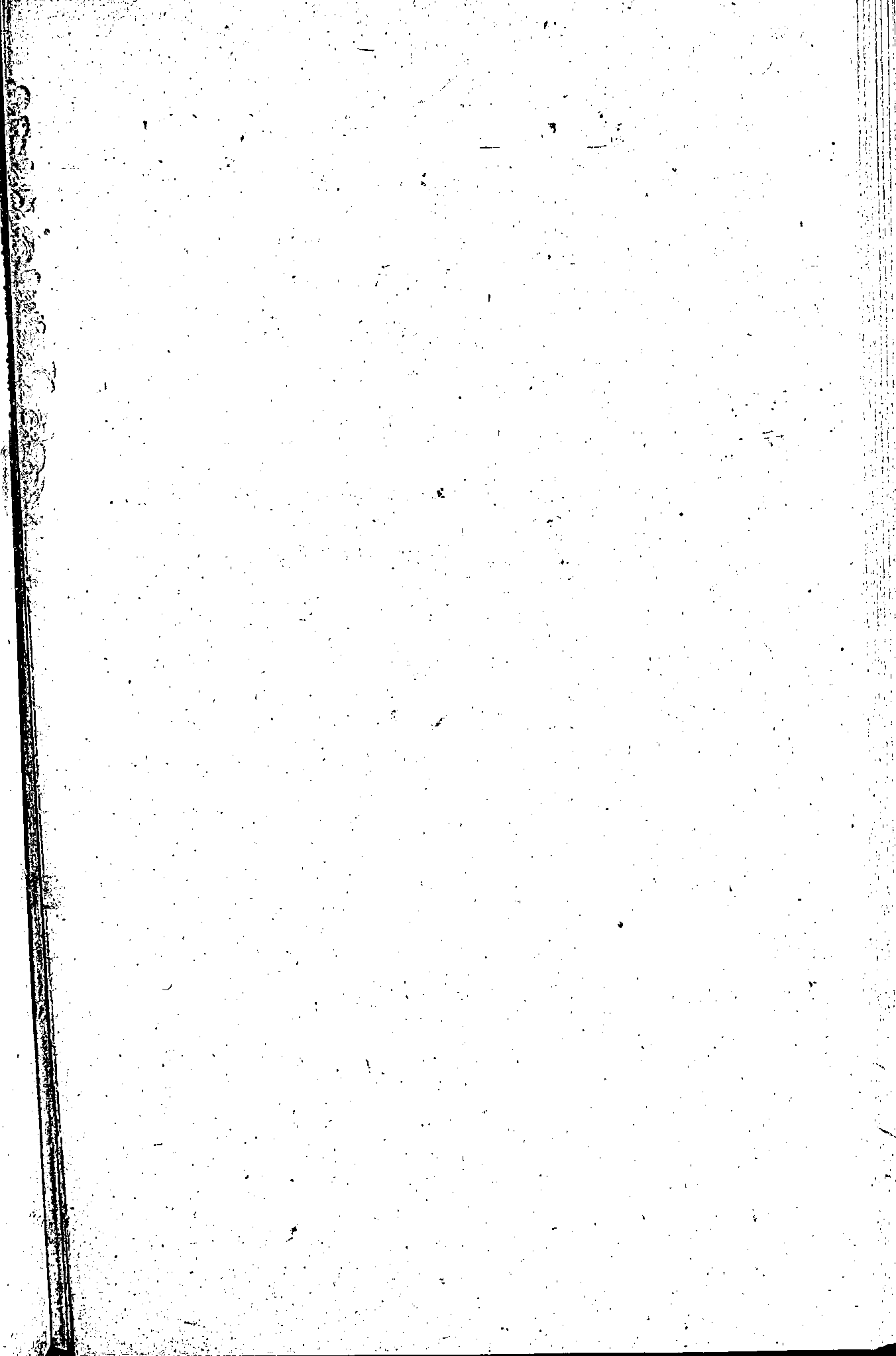




باب دوم

تلك الا يام ندا و لها بين الناس. (١٤٠:٣)  
 بلغ فهل يهلك الا القوم الفسقون. (٣٥:٤٦)

تاریخ زوال امت





تاریخ اسلام میں دینی جدوجہد کے حوالے سے اگر ہم غور کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ دو حصوں پر مشتمل ہے:

۱۔ غلبہ دین حق کی جدوجہد

۲۔ معمول بہ دین کی جدوجہد

غلبہ دین حق کی جدوجہد کا تعلق تجدید دین سے ہے جبکہ معمول بہ دین کا تعلق جو کہ شریعت، طریقت، مسالک وغیرہ پر مشتمل ہے تنفیذ دین سے عبارت ہے۔ غلبہ دین حق سیاسی غلبے سے متعلق ہے۔ جس کے بعد ہی شریعت اسلامیہ کا نفاذ ممکن ہو سکے گا۔ تجدید دین کی اصطلاح جب استعمال کی جاتی ہے چاہے وہ غلبہ دین حق کے میدان سے متعلق ہو یا معمول بہ دین کے اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ جب قدریں مٹ جاتی ہیں تو ان کو زندہ کس طرح کیا جائے جب زوال آجائے تو ملی زوال کو پھر سے کس طرح عروج میں بدلا جائے۔ زوال کو پھر سے عروج میں بدلنے کے لئے ہی انقلابی جدوجہد پائی جاتی ہے جو اساسی طور پر تین ادوار پر مشتمل ہوتی ہے:

۱۔ دور ما قبل انقلاب

۲۔ دور انقلاب

۳۔ دور ما بعد انقلاب

دور نبوت و خلافت راشدہ

اس حوالے سے اگر ہم نبوی ﷺ جدوجہد کو دیکھیں تو عہد رسالت ﷺ دو ادوار پر مشتمل ہے:

مکی دور: دور مار قبل انقلاب یعنی انقلاب کی تیاری کا دور

مدنی دور: دور انقلاب (۱۰ سالہ جدوجہد کا دور)

مکی دور میں اس عظیم انقلاب کی ابتدائی تیاری کی گئی جبکہ مدنی دور انقلاب کے معرکوں کا دور ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ ہجرت فرمائی ریاست مدینہ کی شکل میں کرہ ارض پر پہلی اسلامی ریاست وجود میں آئی اور حضور اکرم ﷺ اس کے سربراہ مقرر ہوئے۔ اسلامی دستور بنا اور مواخات مدینہ کی شکل میں ایک معاشی انقلاب کی بنیاد رکھ دی گئی۔ اس طرح قومی سطح پر انقلاب تو مدنی دور کے پہلے سال میں ہی مکمل ہو گیا۔ یہودی، عیسائی غیر مسلم اقلیت قرار پائے۔ اسلام سرکاری مذہب قرار دے دیا گیا۔ قبائل کے ساتھ معاہدے طے پا گئے۔ یہودی و نصاریٰ اسلامی ریاست کے اندر محکوم ہو گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسلامی قوانین اور احکامات بھی نازل اور نافذ ہونے لگے۔ حلال و حرام کا نظام اسلامی معاشرے کو عطا کر دیا گیا۔ اس طرح مدنی زندگی کے پہلے ایک دو سال میں ہی قومی سطح پر انقلاب کی بنیاد رکھ دی گئی۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی سطح پر انقلاب کا عمل بھی جاری رہا۔ اس لئے مدنی زندگی کے پورے دس سال دور انقلاب سے عبارت ہیں۔ بین الاقوامی سطح پر انقلاب پنا کرنے کی جدوجہد ہی اس امر کا سبب تھی کہ مدینہ کے ارد گرد کے قبائل کو منظم کیا گیا تاکہ اسلام کی قوت کو مجتمع کیا جاسکے۔ اس کے ساتھ ساتھ مکہ کی ریاست کے ساتھ مسلح تصادم شروع ہو گیا۔ مکہ کی غیر مسلم ریاست کے ساتھ غزوات و سرایا کی شکل میں باقاعدہ تصادم کا آغاز ہوا۔ جب دو تین معرکوں کے بعد ان کی قوت کو شکست دے دی گئی اور اپنے آپ کو زیادہ مضبوط اور مستحکم کر لیا گیا تو پھر حضور اکرم ﷺ نے روم اور ایران میں بھی پیغام حق بھیجا۔ یہ بین الاقوامی انقلاب کی تاسیسی کوششیں تھیں۔ سندھ، ہند

افریقہ، بلوچستان کی سرحد تک، مالدیپ، سراندیپ اور وسط ایشیا تک وفود بھیجے گئے۔  
 بین الاقوامی سطح پر انقلابی کاوشوں اور پیغام حق کے عالمی سطح پر عام ہونے کا ہی اثر تھا کہ  
 آپ کے وصال مبارک سے قبل کئی علاقوں میں نبوت کے جھوٹے دعویدار بھی پیدا  
 ہو گئے۔ مسیلمہ کذاب اور دیگر کئی نام تاریخ میں آتے ہیں۔ ان کے قلع قمع کے لئے  
 آپ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ آپ کے انتقال کے بعد بھی  
 سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ۷ سالہ  
 نوجوان ہونے کے باوجود لشکر کا سپہ سالار رکھا۔ جہاد کا یہ سلسلہ جو بین الاقوامی سطح پر  
 غلبہ دین حق کے لئے تھا اس کا آغاز بھی آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں خود فرمادیا گویا  
 ہجرت مدینہ محض ہجرت نہ تھی بلکہ ایک بین الاقوامی انقلاب کا نقطہ آغاز تھی۔

دور نبوت ﷺ کے بعد دور خلافت راشدہ کا آغاز ہوا۔ خلافت راشدہ کا دور  
 بھی دور رسالت مآب ﷺ ہی کا ایک حصہ ہے۔ اسے ہم دور مابعد انقلاب کہہ سکتے  
 ہیں۔ یہ وہ دور ہوتا ہے جس میں انقلاب کے ثمرات و نتائج کو سمیٹنا اور محفوظ کیا جاتا  
 ہے۔ وہ تمام نتائج و خیرات اور ثمرات و برکات جو انقلاب مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدا  
 ہوئے دور خلافت راشدہ ان کو محفوظ کرنے، فروغ دینے اور مزید مضبوط و مستحکم  
 کرنے کا دور ہے۔ اس طرح ہم ۳۰ سالہ دور خلافت راشدہ کو الگ دور نہیں کہیں گے  
 بلکہ دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ایک حصہ کہیں گے فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

”تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت کی  
 اطاعت واجب ہے۔“

اس لئے خلفائے راشدین کے اعمال اور سنت کو عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے اعمال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ذیل میں تصور کیا جاتا ہے اور شریعت میں

خلفائے راشدین کے نظائر اور اجماع کو حجت تصور کیا جاتا ہے۔ عہد رسالت مآب ﷺ میں مصطفوی انقلاب کے حوالے سے تین طرح کے کام جاری رہے:

۱۔ احکام کے نزول و نفاذ کا کام:

نزول وحی کی صورت میں نئے نئے احکام نازل ہو رہے تھے اور ساتھ ساتھ ان کے نفاذ کا کام بھی ہو رہا تھا۔ حضور اکرم ﷺ حکام اور امراء کو نئے احکامات و ہدایات بھی جاری فرما رہے تھے۔

۲۔ انقلاب کے اثرات و نتائج کی استحکام و حفاظت کا کام۔

۳۔ ثمرات انقلاب کے فروغ و توسیع کا کام۔

یہ تین چیزیں حضور اکرم ﷺ کے وصال تک جاری رہیں مگر آپ کے وصال مبارک سے قبل نزول احکام کا کام ختم ہو گیا۔ مگر بقیہ امور اسی طرح جاری رہے جس طرح دور نبوت ﷺ میں تھے اس لئے دور خلافت کو خلافت علی منہاج النبوت کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے خود ارشاد فرمایا کہ میرے بعد خلافت تمیں برس ہے گویا آپ ﷺ نے اپنے بعد کے ۳۰ برسوں کو اپنی نیابت کا دور فرمایا۔ اگر تاریخی زاویہ نگاہ سے دیکھیں تو یہ ۳۰ برس خلفائے راشدین کے اقتدار کی مدت ہے مگر فلسفہ انقلاب کے زاویہ نگاہ سے دیکھیں تو یہ ۳۰ برس دراصل حضور اکرم ﷺ کی نیابت کا زمانہ ہے کیونکہ نیابت قائم مقام ہونے کو کہتے ہیں۔ نائب کا حکم اصل کی طرح ہوتا ہے نائب کی اطاعت اصل کی اطاعت قرار پاتی ہے۔ نائب کا وضع کردہ نظام اصل ہی کا قائم کردہ نظام کہلاتا ہے اور نائب کا دور اصل ہی کا دور قرار پاتا ہے۔ ۱۱ ہجری تک حضور اکرم ﷺ نے اصلاً انقلاب کا نظام بپا کیا اور ۴۰ ہجری تک آپ کا بپا کیا ہوا نظام نیابتاً یہ تکمیل کو پہنچا گویا آپ ﷺ کا وصال مبارک انقلاب کی تکمیل میں مانع نہیں ہوا کیونکہ

وہ قیادت جس نے آگے چل کر نیا بتا اس نظام کی تکمیل کرنا تھی آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی تیار کر دی تھی۔

### اموی و عباسی دور

خلافت راشدہ کے دور کے خاتمے کے بعد بنو امیہ کا دور شروع ہوا۔ یہاں یہ نکتہ مستحضر رہنا چاہئے کہ خلافت راشدہ کے بعد کا تمام زمانہ اتباع کا زمانہ ہے یعنی تاریخ اسلام کا پہلا ۴۰ سالہ دور معیاری اور مثالی دور ہے۔ اس کے بعد کا زمانہ اتباع کا زمانہ ہے چنانچہ بنو امیہ کا دور ۱۳۲ ہجری تک قائم رہا۔ اس کم و بیش ۹۲ سالہ دور میں توسیع کے کام بھی ہوئے فتوحات جاری رہیں سلطنت اسلامیہ کو بھی وسعت ملی تہذیب و ثقافت کو بھی فروغ ملا۔ اسلامی تمدن فروغ پذیر ہوا، اسلام کی سیاسی قوت مزید مستحکم ہوئی بین الاقوامی سطح پر فتوحات ہوئیں کلچر ترقی پذیر ہوا اور علوم و فنون کو مزید ترقی ملی۔

۱۳۲ ہجری سے بنو عباس کا دور شروع ہو گیا۔ یہ سارا زمانہ اتباع کا زمانہ ہے۔ مجموعی طور پر تاریخ اسلام میں چھ ادوار آئے، سپین کا دور آیا۔ مختلف حکومتیں مختلف علاقوں میں آئیں جیسے برصغیر میں مسلمانوں کی سلطنت قائم ہوئی اور اسے فروغ ملا۔ یہاں نیم سرکاری سطح پر شریعت بھی نافذ ہوئی اگرچہ برصغیر کے حکمران آزاد تھے مگر اسلامی سلطنت اور خلافت اسلامیہ کی مرکزیت اور بین الاقوامیت کا یہ عالم تھا کہ برصغیر پاک و ہند کے دور میں مغلیہ سلاطین وغیرہ سے جو حکمران بھی تخت پر بیٹھا وہ اپنی سند حکومت خلافت بغداد سے لیتا تھا۔ بنو عباس سے خلافت کی سند لیتا تھا۔ بنو عباس کا دور ۱۳۳ ہجری سے ۶۵۶ ہجری (۱۲۵۸ء) تک جاری رہا۔ اس سارے دور میں نیک پارسا اور اچھے حکمران بھی آئے۔ کمزور اور دنیا دار حکمران بھی آئے تا آنکہ ۱۲۵۸ء میں تاتاری فتنہ پھا ہوا۔ اس سارے دور میں اسلامی سلطنت کرہ ارض کے ایک

وسیع و عریض حصے پر مشتمل تھی۔ برصغیر کے بہت سے سرحدی خطے، وادی سندھ، بلوچستان، ساراو سٹی ایشیا، جنوبی افریقہ، ترکستان، ماوراء النہر سے آگے چین کے علاقے، عرب علاقے، ایران، شام، روم، بیت المقدس یہ سب اسلامی سلطنت میں شامل تھے۔ یہ سب کچھ تب ہوا جب اسلام کا سیاسی غلبہ بحال تھا۔ پوری دنیا میں کفر، طاغوت، باطل حکومتوں اور طاقتوں کے مقابلے میں بین الاقوامی انقلابی طاقت اسلام کی تھی۔ اس کا یہ بین الاقوامی غلبہ بغیر انقطاع کے مسلسل ۱۲۵۸ء تک بحال رہا اس کے نتیجے میں معمول بہ دین کے تمام گوشے یعنی شرعی علوم و فنون کے گوشے، طریقت و تصوف کے گوشے، فقہی مکاتب فکر و مسالک کے گوشے، اعتقادات و نظریات کے گوشے یہ سب اپنی اپنی جگہ مضبوط اور منظم تھے۔ ان کے کام بھی اپنے اپنے طور پر جاری تھے جب تاتاری فتنہ پیا ہوا تو تاتاری فوجوں نے ۱۲۵۸ء میں بغداد کو تخت و تاراج کیا۔ یہ خلیفہ مستعصم باللہ کا زمانہ تھا۔ اس کا بیٹا ابو بکر سنی تھا جبکہ وزیر اعظم ابن علقمی شیعہ تھا۔ شیعہ سنی فسادات زوروں پر تھے۔ ابو بکر سنیوں کی جبکہ ابن علقمی شیعوں کی سرپرستی کرتے تھے۔ گلی گلی شیعہ، سنی، حنفی، حنبلی، شافعی مکاتب فکر میں مناظرہ بازی جاری تھی جس نے اسلام کی سیاسی قوت و شوکت کو کمزور کر دیا۔ اس کی قوت منتشر ہو گئی اس طرح اسلام کا سیاسی رعب و دبدبہ اور ہیبت کمزور پڑ گئی جس نے فتنہ تاتار کو موافق ماحول مہیا کیا۔ فتنہ تاتار کے نتیجے میں تقریباً ۲۲ سے ۲۳ لاکھ مسلمانوں کا قتل عام ہوا، خلافت بغداد کی اینٹ سے اینٹ بچا دی گئی۔ مساجد و مقابر مسمار کر دیئے گئے۔ لائبریریاں جلادی گئی، بے شمار قلمی نسخے اور کتابیں دریا میں پھینک دی گئیں۔ اس طرح خلافت بغداد کمزور ہوتے ہوتے صرف بغداد تک ہی محدود رہ گئی اور الگ الگ اسلامی ریاستیں اور حکومتیں وجود میں آ گئیں۔

مذکورہ تباہ کاریوں کے صرف ۵۰ سال بعد چنگیز خان اور ہلاکو خان کے خاندان کے کچھ لوگ سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض یافتہ مرید کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور ان کی کایا ایسی پٹی کہ از سر نو اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے بنیادی کردار ادا کیا۔ اور ۱۳۰۱ء سے ۱۳۰۶ء تک کے زمانے میں عثمان خان اور طغرل خان نامی دو آدمیوں نے قبائلی سطح پر اسلامی حکومت قائم کی اور اس حکومت کو فروغ حاصل ہوا۔ بعد ازاں یہ فروغ پاتے ہوئے خلافت عثمانیہ کی صورت اختیار کر گئی۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے  
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

خلافت عثمانیہ کے سلیمان اعظم اور دوسرے بڑے بڑے حکمرانوں کے دور میں جنگ عظیم اول تک دو براعظم اور تین سمندر اسلامی سلطنت کے زیر نگیں تھے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ جب برطانیہ، برطانیہ عظمیٰ کہلاتا تھا تو اس وقت اس کی نو آبادیات میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ برطانیہ کی جغرافیائی وسعتوں کا وہ دور اور اس کی آج کی وسعتیں اس دور کی اسلامی سلطنت کی وسعتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اسلام کی عظیم الشان سلطنت صدیوں تک قائم رہی۔ سوائے ۱۲۵۸ء سے ۱۳۰۲ء تک اس ۵۰ سال کی مدت میں اسلام کی سیاسی قوت فتنہ تاتار کی وجہ سے بحال نہ رہی پھر ۱۳۰۳ء سے خلافت عثمانیہ کے ذریعے بحال ہونے والا دین حق کا سیاسی غلبہ ۱۹۱۴ء (۶۰۰ سال) تک قائم رہا۔ جس طرح سقوط بغداد سے کچھ عرصے پہلے سیاسی زوال کا دور شروع ہو گیا تو اسی طرح سلطنت عثمانیہ میں سیاسی زوال آیا۔ انتشار پیدا ہوا ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم اول

کے دوران اتحادیوں نے اسلام کی سیاسی قوت کا شیرازہ منتشر کر دیا اور خلافت عثمانیہ کو ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دیا۔

## جنگ عظیم اول کے بعد

جنگ عظیم اول کے بعد اسلام کی سیاسی قوت مختلف ریاستوں میں تقسیم ہو گئی، بلقان سٹیٹ، مراکو سٹیٹ اور مشرق وسطیٰ کی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں وجود میں آئیں۔ اس کے علاوہ نسلی اور طبقاتی بنیاد پر مختلف ریاستیں بنیں۔ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیروکاروں نے ملک گیر تحریک چلائی۔ ابن سعود نے ترکوں کے خلاف (جو کہ خادم الحرمین الشریفین کہلاتے تھے) بغاوت کی اور سعودی عرب کے نام سے ایک سلطنت وجود میں آگئی۔ حرمین شریفین پر باغیوں نے قبضہ کر لیا اور ترکوں نے حرمین شریفین کا تقدس کو پامالی سے بچانے کے لئے تلوار نہ اٹھا کر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت کو زندہ کر دیا تھا۔ جب بلوایوں نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مقابلہ کی اجازت طلب کی مگر تو آپ نے فرمایا کہ میں حضور اکرم ﷺ کے حرم پاک کو خون خرابے کا مرکز نہیں بنانا چاہتا۔

اس دور میں برصغیر میں برطانوی استعماری طاقتیں حکمران تھیں۔ یہاں کے مسلمانوں کو ترکوں کے خلاف لڑایا گیا۔ جنگ عظیم اول ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء تک لڑی گئی اس میں عثمانی ترکوں کا شیرازہ منتشر ہوا، انہیں شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ بعد میں ترکی سیکولر سٹیٹ بن گیا۔ برصغیر میں علی برادران ۱۹۱۸ء سے بحالی خلافت کی تحریک چلا رہے تھے کہ ۱۹۲۴ء میں کمال اتاترک نے ترکی کا اقتدار کو سنبھالا تو خلافت کو نام کی حد تک قائم رکھنا بھی گوارا نہ کیا اور اس کے خاتمے کا اعلان کر دیا، اقبال نے اس طرف



اشارہ کرتے ہوئے کہا:

چاک کر دی ترک نادان نے خلافت کی قبا  
سادگی مسلم کی دیکھ اور اس کی عیاری بھی دیکھ  
دیکھ مسجد میں شکست رشتہ تسبیح شیخ  
اور بت کدہ میں برہمن کی زناری بھی دیکھ!

جنگ - عظیم اول کے بعد ترکی سیکولر سٹیٹ بن چکا تھا ادھر برصغیر پاک و ہند  
میں دو صدیاں پہلے ہی برطانوی سامراج اپنا تسلط جما چکا تھا جس کے خلاف جنگیں لڑی  
جا رہی تھیں۔ برطانوی سامراج نے آہستہ آہستہ اپنے پنجے گاڑ دیئے اور عرب  
ریاستوں میں عراق، مصر وغیرہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ الغرض مسلم ریاستیں آہستہ آہستہ  
برطانوی سامراج کے ماتحت آگئیں۔ درد دل رکھنے والے مجاہدوں نے کاوشیں کر کے  
آزادیاں حاصل کیں جن میں لیبیا، عراق اور انڈونیشیا وغیرہ کی ریاستیں شامل ہیں۔

### برطانوی سامراج کا ایک بھیانگ منصوبہ

اسلام کو اپنے پنجے استبداد میں جکڑا ہوا دیکھ کر برطانوی سامراج نے سابقہ دو  
صدیوں میں صلیبی جنگوں کا بدلہ لیا۔ اسلام کے سیاسی غلبہ اور قوت کا شیرازہ منتشر  
کرنے کے بعد طاغوت نے یہ سمجھا کہ یہ کامیابی محاذ جنگ کی کامیابی ہے یہ محض سیاسی  
محاذ کی جیت ہے لیکن محض فوجوں کو شکست دے کر محاذ جنگ جیت لینا اور کسی قوم کو  
سیاسی شکست دے دینا حتمی شکست نہیں ہوتی۔ جس طرح جنگ عظیم اول میں جرمنی  
نے ایسی شکست کھائی تھی کہ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ تھوڑے ہی عرصے میں  
یہ قوم دوبارہ اٹھ سکے گی لیکن جرمنی نے اس شکست کا اتنا تاریخی بدلہ لیا کہ ہٹلر کے  
مرنے کے بعد بھی عرصہ دراز تک مغربی طاقتیں اس کے تصور سے کانپتی تھیں کہ وہ

زندہ نہ ہو اور پھر سے نہ پلٹ آئے۔

یہ ساری تاریخ برطانوی سامراج کے سامنے تھی کہ جن قوموں کو محاذ جنگ پر سیاسی اور فوجی شکست دے دی جائے وہ قومیں دوبارہ اٹھ کھڑی ہوتی ہیں اور انتقام لیتی ہیں پھر مسلمانوں کی تو ۱۳۰۰ سالہ تاریخ ان کے سامنے تھی۔ صلیبی جنگوں کے زمانے میں عیسائیوں کے فتح یاب ہو جانے کے باوجود مسلمانوں نے دوبارہ جنگ جیت لی تھی۔ سقوط بغداد کا اہم تاریخی واقعہ ان کے سامنے تھا جس میں ہلا کو خان کی تمام تر تباہیوں کے باوجود مسلم قوم ۵۰ سال بعد دوبارہ اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر پہلے کی سی قوت بن کر دنیا پر چھا گئی۔ اس طرح بہت سے واقعات اسلامی تاریخ اور غیر اسلامی تاریخ کے ان کے سامنے تھے۔ اس لئے مغربی طاقتوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس قوم کو شکست خوردہ کیا جائے تاکہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے اور کبھی اٹھ نہ سکے۔ شکست خوردگی اور

بے یقینی کی کیفیت کی اسی بد اثری کو اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کیا: ۵

یقین مثل خلیل آتش نشینی  
یقین اللہ مستی خود گزینی  
سن اے تہذیب حاضر کے گرفتار  
غلامی سے بدتر ہے بے یقینی

(بال جبریل)

شکست اور شکست خوردگی میں فرق یہ ہے کہ اگر کوئی پہلوان شکست کھا جائے اور گر پڑے مگر اس کا ذہن قبول نہ کرے تو یہ فقط شکست ہے اس صورت میں وہ انتقام کے لئے تیار رہتا ہے اور وہ اپنی قوت کو مجتمع کرتا ہے تاکہ اپنی شکست کا انتقام لے سکے اور پھر سے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر سکے لیکن اگر ذہن شکست قبول کر لے تو یہی

شکست خوردگی میں بدل جائے گی۔ برطانوی سامراج کو معلوم تھا کہ اگر ذہن شکست قبول نہ کرے اور معاملہ شکست تک ہی رہے اور شکست خوردگی پیدا نہ ہو تو متفرق طاقت کو پھر سے جمع کر لیا جاتا ہے، قوم اٹھ کرتی ہوتی ہے اور انتقام لے لیتی ہے مگر جس قوم اور پہلو ان کو ذہنی طور پر شکست دے دی جائے اور اس کا ذہن شکست کو تسلیم کر لے اور سمجھ لے کہ میں اب اٹھ نہیں سکتا اسے دبانا اور اس پر کامیابی حاصل کرنا کوئی مشکل امر نہیں سوا انہوں نے سوچا کہ جب تک اس قوم کو شکست کے بعد شکست خوردگی تک نہیں پہنچائیں گے اس کا ذہن شکست خوردہ نہیں ہو گا جب تک فکر شکست خوردہ نہیں ہو گی قوم شکست خوردہ نہیں ہو گی۔ اس کی امنگیں اس کے خیالات اس کی سوچ اور اس کی آئندہ آنے والی نسلیں جب تک ذہنی طور پر اور فکری طور پر شکست خوردہ نہیں ہو گی اور اپنے مستقبل سے کلیتاً مایوس نہیں ہو جائیں گی اور پھر سے جی اٹھنے کا اعتماد ختم نہیں ہو جائے گا اس وقت تک ہم اپنے مقصد میں قطعاً کامیاب نہیں ہو سکیں گے اور ان کی شکست کو دائمی شکست کا نام نہیں دیا جاسکے گا۔

اگر معاملہ محض شکست تک رہا اور نوبت شکست خوردگی تک نہ پہنچی تو یہ قوم زخمی شیر کا کردار ادا کرتی ہوئی کسی بھی وقت اپنی قوت کو مجتمع کر کے ہارا ہوا میدان جیت سکتی ہے لہذا طاغوتی طاقتوں نے اس انقلابی قوم کو دائمی شکست سے دوچار کرنے اور اس کی سیاسی شکست کو ذہنی اور فکری شکست خوردگی میں بدلنے کا فیصلہ کیا۔ ذہنی سطح پر مایوسی طاری کرنے کے لئے مستقبل کی نسبت اعتماد کو مضمحل کرنا اور بے یقینی پیدا کرنا ضروری تھا۔ اس مقصد کے لئے علمی، فکری، تعلیمی، مذہبی، سماجی، معاشرتی، معاشی، تہذیبی، ثقافتی الغرض ہر ہر شعبہ زندگی پر حملے کئے گئے۔ ان حملوں کو تغیرات کا نام دیا جاسکتا ہے۔ ان تغیرات نے مسلمانوں کی سیاسی شکست کو ذہنی اور فکری شکست خوردگی

میں بدلنے میں مرکزی کردار ادا کیا۔

خلافت اسلامیہ کے بارے میں ایک اہم اشکال اور اس کا جواب

حضور اکرم ﷺ کا عطا کردہ وہ نظام جس کے نتیجے میں خلافت راشدہ کی صورت میں اسلام کا اقتدار قائم ہوا، خلافت راشدہ کے دور کے بعد آج تک بحال نہ ہو سکا تو (معاذ اللہ) اسے اس نظام کی ناکامی تصور کیا جائے یا یہ کہا جائے کہ یہ نظام صرف اسی دور کے لئے موثر تھا اور اس کے بعد یہ انقلاب نتیجہ خیز نہ رہا؟ حالانکہ اس مقصد کے لئے اس وقت سے اب تک بہت سی تحریکیں اٹھیں، کئی انقلابات رونما ہوئے، علماء و مشائخ نے بہت جدوجہد کی لیکن کیا وجہ ہے کہ ان تمام مساعی کے باوجود خلافت راشدہ جیسا دور لوٹ کر نہ آسکا؟ اس اشکال کے جواب سے پہلے دو بنیادی چیزیں جاننا ضروری ہیں کہ جب بھی غلبہ دین حق اور اقامت دین کی جدوجہد کی جاتی ہے تو وہ اس تناظر میں ہوگی:

غلبہ دین حق:

اس سے مراد ایسی ہمہ گیر احمیائی جدوجہد ہے جسکے نتیجے میں معاشرے میں پامال شدہ اقدار دین پھر سے بحال ہو جائیں اور زندگی کے موثرات بایں طور منقلب ہوں کہ اقامت دین کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے۔

اقامت دین:

اس سے مراد اعتقادات و مسالک کا وجود، طریقت اور روحانیت کے سلاسل کا قیام اور فقہی احکام کا نفاذ ہے جن میں عبادات، مناکحات، معاملات، عقوبات و تعزیرات، معاشیات، سیاسیات، احکام و سیر اور بین الاقوامی تعلقات وغیرہ شامل ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جو انقلاب پافرمایا تھا خلافت راشدہ کا

دور اسی انقلاب کا ایک حصہ ہے یعنی یہ دور مابعد انقلاب ہے۔

## دور خلافت راشدہ بحیثیت تاریخ اسلام کا مثالی دور

خلافت راشدہ کا دور مصطفوی انقلاب کا دور مابعد انقلاب ہے اس لئے خلافت راشدہ کا دور بھی مثالی دور (Ideal Period) اور معیاری دور (Standard Period) کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی تاریخ میں مدنی دور انقلاب اور خلافت راشدہ کا دور مل کر ہمارے لئے ایک نمونہ کمال (Model of Perfection) ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

الخِلافة في امتي ثلاثون سنة      میری امت میں خلافت (علی منہاج  
(ترمذی)      النبوة) تیس سال ہوگی۔

اس حدیث کے مفہوم میں دو زاویہ ہائے نگاہ ہیں:

(الف) معترض کا زاویہ نگاہ یہ ہے کہ خلافت ۳۰ برس تک رہی اس کے بعد ملوکیت آگئی اور نظام خلافت قائم نہ رہ سکا اس کی تائید میں یہ روایت پیش کی جاتی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خِلافة النبوة ثلاثون سنة ثم      ”نبوت کی خلافت ۳۰ برس تک رہے  
يوتى الله الملك من يشاء      گی پھر اللہ جسے چاہے گا اپنا ملک دے  
(ابوداؤد)      گا۔“

(ب) ہمارے نزدیک اس فرمان نبوی ﷺ کا مفہوم وہ نہیں ہے جو کہ معترض نے مراد لیا ہے بلکہ یہ ہے کہ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا الخِلافة في امتي ثلاثون سنة یعنی میرے بعد میرے دور نبوت کے پچھلے ۳۰ برس بھی میرے دور کے ساتھ منسلک ہوں گے اور یہ خلافت علی منہاج النبوة ہوگی، درحقیقت حضور

اکرم ﷺ خلافت راشدہ کے ان ۳۰ برسوں کی فضیلت بیان فرما رہے ہیں کہ وہ دور بھی میری شان مظہریت لئے ہوئے ہے اور میری ہی نیابت میں ہے اور یہ کہ دور خلافت راشدہ کے دور کو میرے دور سے الگ نہ سمجھا جائے بلکہ ان کا دور بھی میرا ہی دور ہے سو! جو کچھ اس دور میں ہو گا وہ میرے دور کا ہے تو ہے اس لئے آپ نے ارشاد فرمایا:

علیکم بسنتی و سنتی الخلفاء  
راشدین المہدین  
”تم پر میری اور میرے ہدایت یافتہ  
خلفاء کی پیروی لازمی ہے۔“  
(ابوداؤد)

یعنی اگر تم اس دور کی پیروی کر رہے ہو تو یہ میرے ہی دور کی پیروی ہوگی۔ ہمارے نقطہ نظر سے مفہوم بالکل بدل گیا۔ اس مفہوم کا تعین خود تاجدار کائنات ﷺ نے فرمایا۔ خلافة النبوة ثلاثون سنة گویا حضور ﷺ اس دور کا مثالی دور (Ideal Period) ہونا بیان فرما رہے ہیں۔ اس تمہیدی مقدمے کے بعد ہم اصل جواب کی طرف آتے ہیں۔

آئیڈیل ایک ہی ہوتا ہے

یہ ایک مسلمہ اور طے شدہ بات ہے کہ آئیڈیل ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے اس میں تعدد ممکن نہیں کیونکہ اگر تعدد ہو گا تو آئیڈیل نہ رہے گا۔ اب اگر خلافت راشدہ کے دور کے بعد بھی علماء، صلحاء، مجتہدین اور بزرگان دین کی جدوجہد سے اس طرح کا دور وجود میں آجاتا ہے تو وہ دور بھی مثالی دور کہلائے گا جبکہ آئیڈیل اور معیار ایک ہی ہوتا ہے کیونکہ اگر کوئی انسان کسی کو آئیڈیل یا نمونہ کمال کے طور پر چن لے تو پھر اس جیسا کوئی اور ممکن نہیں ہو سکتا لہذا اب جتنی بھی کوششیں کر لی جائیں خلافت راشدہ

جیسا دور پلٹ کر نہیں آسکتا ہاں نظام میں صالحیت و خالصیت کے اعتبار سے اس دور کے قریب ہوا جاسکتا ہے۔

یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ پیروکار (Follower) 'قائد (Leader) نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی کو علمی اعتبار سے، عملی اعتبار سے یا فکری و روحانی فراست کے اعتبار سے قائد مان لیا جائے تو وہ ایک مثالی نمونہ اور معیار کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ اب اگر پیروکار قائد کے برابر ہو جائے تو وہ پیروکار نہ رہا بلکہ خود آئیڈیل بن گیا لہذا جب تک ایک ذات آئیڈیل اور نمونہ کمال ہے اس وقت تک وہ جن کے لئے آئیڈیل ہے ان میں منفرد اور نمایاں ہوگی اور فضل و کمال میں سب پر فائق ہوگی۔

خلافت راشدہ کا دور صحابہ کے ذاتی کمال کا نہیں بلکہ یہ بھی فی الحقیقت کمال نبوت ہی کا دور تھا چونکہ کمال نبوت کا بدل ممکن نہیں اس لئے خلافت راشدہ کی مثال بھی ممکن نہیں ہے اب یہ خیال کرنا کہ کسی انقلاب کے نتیجے میں خلافت راشدہ جیسا دور واپس آجائے یہ مثل رسالت تلاش کرنے کے مترادف ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا قرآن پاک میں ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ  
أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

(مومنو!) بے شک تمہارے لیے  
رسول اللہ کی (زندگی) میں بہترین

نمونہ ہے (۲۱:۳۳)

یعنی تم ان کی پیروی کرو، حضور اکرم ﷺ کے اسوہ میں اپنے آپ کو فنا کر لو کہ اس رنگ میں رنگے جاؤ اور تمہارا کردار اس اسوہ کامل کا پر تو بن جائے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ جو لوگ اس مثالی نمونہ (Ideal) کی پیروی کر کے اپنا کردار سنوار رہے ہیں ان کا اسوہ، اسوہ حسنہ کی طرح مثالی نہیں ہو سکتا۔

جب یہ طے پا گیا کہ

- ۱۔ حضور اکرم ﷺ کی ذات کی مثل کوئی ذات نہیں ہو سکتی۔
- ۲۔ حضور اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کی طرح مثالی کوئی اسوہ نہیں ہو سکتا تو پھر یہ نتیجہ نکلے گا کہ بعد میں آنے والا کوئی بھی انقلاب اپنے نتائج و ثمرات کے اعتبار سے بھی مصطفوی انقلاب کی طرح مثالی نہیں ہو سکتا چنانچہ اس انقلاب کے نتیجے میں پیدا ہونے والا دور بھی دور مصطفوی ﷺ کی طرح مثالی قرار دینا اس طرح ہے جیسے کسی اسوہ کو اسوہ حسنہ کی طرح مثالی قرار دیا جائے۔

اس لئے اگر کوئی ذات اس مثالی اسوہ کی حامل ہوگی تبھی وہ ایسا معیاری انقلاب بھی بنا کر سکے گی۔ الغرض اسلامی تاریخ میں متعدد انقلاب آئے اور آتے رہیں گے اور ان کے نتائج و ثمرات بھی برآمد ہوں گے لیکن کسی بھی انقلاب کے نتیجے میں بالکل وہی دور پلٹ کر نہیں آئے گا کیونکہ وہ دور قیامت تک امت مسلمہ کے لئے مثالی نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے اور آئیڈیل ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے۔

اس مقام پر ایک سوال ابھر سکتا ہے کہ آئندہ امت مسلمہ کی انقلابی جدوجہد کا مقصود کیا ہوگا؟ یاد رہے کہ انقلابی تگ و دو کے دو ہی مقاصد ہو سکتے ہیں:

- ۱۔ خلافت راشدہ جیسا دور واپس لایا جائے۔
  - ۲۔ اپنے دور کو اس مثالی دور کے قریب تر کیا جائے۔
- جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ خلافت راشدہ کا دور حضور اکرم ﷺ کے انقلاب کا مظہر اتم ہے کیونکہ یہ دور مکمل طور پر اسلامی احکام کی تنفیذ و اجراء، اسلامی انقلاب کی توسیع اور اس انقلاب کے دیگر ثمرات کے ظہور کا دور ہے اس لئے عہد رسالت ﷺ اور دور خلافت راشدہ کو ایک ہی دور شمار کیا جائے گا۔



لہذا اب امت مسلمہ کی انقلابی تگ و دو کا مقصود اس دور کو واپس لانا نہ ہوگا بلکہ اپنے دور کو اس دور کے قریب تر کرنا ہوگا جس انقلاب کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تبدیلی میں دور خلافت راشدہ کی جھلک نظر آتی ہوگی وہ کامیاب انقلاب متصور ہوگا لیکن اگر خلافت راشدہ کی جھلک نظر نہیں آتی تو ایسے انقلاب کو کامیاب انقلاب قرار نہیں دیا جاسکتا۔

اسلام کی ۱۲۰۰ سالہ تاریخ گواہ ہے کہ اقامت دین کے حوالے سے دین کا سیاسی غلبہ ۱۲۰۰ سال تک قائم رہا۔ قبل ازیں اس امر کو تفصیل سے زیر بحث لایا جا چکا ہے۔ اسلام کی سیاسی تاریخ کا مختصر خاکہ بیان کرنے کے بعد اس امر کو تحقیق کے ذریعے پایا ثبوت تک پہنچایا گیا ہے کہ جنگ عظیم اول تک جس خلافت عثمانیہ کے حصے بخرے کر دیئے گئے اجتماعی طور پر قوت نافذہ اور بین الاقوامی سیاسی موثریت و غلبہ اسلام کے ہاتھ میں رہا۔ تمام متمدن دنیا بالواسطہ یا بلاواسطہ خلافت اسلامیہ کے زیر نگیں تھی۔ مسلمان خلفاء کا خطبہ پڑھا جاتا تھا اور دربار خلافت سے جاری ہونے والی سند کو ہر حکومت اعزاز سمجھتی تھی۔ دربار خلافت سے حاصل شدہ علم ہی ہر حکومت کا سرکاری نشان ہوتا تھا۔ ۱۲۰۰ سال میں سے ۱۱۵۲ء سے ۱۳۰۴ء تک کا زمانہ تاتاریوں کے حملے کی وجہ سے اسلام کے سیاسی انحطاط کا زمانہ ہے اس کے علاوہ اجتماعی حیثیت سے مصطفوی انقلاب کا بنیادی مقصد یعنی سیاسی طور پر غلبہ دین حق صدیوں تک موجود رہا۔ جب خلافت راشدہ کے دور کی انقلابی جدوجہد کے نتیجے میں حاصل کیا جانے والا بنیادی مقصد ۱۹۱۴ء تک قائم رہا تو کس بنیاد پر خلافت راشدہ کے بعد مصطفوی انقلاب کو غیر نتیجہ خیز، غیر موثر اور ناکام قرار دیا جاسکتا ہے؟

دنیا میں اسلامی اقتدار اور غلبے کا تسلسل صدیوں تک قائم رہا۔ اس دور میں

اسلامی تہذیب و ثقافت جو ان ہوئی اور نظریاتی و مذہبی بنیادوں پر قائم ہونے والی تہذیبوں میں طویل ترین تہذیب ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ یوں تو مصر، بابل اور نینوا وغیرہ کی تہذیبیں بڑی پرانی ہیں لیکن ہم کسی تہذیب و ثقافت کی قدامت پر بحث نہیں کر رہے بلکہ کسی نظریے، دین، فکر اور مذہب پر قائم ہونے والی ایسی تہذیب پر گفتگو کر رہے ہیں جو اقتدار، افراد اور حکومتیں بدلنے کے باوجود صدیوں تک اپنی اصل پر قائم رہی۔ یہ امر واقع ہے کہ نظریہ و فکر کی بنیاد پر قائم ہونے والی تہذیبوں سے کسی تہذیب کو اتنی لمبی عمر نصیب نہیں ہوئی اور نہ ہی ہو سکتی ہے جتنی طویل عمر اسلامی تہذیب و ثقافت کو نصیب ہوئی۔

### اسلام کی سیاسی تاریخ میں نشیب و فراز کی حقیقت

اسلام کی بارہ صدیوں پر محیط سیاسی غلبہ کی تاریخ میں کئی اتار چڑھاؤ (Ups & Downs) آئے ان کی حقیقت کی تفصیل یوں ہے کہ ۱۲۰۰ سال کی اسلام کی مجموعی تاریخ میں اسلام کی سیاسی قوت مجتمع بھی ہوئی اور اس میں قدرے انتشار بھی آیا، وسیع بھی ہوئی اور سکڑی بھی، طاقتور بھی ہوئی اور کمزور بھی۔ اسلام کی اس عظمت نے ایک طرف وسطی ایشیا، جنوبی افریقہ اور تمام مشرقی یورپ کے صدیوں پرانے متمدن معاشرے پر اپنا سکہ جمایا تو دوسری طرف ماوراء النہر سے آگے چین، ترکستان، ہندوستان، روم، مصر، بابل، عراق اور نینوا جیسی پرانی تہذیبوں پر حکمرانی بھی کی۔ ایک طرف اگر مسلمانوں کے دور حکومتیں صلیبی جنگوں کی وجہ سے شام و فلسطین مسلمانوں کے قبضے میں نہ رہے اور مسلمان حکمرانوں نے اپنے علاقے بچانے کے لئے عیسائیوں سے صلح کر لی تو دوسری طرف انہوں نے صلیبی جنگوں میں عیسائیوں پر کاری ضرب لگا کر اخلاف کے لئے راستہ ہموار کیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۱۲۷۰

رجب ۵۸۳ ہجری میں معراج النبی ﷺ کی رات یہودیوں اور عیسائیوں کے تسلط سے بیت المقدس آزاد کرالیا اور خدا کا یہ گھر اس کے حقیقی پاسبانوں کے حوالے کر دیا گیا مختلف حوالوں سے بیان کا مقصود یہ ہے کہ اسلام کی تاریخ میں اتار چڑھاؤ آتے رہے کبھی اقدار صالح دہ گئیں اور اقدار سیدہ نے غلبہ حاصل کر لیا اور کبھی افعال سوء مغلوب ہو گئے اور نظام حیات کا عنصر صالحیت روشن ہو گیا مگر اجتماعی غلبہ اور سیاسی قوت میں انقطاع نہیں آیا۔

### ایک مثال سے تصور مذکورہ کی وضاحت

اس تصور کو ایک مثال سے یوں واضح کیا جاسکتا ہے جیسے ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا چشمہ کسی پہاڑ کی کوکھ سے پھوٹ کر لاکھوں زندہ اشیاء کی زیست کا سامان فراہم کرتا ہے اور پہاڑی ندی کی شکل میں گاؤں کے گاؤں سیراب کرتا ہوا زیر زمین چلا جاتا ہے۔ زیر زمین پانی پھیل جاتا ہے لیکن انتشار کی حالت میں کچھ سفر طے کرنے کے بعد پھر مجتمع ہوتا ہے۔ کسی جگہ زمین کا سینہ نرم دیکھ کر مجتمع قوت کا مظاہرہ کرتا ہے اور پھر چشمے کی شکل میں ابل پڑتا ہے پھر دور تک سامان حیات کرتا ہوا ”ادھر ڈوبے ادھر نکلے ادھر ڈوبے ادھر نکلے“ کا عمل جاری رکھتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کبھی ظہور ہوتا ہے اور کبھی بطون مگر تسلسل میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اسی طرح غالب سیاسی قوت و اقتدار کے اثرات کا انحصار مختلف حکمرانوں پر نہیں ہے اسلام کی تاریخ میں مصطفوی انقلاب کا مقصود غلبہ دین حق تو بہر طور موجود رہا مگر جب امراء حکام اور خلفاء و سلاطین اچھے آئے تو اقتدار کے ذریعے محفوظ کی گئی اقدار کو نکھار اور ابھار مل گیا اور اس طرح مذہبی اقدار (Religious Values) معاشرتی اقدار (Social Values) ثقافتی اقدار (Cultural Values) تعلیمی اقدار (Educational Values)

(Values) قانونی اقدار (Legal Values) اخلاقی اقدار (Moral Values) اور روحانی اقدار (Spiritual Values) نے ترقی کی۔ اگر اقتدار فاسق اور ظالم حکمرانوں کے ہاتھ آ گیا تو مذکورہ اقدار اور شریعت اسلامی کے مختلف گوشوں میں ترقی ہونا رک گئی وہ پانی کے چشمے کی طرح زیر زمین چلے جانے کی طرح کچھ مدت کے لئے دب گئے۔ یہ حالت بطون یعنی زوال کی کیفیت ہے۔ اسلامی دور اقتدار میں عروج و زوال آئے لیکن خلافت راشدہ کے دور سے قائم اجتماعی سیاسی غلبہ جو کہ مقصود بعثت مصطفوی ﷺ تھا تسلسل سے بحال رہا۔

مذکورہ بالا تصور کی وضاحت اور زیادہ صریح انداز سے ہو جاتی ہے جب ہم نظریہ پاکستان اور مملکت پاکستان کے باہمی تعلق پر غور کریں۔ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے اس کا آئین ہے یہ اصول ہے کہ کسی بھی ملک کا آئین اس کی اقدار حیات اور طرز زندگی کا تعین کرتا ہے۔ اس کو بنیادی تصورات و نظریات اور قوانین عدل و انصاف مہیا کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ایک محکمانہ ڈھانچہ دیتا ہے۔ ہر آئین کے پیچھے ایک نظریہ کار فرما ہوتا ہے اسی نظریے کو مد نظر رکھ کر آئین تشکیل پاتا ہے۔ وہ نظریہ جو آئین کی تشکیل کا محرک اولین ہوتا ہے اس آئین کے ذریعے نظریہ ملک کے ہر شعبے میں سرایت کر جاتا ہے ملک کی بقاء و تحفظ، استحکام اور فلاح و بہبود بے شمار مسائل اس نظریے کی روشنی میں تشکیل پانے والے دستور کے ذریعے حل کئے جاتے ہیں۔ اب وہ بنیادی بات جس کی طرف توجہ مبذول کرانا ہے وہ یہ کہ اگر وہ نظریہ باقی رہے اس میں ترمیم و تبدل نہ کیا جائے اور اس کی روشنی میں ملکی نظم و نسق چلانے والے حکمران بدلتے رہیں مختلف پارٹیاں برسر اقتدار آتی رہیں تو کیا محض پارٹیوں کے بدلنے سے اس نظریے کا تسلسل ٹوٹ جائے گا؟ ہرگز نہیں اس لئے کہ اقتدار حکومت اور

حکمرانوں کی تبدیلی نظریے کے تسلسل سے جدا حیثیت رکھتی ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان نظریہ اسلام پر معرض وجود میں آیا۔ آئین کے ذریعے یہ نظریہ ریاست کے ہر شعبے میں سرایت کر گیا۔ دستوری و آئینی سطح تک نظریہ اسلام موجود ہے اگرچہ عمل میں نہیں، نااہل اور غیر مخلص لوگوں کے ہاتھ میں عنان حکومت ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اگرچہ لکھنے اور کہنے کی حد تک ہی سہی وہ نظریہ تسلسل کے ساتھ چلا آرہا ہے۔ ایوب خان، یحییٰ خان، ذوالفقار علی بھٹو، جنرل ضیاء الحق جیسے مختلف الطبعیت لوگ اقتدار میں آئے حکومتیں بدلتی رہیں۔ کبھی مسلم لیگ کا دور حکومت رہا تو کبھی پاکستان پیپلز پارٹی کا، مگر نظریے نے اپنے تسلسل کو برقرار رکھا۔ اسلام کے حوالے سے اچھی ہو یا بری پوزیشن، وہ تسلسل کے ساتھ قائم رہی۔ اس مرحلے پر اگر اقتدار صالح ہاتھوں میں منتقل ہو جائے تو نظریہ اسلام اپنی حقیقی روح کے ساتھ معاشرے میں معترف ہو سکتا ہے پھر اسلامی اقدار کو فروغ ملے گا اور قوم منزل متعین کی جانب گامزن ہوگی اور اگر کوئی فاسق و فاجر بے دین اور سیکولر فکر کا حامل برسر اقتدار آجائے گا تو جو نام کی حد تک نظریہ اسلام موجود ہے وہ بھی دب جائے گا اور حالات مزید ابتر ہو جائیں گے گویا اگر انتقال اقتدار برے سے برے ہاتھوں میں ہو اور ہر حکمران اپنی تمام تر سعی و کاوش اس نظریہ کو موت سے ہمکنار کرنے کے لئے صرف کر دے اور اپنی اس مذموم کوشش میں کامیاب بھی ہو جائے تو پھر کہیں گے کہ اس میں انقطاع آگیا ہے۔ یہاں پاکستان اور نظریہ پاکستان کے باہمی تعلق کی مثال ایک طرف مقصود بعثت مصطفوی ﷺ کے تسلسل اور اس کی افادیت و موثریت کی ابدیت کو بیان کر رہی ہے تو دوسری طرف نظریہ اسلام کی بنیاد پر پاکستان کا وجود میں آنا بھی اس کی ایک عملی اور زندہ دلیل ہے۔

اس تصور کو کہ اچھے برے حکمرانوں کے ہاتھ میں انتقال اقتدار سے نظریہ اور مقصد بعثت مصطفوی ﷺ یعنی غلبہ دین حق کے تسلسل میں انقطاع نہیں آیا، مزید واضح کرنے کے لئے ہم ایک اور مثال اس پارٹی کی پیش کر سکتے ہیں جو کسی نظریے پر قائم ہو اس کا خاص فکر، سوچ، پروگرام، زاویہ نگاہ اور لٹریچر ہو۔ اس تحریک کے بانی نے ایک خاص فکر پر اس کی عمارت استوار کر دی ہو وہ فکر آگے سرایت کر گئی ہو۔ تحریک چل پڑی کل نفس ذائقۃ الموت کے قاعدہ کے تحت وہ بانی اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ نئی لیڈر شپ سامنے آئی وہ اپنا کام کر کے دار آخرت کو سدھار گئی اگر مخلص تھی تو تحریک کو عروج ملا اگر مخلص نہ تھی تو تحریک زوال کا شکار ہو گئی۔ لیڈر شپ کی تبدیلی کا یہ سلسلہ جاری رہا مگر بانی تحریک نے جو فکر دی اگر لیڈر شپ اس سے منحرف نہیں ہوتی تو کہیں گے کہ فکر میں تسلسل قائم رہا۔ قیادت کی سطح میں فرق ہونا تو فطری امر ہے کیونکہ تمام افراد برابر صلاحیتوں کے مالک نہیں ہوتے۔ کسی کی صلاحیتیں ذاتی مفادات یا منافقت کی آمیزش سے زنگ آلود ہو گئیں تو تحریک کا اجلا پن دھندلا پڑ جائے گا مگر فکر کا تسلسل برقرار رہے گا، زیادہ سے زیادہ اتنا کہیں گے کہ قیادت کی کمزوری کی وجہ سے معیار تنزل کا شکار ہو گیا۔

ان تمام مثالوں سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ ان نشیب و فراز کی حقیقت سمجھے بغیر فقط سطحی نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد نظریے، فکر اور مقصد بعثت نبوی ﷺ یعنی سیاسی غلبہ دین حق میں انقطاع کا دعویٰ کرنا سراسر زیادتی ہے۔

اگر مذکورہ مثالوں کو مع وضاحتوں کے پیش نظر رکھا جائے تو معترض پر ”المعترض کالاعنی“ کے صادق آنے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ معترض نے نشیب و فراز کی حقیقت پر غور کئے بغیر ان کو ایک خاص دین کی ناکامی کا سبب قرار دے دیا

حالانکہ حقیقت اس کے برعکس کچھ یوں ہے کہ وہ نظام جس کو ۱۲۰۰ سال اتار چڑھاؤ سے ہمکنار ہونا پڑا مسلسل حکومت کی تبدیلی، اچھے برے کی آمیزش اور مخلص و غیر مخلص کے ملاپ کا عمل جس نظام میں صدیوں تک رہا ہو اس کا ۱۲۰۰ سال سے ۱۲۰۰ سال دنیا پر حکمرانی کرنا کامیابی کی سب سے بڑی اور واضح دلیل ہے بھلا اس نظام کے آفاقی کائناتی، ہمہ جہتی، ہمہ وقتی، مکمل ترین اور مسلسل ہونے میں تردد ہی کیا ہے؟ جس کی عظمت و سطوت کی دھجیاں اڑانے کے لئے ایسے حکمران برسر اقتدار آئے جو اپنی بیٹیوں کی شادیوں پر گلیوں میں سونے کے سکوں کی بارش کرتے تھے جس کے پاک و عقیف دامن پر یزید جیسے فاسق و بے دین سفاح جیسے خونخوار اور ہشام جیسے فضول خرچ قیامت تک کے لئے بد نماد اُغ ہیں۔

مختصراً جس کی سیاسی قوت کو منتشر کرنے اور عالمگیر غلبہ کو ختم کرنے کے لئے مختلف زمانوں میں مختلف انحراف اور بگاڑ پیدا ہوئے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی عظمت و سطوت کو پھر سے بحال کرنے کے لئے اس کی گرتی ہوئی عمارت میں رخنہ اندازیوں کو پر کرنے کے لئے، اس کی عزت و ناموس کے ٹٹماتے چراغوں کو نئے سرے سے روشنیوں سے ہمکنار کرنے کے لئے، اس کی منتشر قوت کو جمع کرنے اور اس کی زخمی چہرے پر شافی مرہم رکھنے کے لئے کبھی عمر بن عبدالعزیز آئے تو کبھی سلطان صلاح الدین ایوبی، کبھی بنو عثمان کے تغلق خان اور عثمان خان جیسے جنگجو آئے تو کبھی سلیمان اعظم (Suleman the Magnificent) جیسے بھی آئے جس کے دور حکومت میں اسلام اپنی پوری سیاسی قوت اور عالمگیر غلبہ کے ساتھ دو براعظموں اور تین سمندروں پر حکمرانی کرتا رہا۔

الغرض اسلام کی سیاسی تاریخ میں معمول بہ دین کے مختلف گوشوں میں

انحراف اور بگاڑ بھی رونما ہوئے مگر غلبہ دین حق کا تسلسل قائم رہا سو یہ اعتراض کہ خلافت راشدہ کے بعد نظام اسلام نظر ہی نہیں آتا بے معنی ہے۔ خلافت راشدہ میں جو مقصود بعثت مثالی طریقے سے موجود تھا معیار اکم درجہ کے ساتھ ۲۰۰ سال تک قائم و موجود رہا۔

## سیاسی قوت کے حصول کا مقصود

اگر یہ اعتراض سامنے آئے کہ بعثت مصطفوی ﷺ کا مقصود سیاسی غلبہ حاصل کرنا کیونکر ایک اعلیٰ و ارفع مقصود ہے؟ یہ تو تاریخوں نے بھی قتل و غارت گری اور لوٹ مار کے ذریعے حاصل کر لیا تھا۔ کیا بعثت نبوی ﷺ کا مقصد صرف سیاسی غلبہ حاصل کرنا تھا؟ تو جواب نفی میں ہو گا کیونکہ اقتدار حاصل کرنا فی نفسہ نہیں بلکہ سیاسی قوت سے صالح معاشی نظام اور جمہوری و فلاحی معاشرہ قائم کرنا ہے۔ اسلام کے سیاسی غلبے کے دوران قتل و غارت گری اور خون خرابے سے قوت اقتدار پر قبضہ برقرار نہیں رکھا گیا جس طرح کہ دوسری جابر قومیں کرتی ہیں البتہ اسلام نے ایک عادلانہ اور مساویانہ معاشرتی نظام دیا جو انحطاط اور بگاڑ کے ہر دور میں قائم رہا۔ اگر انحراف و بگاڑ کے دور میں دستور، آئین اور قانونی مملکت جو عدالتوں میں جاری و ساری تھا اس پر نظر کی جائے تو وہ معاشرے کی جڑوں میں رچا بسا عادلانہ نظام اسلام ہی دکھائی دیتا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ معاشرے کے بہت سارے سوتے قانون کے ساتھ چلتے ہیں۔ اگر قانون مضبوط، صالح، معاشرتی اقدار کو فروغ دینے والا اور افراد معاشرہ کا تحفظ کرنے والا ہو تو اس قانون کا تحفظ کرنے والی حکومت تمام تر خرابیوں کے باوجود قائم رہتی ہے۔ اسلام کے عدالتی نظام نے عدل و انصاف کے بل بوتے پر اپنی گرفت پورے معاشرے پر اس قدر مضبوط کی ہوئی تھی کہ حکمرانوں کی تمام تر



عیاشیوں، فتنہ انگیزیوں اور انحراف کے باوجود یہ نظام قائم رہا حتیٰ کہ خلافت عثمانیہ کے دور میں یہ واقعہ ہوا کہ کسی خلیفہ نے کسی نابالغ وارث کو تخت خلافت پر رونق افروز کر دیا شرعاً وہ ولی عہد ہونے کا مجاز نہیں تھا اس معاملے کو عدالت میں چیلنج کر دیا گیا۔ عدالت کے چیف جسٹس (شیخ الاسلام) نے اس ولی عہد کو نااہل قرار دے دیا اور اس فیصلے پر عمل درآمد بھی ہوا۔

اسلام کے قانون ریاست ہونے پر یہ تاریخی واقعہ بھی اہمیت کا حامل ہے کہ جب خلافت بنو عباس تخت و تاراج کر دی گئی، سقوط بغداد ہوا اور تاتاریوں نے اسلام کی سیاسی اور فوجی قوت کو شکست دے دی تو انہوں نے دیکھا کہ سیاسی اور فوجی قوت کے خاتمے کے باوجود عدالتوں میں اسلامی قانون ہی حکمرانی کر رہا ہے لہذا اسے تاتاری قانون سے کیوں نہ بدل دیا جائے؟ تب تاتاری قانون نافذ کرنے کا فیصلہ ہوا تو سیاسی اور حکومتی تحفظ نہ ہونے کے باوجود مسلمان جموں نے تنہا اسلام کے عدالتی نظام کے تحفظ کی جنگ لڑی اور اس میں کامیاب بھی ہوئے۔ منگولوں کے ۵۰ سالہ دور اقتدار میں اسلام کا عطا کردہ عدالتی نظام ہی بطور قانون نافذ العمل رہا۔ قتل و غارت گری، تباہی و بربادی اور تمام تر سفاکیت کے باوجود تاتاری حکمران عوام کے سینوں سے اسلام کی گہری بنیادوں کو متزلزل نہ کر سکے۔ کسی نظام کی بقاء پر اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

**حکمرانوں کی محلاتی زندگی کو قومی و ملی زندگی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا!**

خلافت راشدہ کے بعد نظام اسلامی نہ دیکھنے والے اس حقیقت سے صرف نظر کر جاتے ہیں کہ معاشرہ محض حکومتوں اور حکمرانوں کی زندگی سے ہی عبارت نہیں ہے بلکہ معاشرے میں موجود دوسرا ادارتی نظام بھی معاشرے کی بنیاد ہے۔

حکمران اور ان کی حکومتیں تو نظام اسلام میں معاشرے کا ایک گوشہ ہیں۔ اسلام میں معمول بہ دین کے دیگر گوشوں میں جب بگاڑ پیدا ہوتا ہے تو مجدد و مجتہد اس کی اصلاح کر دیتے ہیں اس طرح معمول بہ دین کے گوشہ سیاست میں اگر فاسق و فاجر حکمران آتا تو بعد میں آنے والے نیکو کار اور پابند شریعت حکمران اس کی خامیوں کا ازالہ کر دیتے۔ معمول بہ دین کے گوشہ عقائد کو ہی لیں اس میں کتنے اتار چڑھاؤ آئے اور مسلسل آ رہے ہیں پہلے مرجیہ پیدا ہوئے پھر معتزلہ کی شکل میں عقل پرستوں نے جنم لیا۔ ان کا توڑ اشاعرہ نے کیا پھر معتزلہ و اشاعرہ کے درمیان باترید یہ نے اپنے وجود کو جگہ دی۔ عقائد کے معاملے میں ان نشیب و فراز کی بنیاد پر کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے بعد تو عقائد اسلام کا وجود ہی نظر نہیں آتا؟ ہرگز نہیں! جس طرح تمام تر بگاڑ و انحراف کے باوجود عقائد اسلامی موجود رہے اور رہیں گے اس طرح حکمرانوں کی تمام تر کمزوریوں کے باوجود غلبہ دین حق سابقہ ادوار میں ۱۲۰۰ سال قائم رہا۔

حکمرانوں کی محلاتی زندگی تو معاشرتی نظام کا ایک گوشہ ہے کل دین حکمران کے محل کے اندر محصور نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام اصلاً تو محل سے باہر پھیلی ہوئی دنیا میں اپنا وجود رکھتا ہے یہی اسلام کی حقیقی قوت ہے جو محلاتی سازشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتی ہے اور انہیں راہ راست پر لاتی ہے جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس استفسار پر کہ اگر میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی راہ چھوڑ دوں اور ان کے احکام کے مطابق فیصلے نہ کروں تو تم کیا کرو گے؟ ایک بوڑھے اعرابی نے تلوار ہاتھ میں پکڑ کر کہا، تم تجھے اس تلوار سے سیدھا کر دیں گے یہ وہ قوت ہے جو کسی اور دین کے پاس نہیں۔ اسی وجہ سے یہ حقیقت بھی قابل غور ہے کہ تحت نشینی کے لئے اسلام کا مجوزہ طریقہ کار یہ ہے کہ ووٹ کے ذریعے یا بیعت کے ذریعے عوامی حمایت حاصل کی جائے۔ اس قانون کی

حکمرانی آج تک کوئی معطل نہیں کر سکا۔ ہر برس اقتدار آنے والا لوگوں کو تیار کرتا جو اس کی نامزدگی کرتے اور بعد میں بیعت عام ہوتی تھی۔ اسلامی قانون کی اس بالادستی سے ہی اسلام کے سیاسی غلبہ کا تسلسل مراد ہے۔

تاہم حکمرانوں نے ان قوانین کا استحصال ضرور کیا ہے مگر ناگزیریت تسلیم کرتے ہوئے حرص و ہوس کے پجاری بن کر استحصال کرنا اور ڈکٹیٹر شپ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کلیہ ختم کر دینا دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ایک بنیادی حقیقت جو سامنے آتی ہے وہ یہ کہ اگر اسلامی شریعت کی بالادستی کا تسلسل برقرار نہ رہا ہوتا تو خواہشات نفس کے پجاری حکمران نظام کو ہی ختم کر دیتے جس نظام سے عملاً وہ پہلے ہی منحرف تھے اور وہ ان نفسانی خواہشات کو پورا بھی نہیں کرتا تھا تو کیا وجہ ہے کہ قوت و اقتدار کے باوجود وہ اس کو ختم نہیں کر سکے؟ اس کی وجہ بڑی واضح ہے وہ حکمران اس معاشرے کا ایک حصہ تھے جس کے اندر اسلام کی سیاسی قوت غالب اور مقتدر تھی اور یہی غلبہ دین حق عوامی سطح پر ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔

نتیجہ یہ ہے کہ اسلام کی تاریخ محل کے اندر محصور نہیں بلکہ اس سے ہزار ہا گنا بڑھ کر خود معاشرے کے اندر موجود ہے اور وہ دینی ادارے، علمی مراکز، علماء دین، آئمہ دین اور صوفیاء کرام ہیں۔ معاشرے کے اندر اسلامی شریعت کی بالادستی کا تصور بذات خود ایک بہت بڑی قوت کے طور پر مسلسل موجود چلا آ رہا ہے پھر معاشرتی روایات کا مربوط نظام جس کے پیچھے اسلام کی بالادستی کا نظریہ کار فرما ہے وہ حق کے اس سیاسی غلبے کو تحفظ دیتا رہا سو یہ کہنا کہ خلافت راشدہ کے بعد اسلام کا وجود ہی ختم ہو گیا چہ معنی دارد؟

## ایک لطیف نکتہ

اگر خلافت راشدہ کے بعد اسلام ختم ہو گیا تھا تو ہم تک کیسے پہنچا؟ اگر اسلام خلافت راشدہ کے بعد ختم ہو گیا ہوتا تو ہم تک کبھی نہ پہنچتا۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاسی اتار چڑھاؤ دین کے ایک گوشہ سیاست میں انحراف و بگاڑ کی تاریخ ہے۔ یہ بگاڑ جزوی بگاڑ ہوتا تھا اس کے پیچھے حق کی طاقت، علمی اقتدار، فکری اقتدار، عدالتی اقتدار، قانونی اقتدار، روحانی اقتدار اور تہذیبی و ثقافتی اقتدار کی صورت میں شریعت کی بالادستی کو قائم رکھے ہوئے تھی۔

ایک اور لطیف نکتہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ حکمران اور ان کی زندگی سب کچھ نہیں ہے بلکہ یہ تو اسلام کے نظام کا ایک جزو ہیں۔ اسلام پوری دنیا میں پھیلا، کیا تنہا حکمرانوں نے اسلام کو فروغ دیا؟ اگر نہیں تو کیا وجہ ہے کہ اسلام کی پوزی تاریخ کو معاشرے سے نکال کر محل کے اندر محصور کر دیا جائے۔ اسلامی علوم و فنون سے یورپ مستفید ہوا، اسلامی تہذیب و ثقافت کو عروج ملا کیا یہ سارا کام حکمرانوں نے کیا؟ حکمران تو تاج محل، شاہی مقبرے اور شہنشاہی دیوان تیار کرتے رہے۔ کیا علوم و فنون کا یہ سارا سرمایہ اسلام کے سورج کی کرنوں کے تعاقب میں اقصاء دنیا تک حکمرانوں نے پہنچایا؟ اگر یہ سارا کام حکمرانوں نے کیا تو ہم کل اسلام ان کی زندگی کو قرار دیتے ہیں اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو اسلام کو حکمرانوں کے دامن سے باندھ کر یہ کہنا زیادگی ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد حکمرانوں کی عیاشیوں سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام موجود نہ رہا۔

بہر حال خلافت راشدہ کا مقصود غلبہ دین حق قائم رہا اور یہ اعتراض کہ جزوی بگاڑ کیوں ہے؟ اور تاریخ میں کیوں رہا؟ تو یہ ایک کھلی ہوئی روشن حقیقت ہے کہ

آئیڈیل اور پیروکاروں میں فرق ہونا فطری امر ہے۔ اگر بعد کے زمانے میں بھی حضورت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہوتے تو اس حدیث کی کیا افادیت رہتی۔

”علیکم بسنتی و سنتی خلفاء راشدین المہدیین“

اس کے علاوہ الخلافۃ فی امتی ثلاثون سنۃ کی کیا اہمیت رہتی؟ مزید یہ کہ حضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ الخلافۃ فی امتی ثلاثون سنۃ اس کا یہ مفہوم نہیں کہ خلافت آپ ﷺ کے بعد ۳۰ سال رہی بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے بعد ۳۰ سالہ دور مثالی دور ہے باقی زمانہ اس کی پیروی کرنے کے لئے ہے۔

خلاصہ کلام

اب تک کی بحث سے یہ نکتہ الم نشرح ہو گیا کہ تاریخ اسلام میں آنے والا سیاسی بگاڑ جزوی بگاڑ تھا، اسلام فقط محلاتی زندگی کے اندر محدود نہیں۔ حکمرانوں، خلیفوں، امراء اور سلاطین کے ماحول کے ارد گرد ہی نہیں گھومتا بلکہ اسلام کو پوری کی پوری عملی اور معاشرتی زندگی کے پس منظر میں دیکھنا چاہئے۔ پوری تاریخ کے وسیع تناظر میں دیکھنے کے بعد پتہ چلے گا کہ بگاڑ والے دور میں اسلام کی عددی کیت کتنی ہے؟ اور دوسرے دور کی عددی کیت کتنی ہے؟ جتنی مقدار زمانہ میں بگاڑ ہے اس کو ہم تسلیم کرتے ہیں اور پورے نظام کے ایک جزو میں بگاڑ قرار دیتے ہیں اور باقی مقدار آئیڈیل سے تو بے شک نیچے ہے مگر یہ آئیڈیل کے مقصود کی بقاء کا باعث بنی اور اس کے ذریعے ہی اسلام ہم تک پہنچا ہے۔ اس لئے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اسلام کی ۱۴۰۰ سالہ تاریخ میں ۱۲/۱۳ سو سال اسلام کے غلبے کی تاریخ ہے۔

## دور زوال کا المیہ - دینی جدوجہد کی بے ثمریت

جب سے ملت اسلامیہ ہمہ گیر زوال اور انحطاط کا شکار ہوئی وہی ملت جس کے رعب و دبدبے سے کبھی قیصر و کسریٰ کی عظیم سلطنتیں بھی تھر تھر کانپتی تھیں، آج ذلیل رسوا ہو رہی ہے۔ کہیں اسرائیل جیسے چھوٹے سے ملک کے سامنے بے دست و پا بنی ہوئی ہے اور کہیں امریکہ اور روس کی استحصالی سامراجی اور باطل قوتوں کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی ہے۔ بظاہر آزاد ہے مگر اس کی تقدیر کے فیصلے واشنگٹن اور ماسکو میں ہوتے ہیں۔ امت مسلمہ پر یہ زوال اور انحطاط آخر کیوں آیا اور یہ مسلسل اس کا شکار کیوں ہے؟ جس سے پوچھو کہتا ہے کہ اس کی وجہ ہماری بے عملی ہے۔ ہم نے اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا چھوڑ دیا مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس قدر جامع اور بابرکت دین پر عمل کرنا ہم نے کیوں چھوڑ دیا؟

اگر ہم اس سوال پر بنظر عمیق غور کریں تو یہ حقیقت ہمارے سامنے کھلتی ہے کہ ترک عمل کی بنیادی وجہ عمل کے نتائج کے بارے میں بے یقینی ہے اسی بے یقینی نے آج امت مسلمہ کو انفرادی و اجتماعی سطح پر لادینی طرز فکر و عمل میں پناہ ڈھونڈنے پر مجبور کر دیا ہے نہ صرف یہ کہ اس بے یقینی کی کیفیت نے ہم سے عمل کا داعیہ چھین لیا بلکہ جو راہ عمل پر گامزن ہیں انہیں بھی اپنے عمل کی موثریت کا یقین رہا۔ آج قرآن کے فکر زندہ سے انحراف کا نتیجہ یہ ہے کہ امت کا ایک طبقہ نادانستہ طور پر اس طاغوتی فکر کو فروغ دے رہا ہے کہ اس دنیا میں اسلام معروضی نتائج پیدا کرنے کی ضمانت ہی نہیں دیتا۔ جب نتائج پیدا ہی نہیں ہوں گے تو ان کے مشاہدے کے کیا معنی؟ اور بغیر مشاہدہ کے حصول یقین کیسے؟ اس طرح بے یقینی کے عمل کا لازمی اور منطقی نتیجہ مایوسی کی صورت میں سامنے آتا ہے جس کی انتہائی شکل بے عملیت اور اقدار دین کے خلاف

بغاوت ہے۔

آج نوجوان نسل کی اسلام سے بغاوت ملت اسلامیہ کے قائدین کے لمحہ فکر یہ ہے یہ کہنا کہ قیامت میں مشاہدہ نتائج ہو گا اور یہ کہ مومنین کے لئے تو آخرت ہی سب کچھ ہے ایک باطل سوچ ہے۔ قیامت کے دن تو احقاق حق کا مشاہدہ کافر بھی کر رہے ہوں گے نتیجتاً وہاں تو انہیں بھی حصول یقین ہو جائے گا۔ وہ مشاہدہ کرنے کے بعد کہیں گے کہ اے کاش ہمیں پہلے پتہ چل جاتا یا اللہ ہمیں واپس دنیا میں بھیج دے ہم تجھ پر ایمان لائیں گے مگر اس وقت کے یقین کا کیا فائدہ؟ اور اگر اسلام کے حق ہونے کا یقین قیامت ہی میں ہونا ہے تو اس آئیہ کریمہ کا کیا معنی جس میں فرمایا گیا ہے:

فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ۝ اللہ کی جماعت کے لوگ ہی غالب ہونے والے ہیں۔ (۵۶:۵)

یہ سوال جب آج کی دینی قیادتوں کے سامنے رکھا جاتا ہے تو اس سوال کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ فرمان رسول ﷺ کے مطابق قیامت کے قریب ایسا ہونا ہی تھا اب چونکہ قیامت قریب ہے اس لئے ایسا ہو رہا ہے۔ یہ جواب دے کر گویا ہم نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا ہے اور ذہنی طور پر تباہی و بربادی کو اپنے مقدر کے طور پر تسلیم کر لیا ہے۔ اس پر اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگر اب بے عملی اور ذلت و خواری ہمارا مقدر ہی ہے تو پھر اصلاح کی کوششیں کیوں کی جاتی ہے تو اس کے دو جواب ملتے ہیں:

۱۔ ایک جماعت تو یہ جواب دیتی ہے (عام مذہبی ذہن کا جواب بھی یہی ہے) کہ اصلاح کی یہ کوشش اجر و ثواب اور اپنی آخرت سنوارنے کے لئے ہے معروضی نتائج پیدا ہوں یا نہیں ہوں دنیا سنورے یا نہ سنورے۔

۲۔ دوسری جماعت یہ جواب دیتی ہے کہ علم و عمل اور مال و اسباب سے جہاد فرض

ہے۔ اس فرض کو نبھانے کے لئے اصلاح کی یہ کوششیں ہیں۔ حالات بدلیں یا نہ بدلیں دنیا سنورے یا نہ سنورے باطل کو شکست ہو یا نہ ہو، حق کامیاب ہو یا نہ ہو اسلام تو فقط آخرت کی کامیابی کی ضمانت دیتا ہے۔ دنیا کی کامیابی کی ضمانت اسلام نہیں دیتا۔ حقیقی کامیابی تو آخرت کی کامیابی ہے۔ دنیا کی کامیابی کوئی کامیابی نہیں۔

ان دونوں تصورات کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام گویا قابل عمل دین نہیں یہی نتیجہ باطل قوتیں پیدا کرنا چاہتی تھیں کہ اسلام کی نسبت ذہنوں میں مایوسی اور بے یقینی پیدا ہو جائے۔ مسلمانوں کے ذہن مستقبل میں کامیاب ہونے کے حوالے سے مفلوج ہو کر رہ جائیں۔ ان کا دل پکاراٹھے کہ ہم سے پہلے بھی بہت کوششیں ہو چکیں اور ہو رہی ہیں مگر اب کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جب یہ نتیجہ فکر پیدا کرنے میں باطل قوتیں کامیاب ہو گئیں تو ذہنی شکست خوردگی سے بیدار ہونے والی سوچ نے شعوری اور لاشعوری طور پر مسلمانوں کی اجتماعی فکری زندگی کو بدل کر رکھ دیا۔ اور انہوں نے مسلمانوں کی فکری زندگی میں جو تغیرات پیدا کئے وہ مندرجہ ذیل سات قسموں کے تھے:

- ۱۔ سیاسی فکر میں تغیر
- ۲۔ معاشی و اقتصادی فکر میں تغیر
- ۳۔ قانونی فکر میں تغیر
- ۴۔ عمرانی اور سماجی فکر میں تغیر
- ۵۔ تہذیبی اور ثقافتی فکر میں تغیر
- ۶۔ مذہبی فکر میں تغیر



۷۔ تعلیمی فکر میں تغیر

دینی جدوجہد کی بے شمریت کا مداوا

پہلا جواب صورت حال سے فقط سمجھوتہ ہے، اس سے انقلاب نہیں آسکتا۔ اس لئے زوال و انحطاط سے نکلنے کے لئے انقلاب کی تڑپ رکھنے والوں کو یہ جواب قطعاً قبول نہیں ان کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے:

عمل اس لئے چھوٹا کہ ہمارا اعمال کی نتیجہ خیزی پر سے یقین اٹھ گیا کیونکہ عمل علم سے نہیں بلکہ یقین سے جنم لیتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اعمال کی نتیجہ خیزی پر سے یقین کیوں ختم ہو گیا۔

یقین مشاہدے سے جنم لیتا ہے یقین کا مشاہدہ تجربی توثیق (Experimental Verification) سے حاصل ہوتا ہے یعنی نتائج کو عالم واقعہ میں آنکھوں سے دیکھ (Observation) کر حاصل ہوتا ہے اس یقین کے ۲ درجے ہیں:

۱۔ عمومی یقین:

یہ ایمان بالغیب کا دوسرا نام ہے اور یہ قال سے نصیب ہوتا ہے اسے علم یقین بھی کہتے ہیں۔

۲۔ خصوصی یقین:

اسے ایقان کہتے ہیں اور یہ حال سے ملتا ہے یعنی خود مشاہدہ کر کے اس کے آگے پھر ۲ درجات ہیں:

الف۔ عین یقین: کسی چیز کا خود مشاہدہ کر کے جو یقین حاصل ہو۔

ب۔ حق یقین: کسی چیز یا کیفیت کو خود طاری کر کے جو یقین حاصل ہو۔

اسے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر کوئی شخص دوسروں سے سن کر جانتا ہے کہ آگ جلاتی ہے تو یہ علم الیقین ہے اگر وہ کسی کو آگ میں جلتا دیکھ لے تو اسے عین الیقین حاصل ہوتا ہے اور اگر وہ اپنا ہاتھ آگ میں جلا کر دیکھ لے تو اسے حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے۔

یقین کی پختگی کے مندرجہ بالا تین درجات عمل کے استحکام اور خوبی کو متعین کرتے ہیں جب یہ علم الیقین تک محدود رہے تو عمل تو جنم لے سکتا ہے مگر وہ مستحکم نہیں ہوتا۔ کسی بھی وقت حالات کی سختیاں یا مزاحمتیں اس عمل کو ختم کر سکتی ہیں جب یقین عین الیقین اور حق الیقین کے درجے کا ہو تو پھر طارق بن زیاد کی طرح کشتیاں جلا کر بھی سمندر میں کود جانے سے دریغ نہیں کیا جاتا۔ ۳۱۳ مجاہدین بھی اپنے سے کئی گنا طاقتور دشمن سے ٹکرا جاتے ہیں۔ اسلام ایسے حق الیقین کا مسلمانوں سے تقاضا کرتا ہے اور قرآن پاک میں جگہ جگہ ایسا یقین پیدا کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے،

سورۃ نصر میں ارشاد ہوتا ہے:

جب اللہ کی مدد آئی اور فتح نصیب ہو (دشمنوں کے قلعے فتح ہوں، خانہ کعبہ مسلمانوں کا ہو جائے) اور آپ لوگوں کو جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہوتے دیکھ لیں تو (اس وقت) آپ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کیجئے اور (اس حمد و ثنا کے بعد) اس سے (امت کے لیے)

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ  
وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ  
اللَّهِ أَفْوَاجًا. فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ  
وَاسْتَغْفِرْهُ. إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا.  
(سورہ نصر)

مغفرت طلب کیجئے (کہ یہ جو بھولے ہوئے تھے، لیکن اب مسلمان ہوئے ہیں اب ان کی آنکھیں کھلیں۔ آپ کی عبادات، آپ کی دعائے مغفرت کے صدقے میں اللہ ان کے گناہ بھی معاف فرمائے گا) بے شک وہ بڑا معاف فرمانے والا (بڑی بخشش والا) ہے۔

یہاں اللہ تعالیٰ اپنی نوازشات اور قدرت کاملہ کا مشاہدہ کروا کر فرما رہا ہے کہ اب یقین میں مزید اضافے کے بعد اللہ کی عبادت کر اور اس سے بخشش مانگ، تجھے عبادت میں نیا لطف و سرور ملے گا اور تو اللہ تعالیٰ کو اپنے لطف و کرم کے ساتھ توجہ فرمانے والا پائے گا۔

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونُ مِنَ الْمُوقِنِينَ ۝ (انعام: ۷۶)

اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی تمام بادشاہتیں (یعنی عجائبات خلق) دکھائیں اور (یہ) اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے۔

یہاں بھی یقین کو پختگی عطا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ مشاہدے کو ذریعہ بنا رہا ہے، صرف یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ ابراہیمؑ کو خود مشاہدہ کرواتا ہے بلکہ ابراہیمؑ بھی

اطمینان قلب کے لئے مشاہدے کی گزارش کرتے ہیں:

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ  
تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنُ  
قَالَ بَلٰى وَّلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ  
(۲۶۰:۲)

اور (وہ واقعہ بھی یاد کریں) جب  
ابراہیم نے عرض کیا میرے رب!  
مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کس  
طرح زندہ فرماتا ہے ارشاد ہوا کیا تم  
یقین نہیں رکھتے، اس نے عرض کیا  
کیوں نہیں (یقین رکھتا ہوں) لیکن  
(چاہتا ہوں کہ) میرے دل کو بھی  
خوب سکون نصیب ہو جائے۔

یہ ہے یقین کو پختہ کرنے میں مشاہدے کی اہمیت کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کرام  
کے یقین کو پختہ کرنے کے لئے انہیں اپنی قدرتوں اور نوازشوں کے مشاہدے کرواتا  
ہے۔ انبیاء کرام کو چونکہ انتہائی مخالف حالات اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لئے  
اللہ تعالیٰ انہیں یقین بھی اتنا ہی غیر متزلزل اور پختہ عطا کرتا ہے کہ راستے کی ساری  
سختیاں ان کے قدم ڈگمگانہ سکیں اور راہ عمل پر استقلال کا مظاہرہ فرمائیں۔ اس غیر  
متزلزل یقین کے پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ انہیں مشاہدہ (Observation)  
بھی عظیم الشان کرواتا ہے۔ اس سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ نامساعد حالات میں عمل پر  
قائم رہنے کے لئے غیر متزلزل یقین ضروری ہے اور اس کے لئے اعمال کی نتیجہ خیزی  
کا مشاہدہ ضروری ہے۔

قرآن اور اہمیت یقین کا بیان

قرآن حکیم نے اپنے جملہ نظام عبادت کا حاصل راسخ یقین کا حصول قرار دیا

ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ

یہاں تک کہ آپ کو (آپ کی شان

(۹۹:۱۵)

کے لائق) مقامِ یقین مل جائے (یعنی

انشریح کامل نصیب ہو جائے یا لمحہ

وصالِ حق)

علماء کرام نے اس آئیہ کریمہ میں ”یقین“ کے لفظ سے مراد موت لی ہے یعنی

بندے کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تو عبادت کرتا رہتا رہتا کہ تجھے موت آجائے۔ اس سے مراد

خوشگوار پہلو یہ ہے کہ انسان دمِ آخر تک محنت و مشقت جاری رکھے اور اپنی توجہات

کا مرکز موت تک اللہ تعالیٰ ہی کو جانے گویا آخری دم تک محنت جاری رکھنے کا درس دیا

جا رہا ہے مگر یقین سے موت مراد لینا یقین کا حقیقی معنی نہیں بلکہ مجازی ہے جو اپنی جگہ

درست ہے کیونکہ موت ایک یقینی امر ہے جو ہر حال میں وقوع پذیر ہو گا اس جگہ اگر

یقین کو اس کے حقیقی معنی پر رکھا جائے تو معنی میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا اس

صورت میں مفہوم یوں ہو گا:

”تو اللہ کی عبادت کر حتیٰ کہ تجھے (حالت) یقین حاصل ہو جائے۔“

جو عمل یقین کی محکم بنیادوں کے سہارے انجام پذیر ہو گا وہ مقبول ہو گا اور

اس کے خاطر خواہ نتائج مرتب ہوں گے۔ جن کا مشاہدہ افزونی یقین کا باعث بنے گا

جب عبادت میں حالت یقین نصیب ہو گا تو انسان کثرتِ عبادت سے بھی سیراب

نہیں ہو گا بلکہ پیاس بڑھتی جائے گی جیسا کہ سیدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

سوانح میں ہے کہ آپ ایک سجدہ میں رات ختم کر دیتی تھیں اور عرض کرتیں ”مولانا تو

نے کتنی چھوٹی چھوٹی راتیں بنائی ہیں کہ میرا سجدہ ختم نہیں ہوتا کہ تیری رات ختم ہو جاتی ہے۔“

اس آیہ کریمہ میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ عبادت حصول یقین کے لئے کرو اور جب حالت یقین میں عبادت کرو گے تو وہ یقین میں اضافے کا موجب بنے گی جیسا فرمایا:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ  
اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم پر  
(نعمتوں میں) ضرور اضافہ کرونگا۔ (۱۴:۷)

شکر کی کئی صورتیں ہیں ان میں سے ایک عبادت کے ذریعے شکر ادا کرنا ہے یعنی اگر یقین سے عبادت کرو گے تو یقین اور بڑھے گا۔ مذکورہ آیت میں اس مراد کا مخالف مفہوم یہ ہو گا کہ اگر بے یقینی سے عبادت کی تو بے یقینی اور بڑھے گی اور بے یقینی سے کیا گیا عمل موثر نتائج پیدا نہیں کرتا نتیجتاً عمل چھوٹ جاتا ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ محض عمل تو منافقین بھی کیا کرتے تھے اور کرتے ہیں مگر اس سے نتائج پیدا نہیں ہوتا کیونکہ ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے:

مُذَبِّبِينَ بَيْنَ ذَلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ  
وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ  
اس (کفر اور ایمان) کے درمیان  
تذبذب میں ہیں نہ ان (کافروں) کی  
طرف ہیں اور نہ ان (مومنوں) کی  
طرف ہیں (۱۴۳:۴)

دوسرے مقام پر اس کا عکس یوں بیان فرمایا:

وَمَا أُمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ  
حالانکہ ان (اہل کتاب) کو یہی حکم دیا

مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ

گیا تھا کہ (وہ لوگ) خالص اعتقاد کے

(۵:۹۸) ساتھ اللہ کی بندگی کریں

یعنی منافقت اور بے یقینی چھوڑ کر اخلاص اور یقین کے ساتھ عمل کیا جائے

تو اسی سے کما حقہ نتائج پیدا ہوتے ہیں جن کا مشاہدہ یقین کی لازوال دولت اور سرمایہ

عمل مہیا کرتا ہے۔ آیہ یقین کی مذکورہ بالا تعبیر کی تائید امام رازی کی بیان کردہ تفسیر

سے بھی ہوتی ہے، امام رازی سورۃ حجر کی آیت ۹۷ پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اور تحقیق ہم جانتے ہیں کہ جو وہ کہتے

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرَكَ

ہیں اس سے تمہارا سینہ تنگ ہوتا ہے

بِمَا يَقُولُونَ لَانَ الْجِبَلَةَ الْبَشَرِيَّةِ

کیونکہ بشری فطرت اور انسانی مزاج کا

الْمَزَاجُ الْإِنْسَانُ يَقْتَضِي ذَلِكَ

تقاضا کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے

فَعِنْدَ هَذَا قَالَ لَهُ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ

اپنے حبیب ﷺ کو حکم دیا کہ (پس

رَبِّكَ فَاَمْرَهُ بِأَرْبَعَةٍ بِالتَّسْبِيحِ

تسبیح کر اپنے رب کی حمد کے ساتھ)

وَالْتَحْمِيدِ وَالسُّجُودِ وَالْعِبَادَةِ

پس باری تعالیٰ نے آپ کو چار چیزوں

النَّحْوِ

تسبیح، تحمید، سجد اور عبادت کا حکم دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے طعنوں کے جواب میں

چار چیزیں ارشاد فرمائیں:

تسبیح، تحمید، سجد، عبادت

جن کا مقصود حصول یقین ٹھہرایا ان کے ذریعے عالم ربوبیت کے انوار کا

مشاہدہ کیا جائے اس میں سے وہ یقین حاصل ہو جائے گا کہ یہ دنیا حقیر چیز ہے۔ اس کا

وجدان و فقدان کسی تبدیلی کا سبب نہیں ہے اور دنیا داروں کے طعنے اور استہزاء اور

تمسخر کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

سیدنا عزیر علیہ السلام جب ایک برباد بستی کے پاس سے گزرے تو عرض کی مولا! تو اس کو کس طرح زندہ فرمائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ  
خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّى  
يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ  
اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ  
لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ  
يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ  
فَانظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ  
يَتَسَنَّهْ وَانظُرْ إِلَى حِمَارِكَ  
وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانظُرْ إِلَى  
العِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ  
نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ  
أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ  
(۲۵۹:۲)

یا اسی طرح اس شخص کو (نہیں دیکھا)  
جو ایک بستی پر سے گزرا جو اپنی چھتوں  
پر گری پڑی تھی، تو اس نے کہا کہ اللہ  
اس کی موت کے بعد اسے کیسے زندہ  
فرمائے گا، سو (اپنی قدرت کا مشاہدہ  
کرانے کیلئے) اللہ نے اسے سو برس  
تک مردہ رکھا پھر اسے زندہ کیا، (بعد  
ازاں) پوچھا تو یہاں (مرنے کے  
بعد) کتنی دیر ٹھہرا رہا (ہے)؟ اس نے  
کہا میں ایک دن یا ایک دن کا (بھی)  
کچھ حصہ ٹھہرا ہوں، فرمایا (نہیں) بلکہ  
تو سو برس پڑا رہا (ہے) پس (اب) تو  
اپنے کھانے اور پینے (کی چیزوں) کو  
دیکھ (وہ) متغیر (باسی) بھی نہیں  
ہوئیں، اور (اب) اپنے گدھے کی  
طرف نظر کر (جس کی ہڈیاں بھی  
سلامت نہیں رہیں) اور یہ اس لئے



کہ ہم تجھے لوگوں کیلئے (اپنی قدرت کی) نشانی بنادیں اور (اب ان) ہڈیوں کی طرف دیکھ ہم انہیں کیسے جنبش دیتے (اور اٹھاتے) ہیں پھر انہیں گوشت (کا لباس) پہناتے ہیں جب یہ (معاملہ) اس پر خوب آشکار ہو گیا تو بول اٹھائیں (مشاہداتی یقین سے) جان گیا ہوں کہ بیشک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے۔

اور (وہ واقعہ بھی یاد کریں) جب ابراہیم نے عرض کیا میرے رب! مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ فرماتا ہے ارشاد ہوا کیا تم یقین نہیں رکھتے اس نے عرض کیا کیوں نہیں (یقین رکھتا ہوں) لیکن (چاہتا ہوں کہ) میرے دل کو بھی خوب سکون نصیب ہو جائے ارشاد فرمایا سو تم چار پرندے پکڑ لو پھر انہیں اپنی طرف مانوس کر لو پھر (انہیں ذبح

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنُ  
 قَالَ بَلٰى وَّلٰكِن لِّيَطْمَئِنُّ قَلْبِيْ  
 قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ  
 فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى  
 كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ  
 يٰتَيْنِكَ سَعِيًّا وَاَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ  
 حَكِيْمٌ

(۲۶۰:۲)

کر کے) ان کا ایک ایک ٹکڑا ایک ایک  
 پہاڑ پر رکھ دو پھر انہیں بلاؤ وہ  
 تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں  
 گے اور جان لو کہ یقیناً اللہ بڑا غالب  
 بڑی حکمت والا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے مشاہدہ طلب کیا، عرض کی باری  
 تعالیٰ مجھے مشاہدہ کروا کہ تو مردوں کو جلاء کیسے بخشتا ہے؟ باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا  
 ابراہیم تجھے میرے مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت پر ایمان نہیں۔ عرض کی ایمان تو  
 رکھتا ہوں مگر اطمینان قلب کے لئے مشاہدہ درکار ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ  
 تعالیٰ کو معلوم نہیں تھا کہ ابراہیم کا ایمان ہے؟ معلوم تھا مگر پھر بھی پوچھا کیا آپ اس پر  
 ایمان نہیں رکھتے؟

دراصل اطمینان اور منزل ایقان کے حصول کا طریقہ سمجھانا مقصود ہے اور  
 وہ یہ ہے کہ حصول ایقان کے لئے مشاہدہ نتائج کے طالب ہوا کرو علم کے نہیں۔ سیدنا  
 ابراہیم علیہ السلام نے عرض نہیں کی کہ رب ادنیٰ کیف تحی الموتی (اے  
 میرے رب مجھے سکھا دے کہ تو مردے کیسے زندہ کرتا ہے) بلکہ عرض کی کہ اے  
 میرے رب مجھے دکھا دے کہ تو مردے کیسے زندہ کرتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے مشاہدہ  
 کروانے کے بعد فرمایا واعلم ان اللہ عزیز حکیم یقین کر لے اللہ تعالیٰ غالب حکمت  
 والا ہے۔ اس طرح باری تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

وَكَذَلِكَ نُرِي اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتِ  
 السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنُ مِنْ  
 اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو  
 آسمانوں اور زمین کی تمام بادشاہتیں

المُوقِنِينَ ۝ (یعنی عجائباتِ خلق) دکھائیں اور  
(یہ) اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں  
میں ہو جائے۔

### مشاہدہ نتائج کا یقین زائل کیونکر ہوا؟

یہ ایک بین حقیقت ہے کہ جب اعمال کے نتائج کا مشاہدہ ختم ہو جائے تو پھر نامساعد حالات یقین کو متزلزل کر دیتے ہیں۔ اگر ہم اس نہج سے اپنے ماضی کا جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ دور زوال میں اسلامی تعلیمات پر عمل سے نتائج پیدا ہونا بند ہو گئے اور ان نتائج کے عدم مشاہدہ نے بے یقینی اور شکوک و شبہات کو جنم دیا پاکستان بننے سے اب تک کے حالات ہی کو لیں پچاس سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا مسلسل نمازیں باجماعت ادا ہو رہی ہیں مگر نماز کی بے حیائی اور برائی سے روکنے کی تاثیر معاشرے میں نظر نہیں آتی۔ یہی حال دوسری عبادات اور تعلیمات پر عمل کا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات پر عمل سے نتائج پیدا ہونا کیوں بند ہو گئے۔ اپنے ماضی (دور زوال اور دور زوال سے قبل) کے حالات کا بغور تجزیہ اور تقابل کرنے سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ اعمال کے نتائج کے بند ہونے کے درج ذیل دو اہم اسباب ہیں:

۱۔ اسلام کے فکری نظام میں جمود طاری ہو گیا ایجاد و تخلیق ختم ہو گئی اور علم فقط تعلیمی اور تحلیلی رہ گیا۔ تخلیقی علم کا تحریک اور ارتقاء بند ہو گیا جس سے مسائل حیات اور علم میں توازن بگڑ گیا اور اس بگڑے ہوئے توازن میں اسلامی تعلیمات پر عمل نے مطلوبہ نتائج پیدا کرنے بند کر دیئے۔

۲۔ سیاسی غلبے کی قوت نافذہ اہل حق کے ہاتھ سے چھن کر باطل کے پاس چلی گئی جس کے نتیجے میں اسلامی نظام کے نفاذ کو عملی تحفظ ملنا بند ہو گیا اس نے بھی

مطلوبہ نتائج پیدا کرنے بند کر دیئے۔

## فکری نظام کا جمود

اسلام قیامت تک کے لئے قابل عمل دین ہے اس لئے یہ ایسی رہنمائی فراہم کرتا ہے جو ہر دور کے لئے کافی ہو چنانچہ اس میں کچھ چیزیں تو اصولی قوانین اور ضوابط کی حیثیت رکھتی ہیں اور ہر دور میں ناقابل تغیر رہی ہیں ان کو قوانین کی ”ہیتِ اصلیہ“ کہتے ہیں اور کچھ چیزیں ایسی ہی جو زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق بدلتی رہتی ہیں انہیں قوانین کی ”ہیتِ کذائیہ“ کہتے ہیں تاکہ ہیتِ اصلیہ کی روح برقرار رہے۔ اہل علم و فضل قرآن و حدیث کی روشنی میں وقت کے حالات اور تقاضوں کے مطابق انہیں تشکیل دیتے ہیں ان احکامات اور قوانین کی تشکیل کے عمل کو اجتہاد کہتے ہیں اس اجتہاد کی حدود مقرر ہیں جن کے اندر رہتے ہوئے مسائل نو کا حل پیش کیا جاتا ہے اور یوں مسائل حیات اور ان کے حل سے علم (فقہ) میں توازن برقرار رہتا ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں ”ہیتِ اصلیہ“ کی تشکیل کے عمل میں ارتقاء جاری رہا ہے اور نئے نئے مسائل حیات کا حل ملتا رہا مگر دس بارہ صدیوں کے بعد باطل استحالی قوتوں کے سیاسی تسلط کے زیر اثر اس میں جمود طاری ہو گیا اور امت مسلمہ کی فکریوں بدلی کہ اس نے اجتہاد کے سارے دروازے رفتہ رفتہ بند کر لئے۔ زندگی اپنی رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی نئے نئے مسائل تو پیدا ہوتے رہے مگر ان کا شرعی حل پیش ہونا بند ہو گیا نتیجتاً ان میں توازن بگڑ گیا اور شرعی قوانین اور تعلیمات پر عمل نے اپنے مطلوبہ نتائج کا حقہ پیدا کرنا بند کر دیئے۔ نتائج کا مشاہدہ رک گیا تو اعمال کی نتیجہ خیزی پر سے اعتماد بھی اٹھ گیا اور بے یقینی نے اس کی جگہ لے لی۔ اب ظاہر ہے کہ بے یقینی سے بے عملی ہی پیدا ہونا تھا فقط علم ہی عمل کا داعیہ بیدار کرنے کے لئے کافی نہیں

ہوتا۔

## قوت نافذہ کا چھن جانا

اعمال کی نتیجہ خیزی کے ختم ہونے کی یہ بہت بڑی وجہ ہے کہ سیاسی غلبہ حق کے ہاتھ سے نکل کر باطل کے پاس چلا گیا۔ کسی بھی نظام حیات سے نتائج کما حقہ اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتے جب تک اس کے ساتھ قوت نافذہ (Political Power or Political Sanction) نہ ہو کیونکہ کسی بھی نظام حیات کو عملی تحفظ قوت نافذہ کے ذریعے ہی ملتا ہے جب سیاسی غلبہ کا عملی تحفظ ختم ہو گیا تو شرعی اعمال نے مطلوبہ نتائج کما حقہ پیدا کرنا بند کر دیئے اس سے بے یقینی نے اور بے یقینی سے بے عملی نے جنم لیا۔

جب قوت نافذہ اسلام کے ہاتھ سے چھن گئی تو اسلامی تعلیمات کا اثر و نفوذ معطل ہو گیا حق کی جگہ جب قوت مقتدرہ باطل کے ہاتھ میں چلی گئی تو جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے آفاقی اصول کے مطابق اس سے نتائج بھی باطل ہی پیدا ہونا شروع ہو گئے جبکہ حق محض و عظم کا نام رہ گیا اس طرح نتائج کے بند ہونے کا ایک محرک امت مسلمہ کے ہاتھوں سے قوت و اقتدار کا چھن جانا بنا۔

## فکری تغیرات

اسلام کے فکر میں تغیرات آگئے۔ بنیادی تصورات بدل گئے اور پورا فکری نظام جامد و معطل ہو گیا، جمود تعطل کا شکار نظام موجود رہا۔ مدارس، اساتذہ، علوم و فنون، نصاب اور کتب الغرض ساری فکری متاع اس جامد نظام کے سانچے میں ڈھل کر نکلی سادہ لوح مسلمان فقط اسی بات پر خوش ہو گئے کہ علماء، اساتذہ اور مدارس موجود ہیں قال اللہ قال الرسول ﷺ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں، مساجد بنانے کی آزادی ہے،

نمازیں اور آذائیں دینے پر کوئی پابندی نہیں، اسناد تقسیم ہو رہی ہیں، تقریبات دستار بندی منعقد کی جا رہی ہیں، اسلام کا سارا نظام تو موجود ہے اسلام تو اسی طرح غالب ہے اس کا کچھ نہیں بگڑا، اقبال اسی غلط سوچ پر نوح کناں ہیں:

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت  
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد  
ایک اور مقام پر کہتے ہیں:

وائے ناکامی مشاع کارواں جاتا رہا  
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا  
اس فکری تغیر کے نتیجے میں تعلیمی درسگاہوں سے پھوٹنے والے علم کے سوتے تنقیدی، توجیہی اور تجزیاتی و تحلیلی علم پر مشتمل تھے، علم کے باب میں تخلیق کا عمل رک گیا اور زندگی مسلسل ارتقاء پذیر رہی اب زندگی تین صدیوں کی مسافت طے کر کے بہت آگے نکل گئی مگر علم میں ارتقاء اس تناسب سے نہ ہوا بلکہ جمود کی نذر ہو گیا زندگی کے مسائل انیسویں اور بیسویں صدی کے تھے اور ان کا حل جس مطالعے، علم اور تحقیق کی روشنی میں ڈھونڈا جا رہا تھا پندرہویں اور سولہویں صدی کا تھا جس سے زندگی اور علم کا توازن بگڑ گیا۔ مسائل زندگی سے تنگ آکر افراد قوم نے علم کے باب پر جب یوں دستک دی:

زندگی سے بھاگ کر آیا ہوں میں

اے میرے ہدم مجھے اب تھام لے

تو علم تھامنے کے قابل نہیں تھا۔ علماء، محققین اور خدمت دین کا کام

سرا انجام دینے والے اسلاف کے کام پر ہی اکتفا کرنے لگے وہ ظاہر او قولاً علم میں ارتقاء

کے قائل رہے مگر تحقیقات کی روشنی میں زندگی کے موجود مسائل کا حل تلاش کرنے پر عملاً پابندی لگادی گئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کائنات اور تخلیق کائنات کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ  
وہ اپنی تخلیق میں جو چاہتا ہے بڑھاتا  
(۱:۳۵) جاتا ہے

کائنات اللہ کی تخلیق ہے اور اس کے بارے میں عملی و فکری آگاہی کی جدوجہد انسان کی تخلیق اللہ خالق ہو کر اپنی تخلیق کو نامکمل سمجھتا ہے اور اس میں ارتقاء جاری رکھے ہوئے ہے۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید  
آ رہی ہے دمام صدائے کن فیکون

مگر آج مسلم معاشرے کا زوال زدہ فرد اپنی تخلیق کو مکمل سمجھ بیٹھا ہے اور اس میں ارتقاء کو حرام سمجھتا ہے اور اس میں اضافے کا قطعی قائل نہیں اور اگر کوئی نئی بات کرے تو اس پر فتوے لگادیتا ہے یہ ظلم ہے اور خدائی منصب سے بھی آگے بڑھنے کی بات ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امت مسلمہ کے زوال کا سبب بے شک اسلام پر عمل نہ کرنا ہے مگر عمل یقین کے ناپید ہونے کی وجہ سے چھوٹا اور یقین نتائج کے مشاہدہ نہ ہونے کی وجہ سے ختم ہوا اور نتائج پیدا ہونا دو موثرات کی وجہ سے بند ہوئے۔ ایک سیاسی

مغلوبیت اور دوسرا فکری تغیرات چونکہ موجودہ باب اسلام کے سیاسی عروج و زوال کی بحث سے متعلق ہے لہذا اس میں اسلام کے سیاسی غلبے کی اہمیت و ناگزیریت پر بحث کی گئی ہے کہ یہ نکتہ الم نشرح ہو سکے کہ سیاسی غلبہ اور اقتدار حاصل کئے بغیر معاشرے سے کلی طور پر غیر عادلانہ نظام اور تمام غیر فطری نظام کا خاتمہ ناممکن ہے جبکہ آئندہ ابواب میں فکری تغیرات پر بحث ہوگی۔

اس باب میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا کہ امت مسلمہ اپنی دینی و دنیوی قومی و ملی اور تہذیبی و ثقافتی تشخص کو قوت نافذہ کے بغیر قائم نہیں رکھ سکتی اور ساتھ ہی اس امر پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ سیاسی و سماجی انقلاب اس وقت تک رونما نہیں ہو سکتا جب تک علمی و فکری انقلاب پانہ کیا جائے کیونکہ قوت و اقتدار کا حصول کوئی انقلاب نہیں ظاہر حکومت کو بدل دینا اور باطل نظام کو بیخ و بن سے نہ اکھاڑنا آئمہ کفر کو کیفر کردار تک نہ پہنچانا اور شیطانی و طاغوتی نظریات سے افراد و معاشرے کی لوح دماغ کو پاک نہ کرنا اسلامی انقلاب کا مطمح نظر نہیں ہے بلکہ انقلاب ذہنی و فکری تبدیلی کا نام ہے گویا سیاسی و سماجی انقلاب کے لئے فکری و نظریاتی انقلاب ناگزیر ہے لہذا اس دور میں فکری انقلاب پیا کرنے کے لئے اسلام کے فکری تصورات میں پیدا شدہ تغیرات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

جب سے ملت اسلامیہ پر ہمہ گیر زوال کے دور کا آغاز ہوا، طاغوتی و استعماری طاقتوں نے اسلام کے بنیادی تصورات میں سات قسم کے تغیرات پیدا کئے جو کہ درج ذیل ہیں:

۱۔ سیاسی فکر میں تغیر

۲۔ معاشی و اقتصادی فکر میں تغیر



۳۔ فقہی و قانونی فکر میں تغیر

۴۔ عمرانی و سماجی فکر میں تغیر

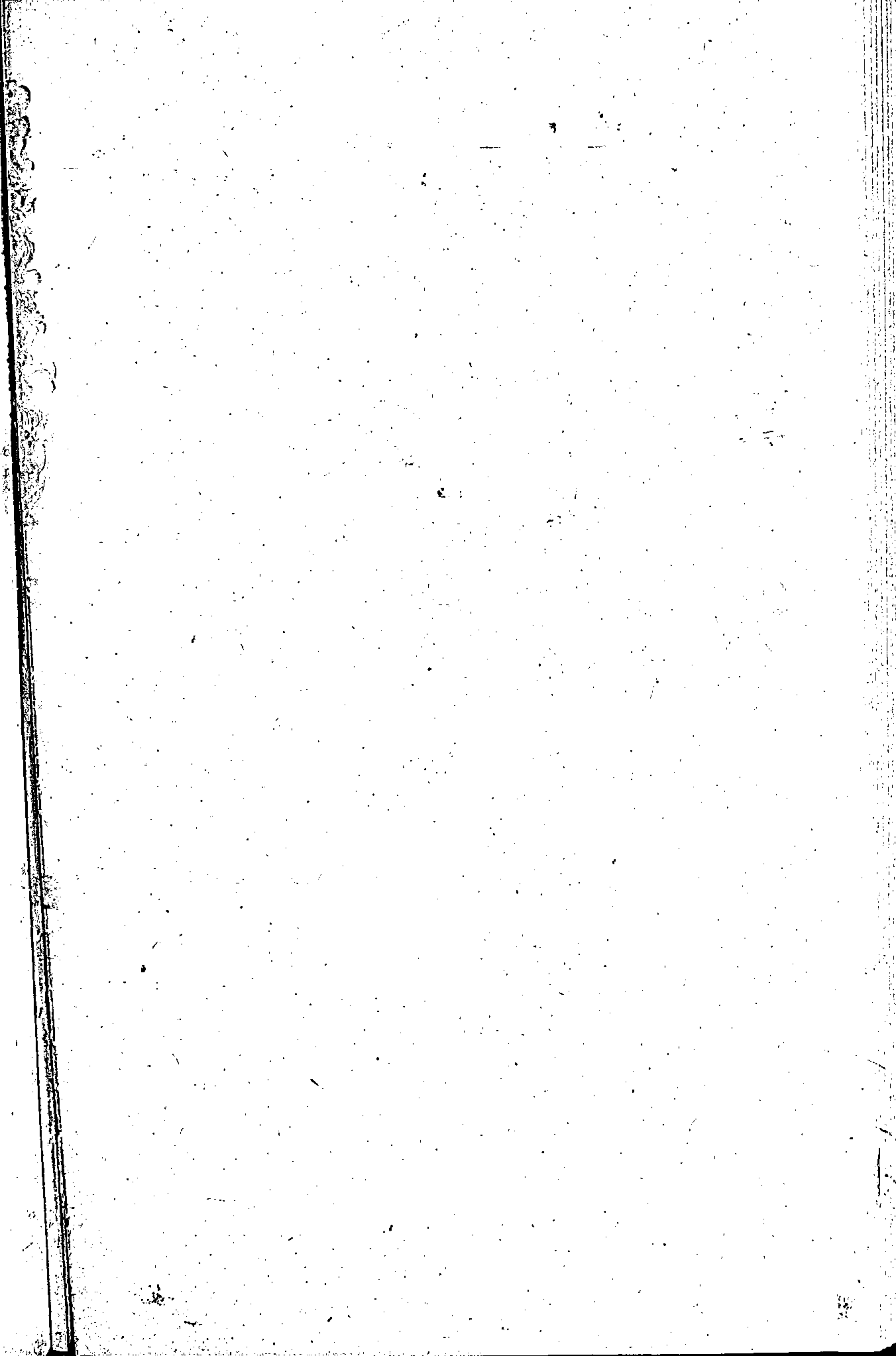
۵۔ تہذیبی و ثقافتی فکر میں تغیر

۶۔ دینی و مذہبی فکر میں تغیر

۷۔ تعلیمی و تربیتی فکر میں تغیر

آئندہ ابواب میں ان تغیرات کا تفصیلی جائزہ لیا جائے گا۔





## حواشی

(باب دوم)

ا۔ جسکا اعتراف اغیار نے بھی کیا ملاحظہ ہوں:

- a. The legacy of Islam: Sir Thomas.W.Arnold
- b. Islamic Culture: E. Rosenthal
- c. Studies in the History of Medical Sc: C.H. Haskins.
- d. A History of historical writings: H.E. Barnes
- e. History of the Arabs: Prof Philip K. Hitti
- f. An introduction to the History of science: George Sorton.
- g. The Making of Humanity: Briffault.
- h. A History of Islamic Spain: W.M. Watt & Cachina
- i. Muhammad the Educator: Robert Gulick L. Junior.
- j. The Political Language of Islam: Bernard Lewis

-k۔ تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات: ابوالحسن ندوی

اور دیگر کئی کتب تاریخ جن کا تذکرہ طوالت کے باعث نہیں کیا گیا۔

۲۔ ان چھ ادوار کی تفصیل یوں ہے۔

۱۔ دور رسالت مآب ﷺ

۲۔ دور خلافت راشدہ

۳۔ دور ملوکیت معاہدہ عمرانی کے ساتھ

۴۔ دور ملوکیت معاہدہ عمرانی کے بغیر

۵۔ ترکان عثمانی کی خلافت کے خاتمہ کے بعد کا دور

۶۔ پندرہویں صدی ہجری کے آغاز کے بعد کا دور

۳۔ ان کا اسم گرامی شیخ جمال الدین تھا۔

۴۔ جس کے شکوہ اور دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ اغیار بھی اسے Suleman the

Magnificent کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ فرانس کے شہنشاہ

فرانس اول کو اس کا لکھا گیا ایک خط جسے فلپ کے ہٹی نے ہسٹری

آف دی عرب میں نقل کیا ہے اس کے شکوہ و عظمت کو ظاہر کرتا

ہے۔

"I who am the Sultan of Sultans, the sovereign of sovereigns, the dispenser of crowns to the monarches on the face of the earth, the shadow of God on earth. The Sultan and sovereign lord of the White Sea, of the Black Sea, of Rumelia

and of Anatolia of Karamania, of the land of Rum, of Zulkadria, of Diarbekia, of Kurdistan, of Azerbaijan, of Persia, of Damascus, of Aleppo, of Cairo, of Mecca, of Madina, of Jerusalem, of all Arabia, of Yemen, and of many other land which my noble forefathers and my glorious ancestors (may God light up their tombs) conquered by the force of their arms and which my August Majesty has made subject to my flaming sword and victorious blade, I sultan Suleman Khan son of Sultan Salim Khan son of Sultan Bayazid Khan to thee, who art Francis, King of the land of France."

(History of the Arabs: Philip K. Hitti)

مغرب سامراج کی یہ سازشیں آج بھی اسی طرح جاری ہیں جس طرح ماضی میں تھیں مقصود ان کا عالم اسلام کو بے دست و پا کر کے مستقل غلامی کی حالت میں رکھنا ہے تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو:

نیورلڈ آرڈر اور عالم اسلام: ڈاکٹر محمد طاہر القادری

یقین اقبال کا خاص موضوع اور ان کی فکر کا عنصر ترکیبی ہے۔ اپنے کلام میں جا بجا یقین کی اہمیت کو علامہ نے اجاگر کیا ہے مگر خطبات میں علامہ کا نقل کردہ فارسی شاعر عرفی کا یہ شعر علامہ کے نزدیک یقین کی اہمیت کو مزید واضح کر دیتا ہے۔

ز نقص تشنه لبی داں و بعقل خویش مناز  
دلت فریب گر از جلوہ سراب نخورد

(خطبات اقبال)

جو تھانا خوب بتدریج وہی خوب ہوا  
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر  
(اقبال)

بقول ہیگل آئیڈیل کی تعریف یہ ہے کہ:

"Ideal is a thing which is ever within reach but never within reach."

دیگر مقامات: ۹:۶۱، ۲۸:۳۸، ۳۳:۹

دیگر مقام: ۱۹۳:۲

گویا غایت شریعت معاشرے کو خوف و غم سے نجات دلانا ہے چاہے یہ ظاہری ہو یا باطنی و اخروی۔

دنیاوی و ظاہری خوف و غم سے نجات: (۳۸:۲)

آخری و باطنی خوف و غم سے نجات: (۱۲۳:۲۰)

ربنا ابصرنا و سمعنا فارجعنا نعمل صالحا انا موقنون O

(۱۲:۳۲)

دیگر مقامات: ۵۸:۳۹، ۱۰۲:۲۶، ۱۶۷:۲

۱۲۔ مغربی مستشرقین مثلاً Von Kermer اور Goldziher وغیرہ اور اس قبیل کے دیگر مستشرقین جنہوں نے تعصب و عناد کی وجہ سے اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پیدا کیں۔

۱۳۔ ان الظن لا یغنی من الحق شیاء (۲۸:۵۳)

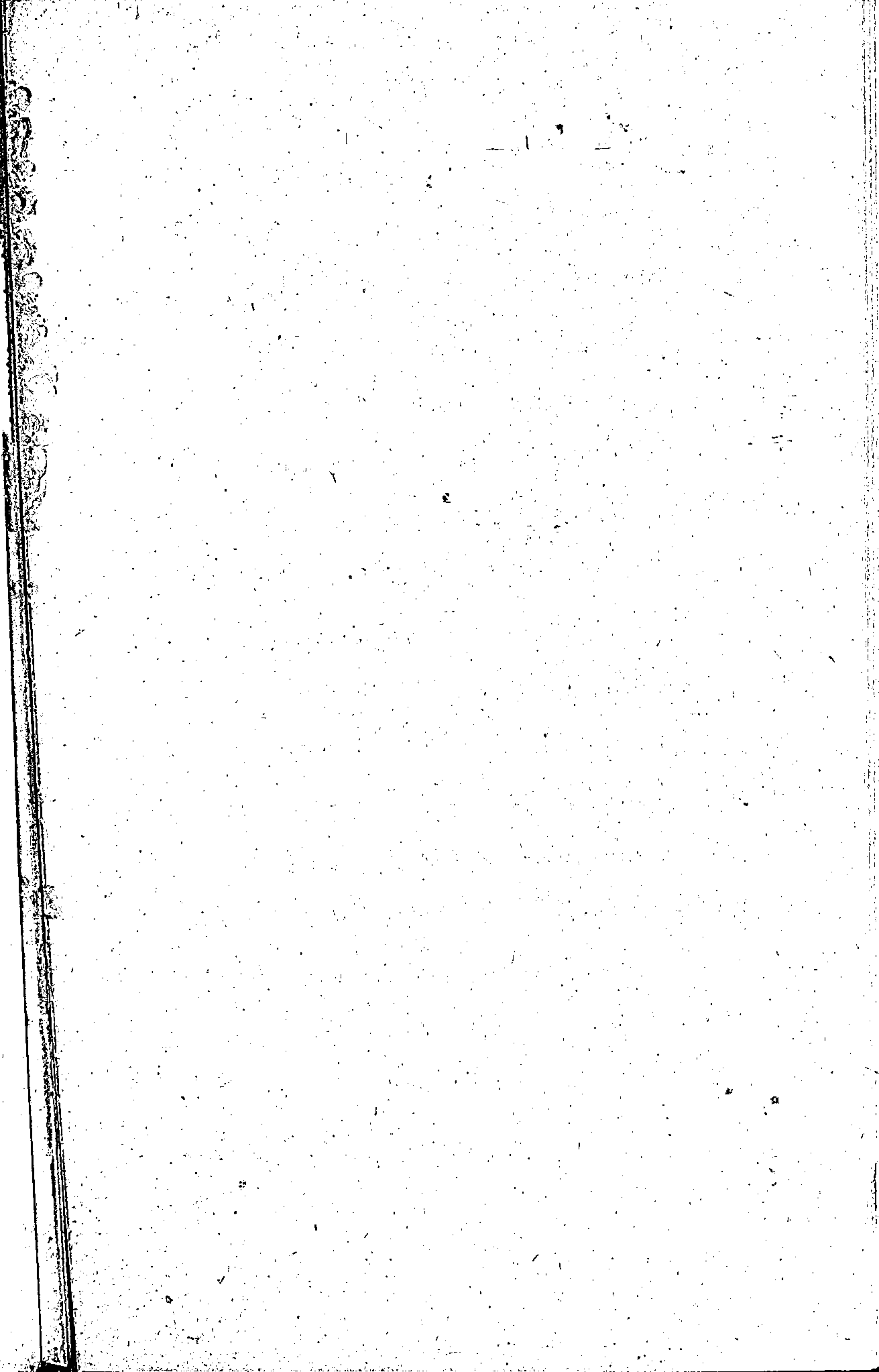
۱۴۔ جس طرح آقا ﷺ کا مقام تمام انبیاء و رسل میں بے مثال ہے آپ کو معراج النبی ﷺ کی شکل میں مشاہدہ بھی بے مثال کروایا گیا ۱۲۔

۱۵۔ دیگر مقامات: ۴۸:۲۸، ۶۱:۹

۱۶۔ کما قال اللہ تعالیٰ فما امن لموسیٰ الاذریۃ من قومہ علی

خوف الخ (۸۳:۱۰)

۱۷۔ کیونکہ سیاسی طور پر حق کے غلبہ کے نہ ہونے کی وجہ سے حدود اللہ اور شعائر اللہ پامال ہونگے۔ جس طرح ہمارے ہمسایہ ملک ہندوستان میں چند سال پیشتر بابری مسجد کا انہدام اور مقبوضہ کشمیر میں درگاہ حضرت بل و درگاہ چرار شریف کی بے حرمتی و انہدام کے سانحے پیش آئے۔

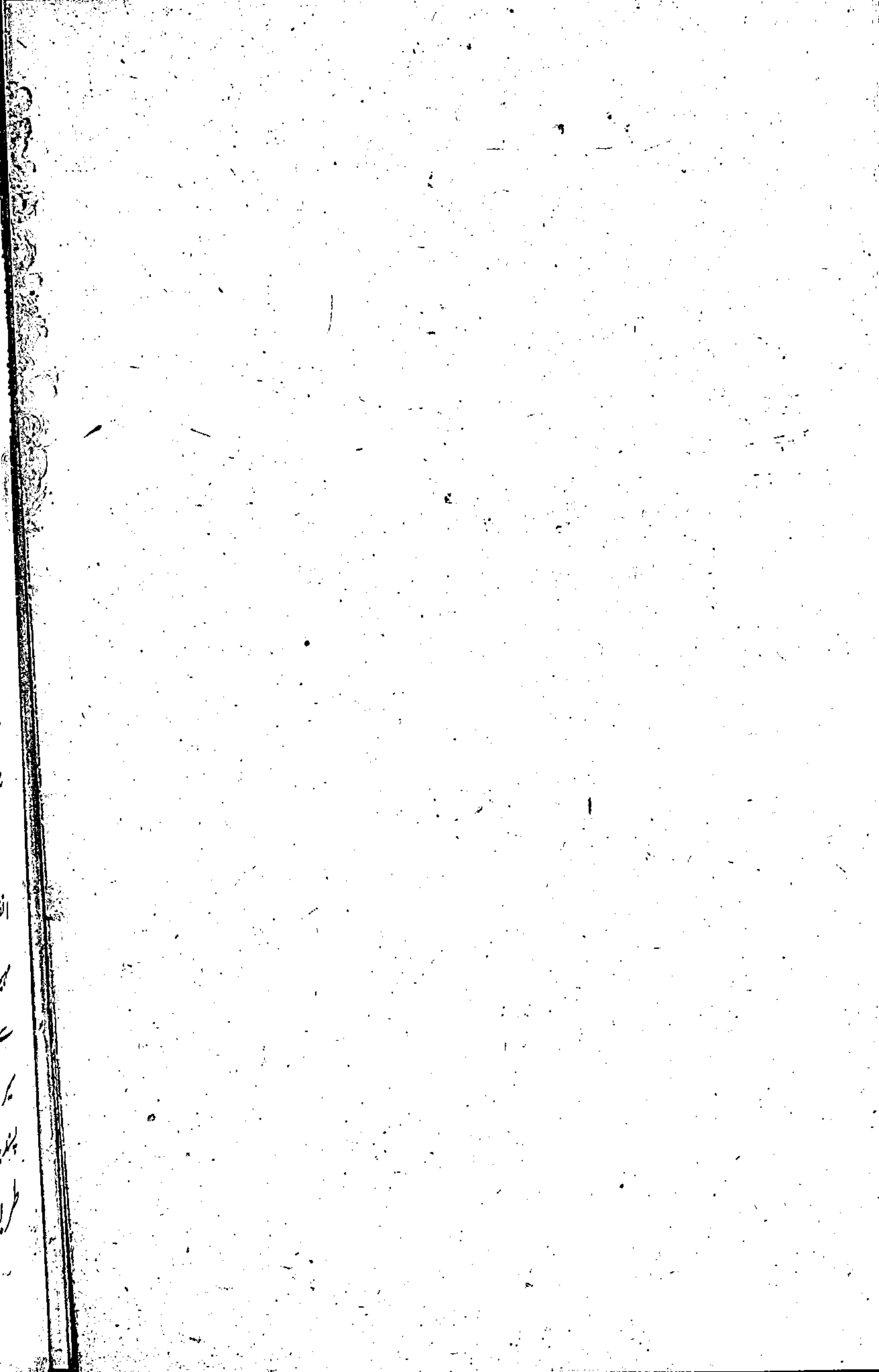




## باب سوم

الذين ان مكنهم فى الارض اقاموا الصلوة واتوا الزكوة وامروا  
 بالمعروف. ونهوا عن المنكر و لله عاقبة الامور. (٤١: ٢٢)

سیاسی فکر میں تغیر



اسلام کا سیاسی فکر ادیان باطلہ پر دین حق کے سیاسی غلبے سے عبارت ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اور پیغمبر انقلاب ﷺ نے اپنے اسوہ مبارکہ میں ملت اسلامیہ کو جو سیاسی فکر دیا وہ یہ ہے کہ:

”امت مسلمہ سیاسی غلبے کے بغیر اپنا کھویا ہوا دینی، علمی، قومی، اسلامی تہذیبی و ثقافتی اور اخلاقی و روحانی تشخص نہ بحال کر سکتی ہے اور نہ ہی حاصل شدہ تشخص کو برقرار رکھ سکتی ہے۔“

یعنی معمول بہ دین کے تینوں گوشوں کی افادیت اور نتیجہ خیزی کا انحصار سیاسی غلبے پر ہے۔ معمول بہ دین کے تینوں گوشوں کی مختصر تفصیل درج ذیل ہے:-

### شریعت

معمول بہ دین کا یہ گوشہ دراصل ایسا جامع و مانع فقہی نظام ہے جو انسان کی انفرادی و اجتماعی اور قومی و بین الاقوامی زندگی کے ہر شعبے کے لئے تفصیلی ضابطہ حیات مہیا کرتا ہے۔ اس کے ماخذ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس ہیں۔ انہی مصادر کے حوالے سے نظام شریعت، عبادات، مناکحات، عقوبات و تعزیرات، معاشیات، سیاسیات، احکام سیر اور بین الاقوامی تعلقات الغرض حیات انسانی کے ہر دائرے میں اعلیٰ اقدار اور پسندیدہ فضائل قائم رکھنے کے لئے مکمل ہدایت فراہم کرتا ہے۔

### طریقت

عقیدہ و عمل کو قال اور جوارح سے خالی بنا کر دل پر وارد کرنے کا نظام

طریقت کہلاتا ہے یہ انسان کے جوارح ظاہری کے اعمال میں اخلاص پیدا کرنے اور قلب و باطن کو ان سے فیض یاب کرنے کا ایسا صوفیانہ طریقہ ہے کہ جس کو موجودہ دور میں بنیادی سطح پر قادری، نقشبندی، سہروردی اور چشتی جیسے سلاسل طریقت زندہ کئے ہوئے ہیں۔

### عقائد و مسالک

یہ ایسے بنیادی مسلمات اور افکار کا نظام ہے جن سے اعمال وجود میں آتے ہیں اور قوم و ملت کا اجتماعی مزاج تشکیل پاتا ہے امت مسلمہ میں ہر دور میں مختلف مسالک موجود رہے اور اب بھی ہیں مثلاً خارجی، رافضی، مرجیہ، قدریہ، جبریہ، معتزلہ، اہل سنت، اہل تشیع اور اہل حدیث وغیرہ۔ موجودہ دور میں ان مسالک میں سے بعض نسبتوں کی حوالے سے تقسیم کیئے گئے ہیں۔ جو فی نفسہ کسی نئے مسلک کی بنیاد نہیں مثلاً بریلوی، دیوبندی، چکڑالوی اور اہل قرآن وغیرہ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ اور یہ معمول بہ دین کا ایک گوشہ ہیں۔

واضح رہے کہ مذکورہ تینوں گوشوں کے انفرادی سطح پر اثرات تسلسل کے ساتھ اگرچہ قائم رہتے ہیں مگر قومی و معاشرتی تاثیر اور نتیجہ خیزی سیاسی غلبے کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ حاصل یہ کہ قرآن مجید اور سنت نبوی ﷺ نے دینی تشخص کی بحالی و بقاء، معمول بہ دین کے جملہ گوشوں کے نفاذ و موثریت اور صالح معاشرتی اقدار کی حیات و ارتقاء کو قوت نافذہ کے حصول کے ساتھ متعلق کیا ہے۔

دور زوال میں جب امت مسلمہ کی حیات اجتماعی تغیرات سے دوچار ہوئی اور اس کے بنیادی تصورات میں مذکورہ بالا تغیرات پیدا ہوئے تو سیاسی فکر میں مندرجہ ذیل سطحوں پر تبدیلیاں آئیں۔

۱۔ فکری سطح پر تغیرات

۲۔ علمی سطح پر تغیرات

۳۔ عملی سطح پر تغیرات

## فکری سطح پر سیاسی فکر میں تغیرات

فکری سطح پر امت مسلمہ کی فکر ان تصورات کی خوگر ہو گئی کہ

(ا) اب دوبارہ ایک زندہ قوم اور امت کے طور پر امت مسلمہ اپنا سیاسی غلبہ

ل نہیں کر سکے گی کہ جس کے نتیجے میں اس کی عالمی شناخت (International

Identity بحال ہو سکے کیونکہ اپنا دور عروج دیکھنے کے بعد معاذ اللہ امت مسلمہ اب

نئی زوال سے دوچار ہو چکی ہے۔

(ب) قرآن اور اسلام میں (معاذ اللہ) اسی دنیا میں حق و باطل کے معرکے

س حق کے غلبے و فتح کی کوئی ضمانت نہیں۔ ہمارا کام جدوجہد کرنا اور جہاد کے طور پر

جنگ جاری رکھنا ہے کامیابی و ناکامی ایک اتفاقی امر ہے۔ اور اصل کامیابی تو آخرت

کامیابی ہے معروضی نتائج کے اعتبار سے اس دنیا میں کامیابی کی کوئی ضمانت نہیں۔

قرآن پاک نے کامیابی کے حوالے سے جو وعدے بیان کئے ہیں وہ یا تو دور نبوت ﷺ

کے حوالے سے تھے یا دور آخرت سے متعلق ہیں ان سے آج کوئی اصول اخذ نہیں کیا

جاسکتا۔

(ج) دنیا میں معروضی نتائج کے حاصل نہ ہونے اور اس کی الوہی اور ربانی

ضمانت کے موجود نہ ہونے کے اصول کو صرف انبیاء سے ہی اخذ کیا جانے لگا اور بعض

مفکرین نے بزعم خود اس امر کو سمجھنا شروع کر دیا کہ کئی انبیاء بھی اس دنیا میں ایسے

آئے جو اپنی جدوجہد کے اعتبار سے اس دنیا میں کامیاب نہیں ہوئے۔ (معاذ اللہ) لہ

## سیاسی غلبہ قرآن و سنت کی روشنی میں

قرآن و سنت کی روشنی میں اسلام کے سیاسی غلبہ کی کیا اہمیت ہے اور ادیان باطلہ کے مقابل اس سیاسی غلبہ کو زمان و مکاں سے وراء کیا ابدی و دائمی مقام حاصل ہے اس کے لئے قرآن حکیم کی درج ذیل آیتیں وضاحت پیش کرتی ہیں۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ  
بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ  
نُورَهُ وَ لَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ. هُوَ  
الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَ  
دِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ  
كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ٥٤  
(٣٣:٩)

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنی آنکھوں سے بجھا دیں اور اللہ (یہ بات) قبول نہیں فرماتا مگر یہ (چاہتا ہے) کہ وہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا دے اگرچہ کفار (اسے) ناپسند ہی کریں۔ وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ اس (رسول) کو ہر دین (والے) پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو برا لگے۔

مذکورہ بالا آیات کریمہ میں ایک تو یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ کے نور سے کیا مراد ہے؟ اس جگہ اللہ کے نور سے حضور نبی کریم ﷺ کی ذات کریمہ بھی مراد لے جائے تو مفہوم وہی نکلتا ہے یعنی اسلام میں مرکز و محور چونکہ حضور نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہے اسلام کا وجود پیغمبر اسلام کی رسالت کے ساتھ قائم ہے حضور ﷺ نے ہی اسلام کو غالب کرنا تھا لہذا وہ لوگ آپ ﷺ کو اذیتیں دیتے رہے معاذ اللہ لا دیتے اور راہ استقامت سے ہٹانے کی اپنی طرف سے بھرپور کوشش کرتے رہے حتیٰ

وہ آپ کو شہید کرنے کے درپے ہوئے وہ مقصد یہ رکھتے تھے کہ اسلام کے چراغ کو گل کر دیں تحریک دب جائے اور منزل و مقصود یعنی اسلام کا سیاسی غلبہ حاصل نہ ہو نور اللہ سے مراد حضور نبی کریم ﷺ بھی ہوں تو غایت اولیٰ آپ کی وساطت سے سیاسی غلبے کا حصول ہی رہتا ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں دوسری اہم بات جس کا یقین ناگزیر ہے وہ یہ ہے کہ کفار کے نور حق کو بجھانے (اطفاء نور حق) سے کیا مراد ہے؟ کیا کفار یہ چاہتے ہیں کہ جبرائیل امین کا حضور ﷺ پر وحی لے کر آنا بند ہو جائے؟ کیا ان کا مقصود یہ تھا کہ رب تعالیٰ کے پیغامات و احکامات حضور ﷺ تک نہ پہنچنے پائیں؟ کیا ان کا ارادہ یہ تھا کہ پیغمبر انقلاب سے جاری ہونے والی حلال و حرام، اوامر و نواہی اور معروف منکر کی تفصیلات جاری نہ ہوں؟ کیا اطفاء نور حق سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی تعلیمات پایہ تکمیل کو نہ پہنچیں؟ کیا وہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت لکم نعمتی کے حکم کو نازل نہیں ہونے دینا چاہتے تھے؟ کیا معرکہ بدر و حنین اسی لئے پاپا ہوا تھا؟ قابل غور امر یہ ہے کہ اگر یہ وہ سب کچھ کرنا چاہتے تھے تو ہرگز نہیں کر سکتے تھے کہ یہ تو ان کی بساط سے ہی باہر تھا۔ ان کی ساری کاوشوں اور کھڑی کی گئی رکاوٹوں کا یہ مقصد ہرگز یہ نہ تھا۔ اطفاء نور حق سے ان کی مراد یہ تھی کہ اسلام سیاسی قوت نہ بننے پائے۔ اسلام کو محض دینی اور مذہبی قوت ماننے کے لئے تو وہ تیار تھے مگر کرسی اقتدار کو اسلام کی ہاتھ نہیں دیکھنا چاہتے تھے وہ چاہتے تھے کہ حلال و حرام کی تفصیلات بے شک اترتی رہیں۔ اوامر و نواہی کی جملہ تفصیلات قابل قبول تھیں حج کا طریقہ مسلمان جو چاہیں اپنائیں مناکحات کے معاملات میں انہیں ہر طرح کی آزادی دی جاسکتی ہے مسلمانوں کی نماز اس کے معینہ اوقات اور اس کے مقام

(مسجد) پر ادا کی جائے اس پر بھی انہیں کوئی اعتراض نہ تھا وہ قوانین وراثت پر  
معارض نہ تھے وہ اپنے سیاسی اقتدار کی موجودگی میں حدود تعزیرات کے نظام کو  
مسلمانوں پر نافذ کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے ہاتھ کٹیں گے، بیچارے  
مسلمانوں کے، کوڑے لگیں گے مسلمانوں کی پشتوں پر اس پر انہیں کیا اعتراض ہو  
تھا؟

ثابت ہوا کہ اطفاء نور حق سے ان کا مطلب یہ تھا کہ سیاسی غلبہ و اقتدار  
کے ہاتھ میں نہ رہے۔ معاشرے کی سیاسی و معاشی چودھراہٹ انہیں کے ہاتھ  
رہے باقی رہے معاملات حیات ان میں مسلمان آزاد ہیں مگر مسلمان اگر باطل  
اقتدار میں تقویٰ کی آرزو کرتے تو یہ بڑا حسین فریب ہوتا وہ چاہتے تھے کہ اسلام ضرور  
ان کے ساتھ رہے، مگر محکوم بن کر، غلام اسلام انہیں قبول تھا مگر قائم اور غالب  
اسلام نہیں قطعاً قبول نہ تھا انہوں نے اپنی سرداریوں اور اقتدار کو خطرے میں دیکھ  
مخالفتوں کی انتہا کر دی انہوں نے دیکھا کہ نبوت کے ذریعے بنو ہاشم کا ایک نوجو  
پورے عرب اور پوری دنیا پر سیاسی غلبہ حاصل کرنے کی بات کرتا ہے وہ ہمارے غلام  
اقتدار اور شرف چھین کر بنو ہاشم میں منتقل کرنا چاہتا ہے اس حسد نے ان کا اندر  
ان کے حواس و عقل کے کام کرنے کی قوت کو مفلوج کر دیا اور انہیں ختم اللہ  
قلوبہم و علی سمعہم و علی ابصارہم غشاوۃ کا لبادہ پہنا دیا سردار مکہ ابو جہل  
یہ قول اس پر شاہد ناطق ہے۔

قال المسور بن محرمہ قلت لا  
بی جہل و کان خالی یا خال  
هل کنتم تتهمون محمد  
”مسور بن محرمہ کرتے ہیں کہ  
نے ابو جہل جو کہ میرا ماموں تھا  
کہا اے ماموں کیا آپ لوگ (ح)



نبی کریم) محمد کے دعویٰ نبوت سے پہلے انہیں جھوٹا کہتے تھے؟ ابو جہل نے کہا خدا کی قسم اے میرے بھانجے! محمد ایسا نوجوان تھا جو ہمارے درمیان امین کہلاتا تھا مگر جب اس کے کچھ بال سفید ہو گئے اس وقت بھی جھٹلایا نہیں جاتا تھا میں نے کہا پھر آپ ان پر ایمان کیوں نہیں لائے؟ اس نے کہا بھانجے! ہمارے اور بنو ہاشم کے درمیان شرف کا جھگڑا ہے۔“

بکذب قبل ان يقول مقالته  
فقال والله يا ابن اختي لقد كان  
محمدًا و هو شاب يسعي فينا  
الامين فلما و خطه الشيب  
لكم يكن ليكذب، قلت يا خال  
فلم لا يتبعون فقال يا ابن اختي  
تنازعنا نحن و بنو هاشم  
الشرف.

یہاں تو ساری لڑائی شرف و اقتدار اور جاہ و منصب کی تھی بنو ہاشم میں ایسے نبی کا ظہور جس کا فرض منصبی غلبہ دین حق اور عالمی سطح پر سیاسی قوت کا حصول تھا، نے ابو جہل وغیرہ کی سرداریاں خطرے میں ڈال دی تھیں سو مصیبتوں کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے مصائب و آلام کی چکیوں میں پیسا جاتا رہا اگر معاذ اللہ حضور ﷺ فرماتے:-  
ابو جہل سرداری اور شرف تمہارا قائم رہے گا اس کو کوئی خطرہ نہیں مجھے تو نبوت محض سجدے سجود کے لئے ملی ہے نمازیں پڑھنے اور تمہیں معاذ اللہ زکوٰۃ اکٹھی کر کے دینے کے لئے ملی ہے اس پر ابو جہل کو کوئی اعتراض ہو سکتا تھا؟ قطعاً نہیں معاذ اللہ استغفر اللہ ثم معاذ اللہ ان کی آنکھوں پر حسد کی پٹی بندھی ہی اس لئے تھی کہ اقتدار چھن کر مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھوں میں منتقل ہوتا وہ دیکھ رہے تھے۔

اگر ہم نے مندرجہ بالا آیات کریمہ (۹: ۳۲، ۳۳) پر غور کریں تو اسلام کے

سیاسی فکر کے حوالے سے درج ذیل بنیادی نکات سامنے آتے ہیں:-

### i۔ سیاسی غلبے کا تصور (Sense of Political Dominance)

آیہ ۹:۲۳ سے یہ حقیقت ہویدا ہے کہ طاغوتی قوت کا ارادہ یہ ہے کہ اسلام کی قوت کو کچل دیا جائے۔ اسلام کو سیاسی اعتبار سے شکست دی جائے تاکہ یہ غالب قوت نہ بن سکے یعنی یہاں دو متضاد ارادے برسر پیکار ہیں:-

۱۔ باطل کا ارادہ اطفاء نور حق یعنی حق کے سیاسی غلبے کی نفی

۲۔ اللہ کا ارادہ اتمام نور حق یعنی اسلام کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کرنا۔

ارادوں کا شعور حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور یہ آیت کریمہ حق اور باطل دونوں کے ارادوں کا شعور عطا کرتی ہے ارادہ باطل یہ ہے کہ اسلام محکوم رہے کفر یہ نہیں چاہتا کہ دین کی تعلیمات ختم ہو جائیں مذہب کا نام و نشان مٹ جائے و عظ تبلیغ رک جائے اور لوگ دین کی تعلیم حاصل کرنا چھوڑ دیں وہ دین کی قوت کو مٹانا چاہتا ہے اس کا ارادہ یہ ہے کہ اسلام رہے مگر محکوم بن کر اور اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ اسلام ایک غالب سیاسی قوت بن کر رہے اس سیاسی غلبے کا تصور یہ آیہ کریمہ دیتی ہے۔

### ii۔ فتح و کامیابی کا غیر متزلزل یقین (Confidence of Victory)

اس آیہ کریمہ میں اہل حق کو فتح کی کامیابی کا غیر متزلزل یقین اور خود اعتمادی دی جا رہی ہے فرمایا وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بچھادیں کیونکہ کفر و طاغوت کی تمام تر مجتمع قوتوں، طاقتوں، گھوڑوں، تلواروں، سواریوں، آلات حرب و ضرب وغیرہ جن میں موجودہ دور کے ٹینک، میزائل، راکٹ، بم، جہاز، توپیں، الغرض ہر قسم کا سامان جنگ شامل ہیں کو صرف ”افواہ“ یعنی پھونکوں سے تعبیر کیا گیا ہے اتنی خود اعتمادی اور غیر متزلزل یقین دیا جا رہا ہے کہ مسلمانوں اگر باطل کی

ساری کاوشیں تمہیں مٹانے کے لئے طوفانوں کی طرح اٹھ کھڑی ہوں ان کا ظاہری ساز و سامان تلاطم خیز سمندر کی طرح بھری ہوئی دیوہیکل موجوں کی صورت میں تمہیں دبانے کے لئے تمہاری طرف بڑھے تو انہیں پھونک سے زیادہ حیثیت ہی نہ دو۔ باطل، طاغوتی، سامراجی، استحصالی طاقتوں کے تمام تر ذرائع تمہارے ماتھے پر پسینہ نہ لائیں۔ گھبراہٹ پیدا نہ کریں بے یقینی اور مایوسی تو دور کی بات ہے پریشانی کو بھی قریب سے نہ گزرنے دیں یہ آلات حرب اور قوت پھونک سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

یقین کو مزید پختگی عطا کرتے ہوئے فرمایا ”یا ب اللہ ان یتم نورہ“ یعنی

اللہ کا انکار فرماتا ہے مگر یہ کہ اپنے نور کو مکمل فرمادے سب شیاطین اپنے قبعین کے

ساتھ مل کر جو چاہیں کر لیں اللہ کو یہ گوارا ہی نہیں کہ اس کا نور بجھ جائے اور اسلام

سیاسی قوت نہ بن سکے وہ ہر حال میں اپنے نور کا اتمام اور اپنے دین کا اکمال کرے گا۔

فرمایا:-

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین

مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری

کردی اور تمہارے لیے اسلام کو

(بطور) دین (یعنی مکمل نظام حیات کی

حیثیت سے) پسند کر لیا۔

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ

اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ

لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِينًا.

(۳:۵)

پھر ارشاد فرمایا:-

الْيَوْمَ يَسُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ  
 دِينِكُمْ فَلَا تَحْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنَ  
 (۳:۵)

آج کافر لوگ تمہارے دین (کے)  
 غالب آجانے کے باعث اپنے ناپاک  
 ارادوں سے مایوس ہو گئے (اے  
 مسلمانو!) تم ان سے مت ڈرو اور مجھ  
 ہی سے ڈرا کرو۔

مایوسی و بے یقینی کفر کا مقدر تھی وہ اس کو مل گئی آج کے بعد کفر کی طاقت  
 سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اللہ سے ڈرو مندرجہ بالا آیت میں واضح کیا گیا  
 کہ مایوسی کفر کا مقدر ہے اور اس کو مل کر رہے گی۔ اتمام و اکمال دین حق کا مقدر ہے جو  
 ہر حال میں اس کو نصیب ہوتا ہے۔

لمحہ فکریہ

”ایوم“ کے ذریعے جب باری تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ مایوسی کفر کا مقدر  
 ہے اور اکمال و اتمام اسلام کا تو کیا ”ایوم“ صرف عہد رسالت مآب ﷺ کے ساتھ  
 ہی خاص ہے اگر عہد رسالت مآب ﷺ کے ساتھ ہی خاص ہے تو نبوت  
 مصطفویٰ ﷺ کے قیامت تک ہونے کے کیا معنی؟ اور قرآنی تعلیمات کے ابدی  
 ہونے کا کیا مفہوم ہوگا؟ اور اگر ہر دور میں یوم ”ایوم“ (کفر کی مایوسی اور حق کے غلبہ کا  
 دن) ہے تو آج صورت حال مختلف کیوں ہے؟ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے آج  
 ہر یوم ”ایوم“ اس لئے نہیں رہا کہ مسلم میدان کارزار میں خود اعتمادی اور فتح کے یقین  
 کے ساتھ سراپا عمل و یقین ہو جاتا اگر ”ایوم“ کا تقاضا پورا کیا جائے کفر کی تمام وتوں کو  
 پھونک تصور کیا جائے اور اپنی کامیابی کا غیر متزلزل یقین ہو تو ہر سورج ”ایوم یس  
 الذین کفروا من دینکم“ کے مژدہ جانفزا کے ساتھ طلوع ہوگا۔

جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا  
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامین پیدا  
(اقبال)

اسی نوعیت کے مفہوم کو یہ آیت بھی کمال صراحت کے ساتھ بیان کر رہی  
ہے۔

اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے حق کو  
حق ثابت فرمادے اور (دشمنوں کے  
بڑے مسلح لشکر پر مسلمانوں کی فتیابی  
کی صورت میں) کافروں کی (قوت اور  
شان و شوکت کی) جڑ کاٹ دے تاکہ  
(معرکہ بدر اس عظیم کامیابی کے  
ذریعے) حق کو حق ثابت کر دے اور  
باطل کو باطل کر دے اگرچہ مجرم  
لوگ (معرکہ حق و باطل کی اس نتیجہ  
خیزی کو) ناپسند ہی کرتے رہیں۔

يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ  
وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ لِيُحِقَّ  
الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ  
الْمُجْرِمُونَ ۝

(۸: ۸۷)

گویا رب ذوالجلال کا ارادہ ایک ہے (غلبہ دین حق کے حوالے سے) وہ نہ بدلا  
ہے نہ بدلے گا سابقہ آیات میں بھی اس کا اظہار تھا اور ان میں بھی اسی کا بیان ہے البتہ  
ہم بدل گئے ہیں ہماری سوچ بدل گئی ہے ہمارا فکر اور یقین بدل گیا ہے وہ تو اپنے کلمات  
کے ذریعے حق کو حق ثابت کرنا چاہتا ہے اور اپنے ارادوں کو پائیہ تکمیل تک پہنچانے کا  
عزم مصمم کرتا ہے اس کا اعلان ”ويقطع دابر الكافرين“ ظاہر کرتا ہے کہ وہ باطل

کی سیاسی قوت اور شان و شوکت کو مسمار کرنا چاہتا ہے، تباہ و برباد اور ملیا میٹ کرنا چاہتا ہے اور جڑوں سے کاٹنے کا مفہوم اس طرح قلع قمع کرنا ہے کہ پھر آسانی سے نہ ابھر سکیں شکست خوردہ ہو جائیں جب یہ ہوگا تو حق حق ثابت ہو جائے گا۔ اور باطل کا بطلان متحقق ہو جائے گا۔

یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ قرآن احقاق حق اور ابطال باطل کی پہچان معروضی نتائج کے اعتبار سے حق کے گلبے اور باطل کے شکست کو قرار دیتا ہے اور ہم نے احقاق حق اور ابطال باطل سے فقط علمی استدلال تک محدود کر دیا ہے قرآن کی اس آیت کریمہ میں احقاق حق کا لازمی نتیجہ ”انقطاع دابر الکافرین“ ہے اور یہی ابطال باطل ہے گویا یہاں علمی طریق پر احقاق حق اور ابطال باطل کی بات نہیں ہو رہی۔ وہ بھی بلاشبہ اس کا ایک رخ ہے مگر ہم نے اس سارے مفہوم کو علمی و استدلالی میدان تک ہی محدود کر دیا ہے جو ”انقطاع دابر الکافرین“ کے زندہ جاندار اور عملی مفہوم کی نفی کے مترادف ہے، کہ قرآن حق و باطل کے معرکے میں معروضی نتائج کی بنیاد پر احقاق حق و ابطال باطل کو بیان کرتا ہے۔

### iii۔ دنیا میں معروضی نتائج کی ضمانت

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن مجید جس غیر متزلزل کامیابی کا یقین عطا کر رہا ہے کیا وہ محض آخرت میں جنت کے حصول اور اجر و ثواب کے مل جانے سے عبارت ہے یا اس دنیا میں باطل کو شکست دے کر حق کو سیاسی طور پر غالب کرنے پر موقوف ہے۔ اگر تو اس کامیابی کو بھی آخرت کی کامیابی میں محصور کر دیا تو پھر اس فکر پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کے سوا کچھ نہیں۔ قرآن مجید تو دو گروہوں (حق و باطل) کو میدان جنگ میں آمنے سامنے کھڑا کر کے ان کی باہمی آویزش کی بات کرتا ہے اور پھر باطل

کے ارادہ ”اطفاء نور حق“ اور حق کے ”اتمام نور حق“ کو بیان کر کے اس دنیا میں بھی حق کو غالب کرنے کی ضمانت فراہم کرتا ہے اگر اس معرکہ کا نتیجہ فقط قیامت ہی کے دن اہل حق کی سرخروئی کی شکل میں ظاہر ہونا ہے تو دنیا کے حساب و کتاب اور خصوصاً دنیا میں احقاق اور ابطال باطل کی کیا صورت ہوگی؟ قیامت کو تو کافر بھی اقرار حق کرتے ہوئے ”یلتینی کنت ترابا“ کہے گا لیکن اس دنیا میں قطع دابر الکافرین سے کیا مراد ہے؟ آخرت کی جزا و سزا کا موضوع اپنی جگہ بجا سہی مگر ہم نے اخروی کامیابی کی آیات کو اور اس دنیا میں پناہ ہونے والے معرکہ حق و باطل کے نتیجہ میں حق کی اس دنیا میں کامیابی کی ضمانت مہیا کرنے والی آیات کو گڈمڈ کر دیا ہے۔

یہاں ایک نکتہ قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے تو کامیابی کا مفہوم فقط آخرت کی کامیابی کو سمجھ لیا ہے اور اس دنیا میں حق و باطل کا معرکہ ہو تو سمجھتے ہیں کہ یہ فقط سیاسی جنگ ہے، فتح و شکست ہوتی رہتی ہے۔ اس کا تعلق حق و باطل کی پہچان سے کیا ہوا؟ یہ تو سیاسی جماعتوں کے سیاسی معاملات اور پروگراموں کی جنگ ہے۔ اس میں کسی کی فتح و شکست کا اس کے حق ہونے یا باطل ہونے سے کوئی تعلق نہیں اسی گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس دنیا میں حق اور اہل حق کی فتح کا تصور دفن کر دیا ہے اور اسے فقط آخرت میں محصور کر دیا ہے حالانکہ قرآن مجید میں آخرت کی کامیابی کی دلیل بھی اس دنیا ہی کی کامیابی کو قرار دیتا ہے۔

ان سے قبل نوح کی قوم جھٹلا چکی ہے  
اور ان کے بعد اور امتیں بھی اور ہر  
امت اپنے پیغمبر کو پکڑنے (یا ان کو  
قتل کرنے) پر تل گئی اور ناحق کے

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ  
وَالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ  
كُلُّ أُمَّةٍ بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ وَ  
جَدَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ

جھگڑے نکالے تاکہ (دین) حق کو  
 ناکام بنا دیں بالآخر میں نے ان کی  
 گرفت کی پھر (دیکھ تو کہ) ہماری سزا  
 کیسی ہوئی ان کو کیسے تباہ و برباد کیا گیا  
 ان کے عالی شان محلوں کے کھنڈرات  
 لوگوں کو درس عبرت دے رہے ہیں  
 ”اور اسی طرح آپ کے رب کی بات  
 کافروں پر ثابت ہو چکی کہ وہ دوزخی  
 ہیں“

الْحَقُّ فَآخِذْ تَهُمْ فَكَيْفَ كَانَ  
 عِقَابِ ۝ وَكَذَلِكَ حَقَّتْ  
 كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا  
 أَنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ۝

(۶۰۵:۳۰)

گزشتہ انبیاء کا ذکر کر کے بتلایا جا رہا ہے کہ پہلے نوح علیہ السلام کی امت  
 انہیں جھٹلا چکی ہے اور ان کے بعد دیگر امم نے بھی انبیاء کی تکذیب میں انہیں جیسا  
 کردار ادا کیا اس مقام پر انبیاء کرام علیہم السلام جو حق لے کر آئے اور ان کی امتوں جو کہ  
 باطل کی علمبردار تھیں کے درمیان معرکوں کا ذکر ہے اور قرآن بتا رہا ہے کہ ہر گمراہ  
 قوم نے اپنی طرف آنے والے رسول کے بارے میں ارادہ کیا کہ اسے پکڑ لیں اس سے  
 جھگڑا کریں اسے شکست دیں انہوں نے حق کو ناکام بنانے کیلئے اس سے ٹکر بھی لی مگر  
 ہوا کیا؟ بجائے اس کے کہ وہ اپنی جدوجہد میں کامیاب ہوتے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی  
 گرفت میں لے لیا اور اس دنیا میں انہیں عبرت ناک سزا دی۔

باری تعالیٰ استفہامیہ انداز میں پوچھ کر حق کی کامیابی کی پختہ ضمانت فراہم کر  
 رہے ہیں سوال کیا جا رہا ہے ”فکیف کان عقاب“ وہ جو حق کے ختم کرنے کے درپے  
 تھے میں نے انہیں گرفت میں لے کر شکست دی بولو! میری سزا کیسی تھی؟ اس جگہ



عقاب سے مراد دنیوی سزا ہے وہ جو پتھر کے عذاب آئے پانی کے سیلاب آئے چہرے مسخ ہو کر سورا اور بندر بن گئے اور نسلیں تباہ ہو گئیں کیا یہ سب کچھ اسی دنیا میں نہیں ہوا؟ آخرت کی بات ہوتی تو عقاب کی جگہ عذاب ہوتا۔ کہ رب ذوالجلال نے منکرین حق کو اسی دنیا میں تباہ و برباد اور نیست و نابود کر دیا۔ ان کے عالی شان محلات کو کھنڈرات میں بدل دیا اور انہیں آنے والی نسلوں کے لئے درس عبرت بنا دیا یہاں انبیائے کرام اور ان کی امتوں کے احوال بیان کر کے ایک ضابطہ دیا جا رہا ہے۔

وَكَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ  
عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّهُمْ أَصْحَابُ  
النَّارِ ۝

اور اسی طرح آپ کے رب کی بات  
کافروں پر ثابت ہو چکی کہ وہ دوزخی  
ہیں۔

(۶:۴۰)

کہ جس طرح اس دنیا میں معرکہ ہائے حق و باطل میں اہل باطل ذلیل و خوار اور تباہ و برباد ہوئے اس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ سچ ثابت ہو گا کہ وہ مرنے کے بعد بھی اہل نار ہوں گے یہاں دنیا کی ہزیمت کو آخرت کی ہزیمت اور دنیا کی فتح کو آخرت کی فتح قرار دیا جا رہا ہے قیامت کے روز بھی شکست و ہزیمت باطل کا ہی مقدر ہوگی۔ کذلک میں کاف تشبیہ ہے یعنی کفار کی آخرت کی ذلت و رسوائی کی بنیاد دنیوی ذلت و رسوائی کو بنایا جا رہا ہے اہل حق تو وہ اس دنیا میں جس طرح عزت و کامیابی سے ہمکنار ہوئے آخرت میں بھی اسی طرح سرخرو ہوں گے رب ذوالجلال نے دنیا میں ابطال باطل کی نہ صرف ضمانت دی بلکہ اسے اخروی ابطال کی دلیل بھی بنایا۔ اہل حق کو کفر کا دنیا میں ہونے والا عقاب دکھا کر سمجھایا جا رہا ہے کہ جب دنیا میں باطل کی رسوائی کا مشاہدہ کر چکے ہو تو یقین کر لو آخرت میں بھی یہی ذلت ان کا مقدر ہے۔

وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ  
فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى وَأَضَلُّ  
سَبِيلًا  
”اور جو شخص اس (دنیا) میں (حق  
سے) اندھا رہا سو وہ آخرت میں بھی  
اندھا اور راہ (نجات) سے بھٹکا رہے  
گا۔“ (۷۲:۱۷)

خالق کائنات تو دنیا کی کامیابی اور ناکامی کو آخرت کی کامیابی اور ناکامی کی دلیل بنا رہا ہے تو کیا دنیا میں معروضی نتائج کی ضمانت کے دعوے پر رب کی یہ دلیل کمزور ہے؟ معاذ اللہ ہر گز نہیں۔ قرآن مجید اس دنیا میں معروضی نتائج پیدا ہونے کی ضمانت دیتا ہے اور پیغمبر انقلاب نے مصطفوی انقلاب کے ذریعے وہ نتائج پیدا کر کے دکھائے ہیں۔

لَيْسَ لَكَ عَلَى الَّذِينَ هُمْ يُشْرِكُونَ  
بَعْدَ الرُّسُلِ  
تاکہ (ان) پیغمبروں (کے آجانے)  
کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر کوئی  
عذر باقی نہ رہے (۱۶۵:۴)

### پیغمبرانہ جدوجہد کی تاریخ

قرآن حکیم نے پہلی امتوں کے احوال یعنی انبیاء کرامؑ اور اہل حق کی مسلسل کامیابیوں اور باطل و طاغوت کی پے در پے ناکامیوں کو بیان کیا ہے اس کا مقصود یہ ہر گز نہیں کہ آپ ان کو فقط سن لیں اور معلومات حاصل کر لیں بعض نام نہاد مفکرین نے مختلف انبیاء کرامؑ کی واقعات بیان کر کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ظاہری نتائج کے اعتبار سے معاذ اللہ انبیاء کرامؑ بھی ناکام رہے استغفر اللہ! کیا انبیاء کرامؑ کی پوری تاریخ ظاہری نتائج کے اعتبار سے ناکامی کی تاریخ ہے؟ کیا تاریخ انبیاء اور امم سابقہ کے احوال کی تفصیل اس طرح بیان کر کے قرآن آقائے دو جہان ﷺ کی

تقویت کا سامان کر سکتا ہے حالانکہ ارشادِ باری ہے۔

وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ  
الرُّسُلِ مَا نُنَبِّئُ بِهِ فُؤَادَكَ وَ  
جَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ  
وَ ذِكْرٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝  
(۱۲۰:۱۱)

اور ہم رسولوں کی خبروں میں سے  
سب حالات آپ کو سنارہے ہیں جس  
سے ہم آپ کے قلب (اطہر) کو  
تقویت دیتے ہیں اور آپ کے پاس  
اس (سورت) میں حق اور نصیحت آئی  
ہے اور اہل ایمان کیلئے عبرت (و  
یاد دہانی بھی)

حضور نبی کریم ﷺ کو حق تعالیٰ فرما رہا ہے کہ محبوب ﷺ ہم پہلے انبیاء اور  
رسل اور ان کی کرامتوں کے احوال و واقعات سناتے ہیں تو فقط اس لئے کہ آپ کا دل  
تقویت پائے ہم قاعدہ سمجھاتے ہیں کہ مشکلات عارضی ہیں تمام انبیاء کرام کو ان کا  
سامنا کرنا پڑا اس دنیا میں ہی کامیابی اہل حق کی ہوگی۔ اہل حق ہی اس دنیا میں کامیاب  
ہوئے اور اہل باطل ذلیل و رسوا ہوئے جیسا کہ سابقہ انبیاء اور ان پر ایمان لانے والوں  
کی تاریخ سے واضح ہے۔ اگر انبیاء کرام اور ان کی امتوں کی پوری تاریخ سے بلا استثناء یہی  
نتیجہ نکلے کہ اس دنیا میں فتح حق اور شکست باطل کا مقدر ہے تب تو اس تاریخ کا بیان  
آقا ﷺ کے قلب اطہر کے لئے تقویت کا باعث بنتا ہے اور اگر سابقہ امم کا بیان یہ  
نتیجہ دے کہ سابقہ انبیاء بھی اس دنیا میں معروضی نتائج حاصل نہ کر سکے وہ بھی معاذ  
اللہ ناکام رہے تو اس سے حضور نبی کریم ﷺ دل برداشتہ ہوں گے نہ کہ آپ کے  
قلب اطہر کو تقویت ملے گی لہذا انبیاء کی ناکامی کا قول کرنا باری تعالیٰ کی الوہیت تاجدار  
کائنات کے منصب رسالت اور قرآن کی حقانیت پر الزام ہے جو ان نادان مفکرین نے

عائد کیا ہے جو اپنی ذاتی شکست اور ناکامی کی خفت اور ندامت کو چھپانا چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ امت کو اس فتنے سے محفوظ رکھے۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محبوب یہ سارے وعدے جو ہم تم سے کر رہے ہیں تم سے پہلوں سے بھی کئے یہ شاعرانہ نہیں بلکہ حقیقت ہے اور چشم فلک ان کے حقیقت ہونے کا نظارہ پہلے بھی کر چکی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ

”اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ سچا

ہے“

(۵:۳۵)

اللہ کی جماعت (کے لوگ) ہی غالب ہونے والے ہیں۔

فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ

(۵۶:۵)

اور تم ہمت نہ ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب آؤ گے اگر تم (کامل) ایمان رکھتے ہو۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

(۱۳۹:۳)

(یہ) دنیا کی زندگی تو محض کھیل و تماشہ ہے اور اگر تم (سرکارِ دو عالم کے باور پر) باور کرو اور (دنیا میں برائیوں سے) بچتے رہو تو وہ (یعنی اللہ) تم کو تمہارے (اعمال کا بہترین) اجر دے گا اور تم سے تمہارے مال طلب نہ کرے گا (بلکہ جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس سے زیادہ تم کو یہاں بھی

فَلَا تَهِنُوا أَوْ تَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتَرَكَكُمْ أَعْمَالَكُمْ

(۳۵:۳۷)

دیدے گا۔

”اللہ تمہارے ساتھ ہے“ کیا خوب وعدہ ہے! فرمایا تمہاری کوششیں بے نتیجہ اور رایگاں نہیں جائیں گی۔ اور تمہارے اعمال اور کادشوں کو ضائع نہیں کیا جائے گا بلکہ کامیابی تمہیں نصیب ہوگی غلبہ حق کے ان سارے وعدوں کے ساتھ یہ اعلان کر دیا۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ  
 اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْآنٌ مُّبِينٌ O  
 (۶۹:۳۶)

اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ یہ تو خالص نصیحت ہے، واضح (صاف) قرآن ہے (آخری کتاب آسمانی ہے)۔

قرآن مبین میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے کوئی شاعری نہیں کی۔ ہم نے قرآن مجید اتارا ہے۔ شعراء تعلق کرتے ہیں۔ بڑھکیں مارتے ہیں اور ایسی باتیں کرتے ہیں کہ جن کا حقیقت اور واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔ ہر وادی میں منہ مارتے ہیں۔ ہم نے جو کچھ کہا ہے حقیقت بنا کر دکھائیں گے۔ اس لئے ہمارے رسولوں کی باتوں کو اور ہمارے وعدوں کو شاعرانہ تعلق مت سمجھنا۔ میرے محبوب ﷺ کا تو منصب ہی اس سے کہیں بالاتر ہے کہ وہ شاعرانہ باتیں کرے۔ ہم نے تو اسے قرآن دیا ہے۔ تمام جہانوں کیلئے نصیحت دی ہے۔ دو ٹوک اصول دیا ہے۔ واضح ضابطہ اور قطعی قاعدہ دیا ہے۔ اس کا مشاہدہ اسی دنیا میں کرواتے ہیں۔ پورے قرآن مجید سے خود اس دنیا میں کامیابی پر غیر متزلزل یقین (Confidence of Victory) حاصل ہوتا ہے۔ بشرطیکہ کوئی اس کا ساکل ہو۔

قرآن کا غیر متزلزل یقین کے عطا کرنے کے اسلوب ہی کا ایک پہلو یہ ہے

کہ وہ اپنی بات کو چیلنج کی صورت میں بیان کرتا ہے۔

وَيَا بِيَّ اللَّهِ إِلَّا أَنْ يُتَمَّ نُورُهُ وَلَوْ  
 كَرِهَ الْكَافِرُونَ O  
 اور اللہ (یہ بات) قبول نہیں فرماتا مگر  
 یہ (چاہتا ہے) کہ وہ اپنے نور کو کمال  
 تک پہنچادے اگرچہ کفار (اسے)  
 ناپسند ہی کریں۔ (۳۲:۹)

جس طرح کوئی شخص کہے کہ میں تمہارے منصوبوں کو ناکام کروں گا اور  
 اسے پایہ تکمیل تک نہیں پہنچنے دوں گا دوسرا جواباً کہے میں اپنا منصوبہ ضرور پایہ تکمیل  
 تک پہنچاؤں گا اور اسے ضرور کامیاب کروں گا خواہ تمہیں میرا یہ عمل کتنا ہی ناگوار کیوں  
 نہ محسوس ہو؟ اس طرح اس آیت کریمہ میں قرآن باطل قوتوں کو چیلنج دے رہا ہے کہ  
 تم اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگاؤ۔ امتام نور اور اسلام کے سیاسی غلبے کا ہمارا منصوبہ پورا ہو کر  
 رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نور کا مکمل ہونا تمہیں چاہے ناپسند ہی کیوں نہ ہو؟ اگر یہ امر  
 تمہیں ناگوار گزرتا ہے سو بار گزرے۔ خواہ تم اس کی راہ میں مزاحم ہو، سر ٹکراتے پھرو  
 مرتے پھرو اور جو تم سے ہوتا ہے کر دیکھو۔ جو ہم نے کہہ دیا ہے وہ ہو کر رہے گا اتمام  
 نور حق ضرور بالضرور ہوگا۔ اور اسلام کو سیاسی غلبہ تمہاری رکاوٹوں، ناگوار یوں کے  
 باوجود یقیناً حاصل ہوگا۔

پھر اس چیلنج کو دہرایا:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى  
 وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ  
 كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ O  
 وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو  
 ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا  
 تاکہ اس (رسول) کو ہر دین (والے)  
 پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو برا  
 (۳۳:۹)

لگے۔ ۵

پھر سورہ انفال میں فرمایا:

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ  
كِرِهَ الْمُجْرِمُونَ

(۸:۸)

اپنے کلام سے حق کو ثابت فرمادے  
اور (دشمنوں کے بڑے مسلح لشکر پر  
مسلمانوں کی فتح یابی کی صورت میں)  
کافروں کی (قوت اور شان و شوکت  
کی جڑ کاٹ دے

باری تعالیٰ باطل کو مختلف انداز سے پکار کر چیلنج فرما رہا ہے۔ کبھی  
کافر کبھی مشرک کبھی مجرم کہہ کر۔ اور باطل قوتوں کو ابھارتا ہے کہ جو کچھ تم سے  
ہو سکتا ہے کر کے دیکھ لو۔ غلبہ اور کامیابی حق کو ہی ملے گی اور ذلت و رسوائی، شکست و  
ہزیمت ہر حال میں تمہارا مقدر رہے گی۔

iv۔ اہل حق کی پہچان (Identification of Righteous People)

مندرجہ بالا قرآنی حوالوں سے اسلام کے بیان فکر کا چوتھا نکتہ یہ معلوم ہوا  
کہ خود اعتمادی اور یقین اہل حق ہونے کی پہچان ہونا ہے۔ اہل حق وہی لوگ ہوں گے  
جن کو اپنی کامیابی اور فتح پر اتنا کامل یقین ہو کہ ڈٹ کر جرات کے ساتھ چیلنج کے انداز  
میں بات کریں گے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ بار بار چیلنج کے انداز میں بات کرتا ہے۔ اگر  
متذبذب ہو گئے کہ نہ جانے کامیابی کس کی ہوگی تو اہل حق کے زمرے سے نکل گئے۔  
اہل حق اور حزب اللہ وہی ہے جو غالب ہو کر رہے اور اسے حصول غلبہ سے پہلے اپنی فتح  
پر اتنا یقین اور اعتماد ہو کہ دشمن، طاغوت اور سامراجی طاقتیں اسے دیوانہ تصور کریں۔  
کافر اس یقین کی کیفیت کو شاعرانہ تعلق سے تعبیر کریں اور استحصالی طاقتیں اسے محض

دیوانے کا خواب قرار دیں۔

آج صورت حال بالکل برعکس ہے۔ حالت یہ ہو چکی ہے کہ اگر بھروسے اور یقین کی بات کی جائے تو خود مسلمان، مسلمان کی بات سن کر تعلق، تکبر اور غرور کا طعنہ دیتے ہیں آج ہم نے بے یقینی کا نام توکل رکھ لیا ہے اور مایوسی کو اپنا مقدر قرار دے دیا ہے۔ ہم بوجھل دل کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ کوشش کرتے ہیں رہی کامیابی اگر اللہ کو منظور ہوا تو مل جائے گی حالانکہ اللہ تو بیان کر چکا کہ۔ ”و یابی اللہ الا ان یتیم نورہ“ اللہ تعالیٰ کو اس کے سوا اور کچھ منظور ہی نہیں کہ اس کا نور اپنے تمام کو پہنچے اور اسلام ہی غالب رہے۔ وہ تو اپنا فیصلہ بنا چکا۔ اس کے بعد کیا تلاش کرتے ہو۔ اللہ کو منظور نہ منظور ہونے کا کیا سوال؟ کیا تمہیں قرآن کے بیان پر یقین نہیں ہے؟ یا پھر قرآن مجید کے بیان کی کوئی نئی راہ وضع کرنا چاہتے ہو یہ تو ذہنی اور فکری سطح پر مایوسی اور بے یقینی ہے اس طرح ہم لاشعوری طور پر کفر کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ حالانکہ حق اور اہل حق کبھی مایوس نہیں ہوتے۔

آج ہم تقریر و تحریر کی سطح تک تو یہ کہتے ہیں کہ مایوسی اور بے یقینی کا تو ایمان سے تعلق ہی نہیں ہے مایوسی کفر اور یقین ایمان ہے مگر سوال یہ ہے کہ یہ اعتقاد عملاً سیاسی جنگ کے دوران بھی رکھا جاتا ہے یا نہیں اور اس کی نتیجہ خیزی کا مشاہدہ ہے یا نہیں؟ کیا آج حق کی بات کرنے والے مبلغین، واعظین اور قائدین اتنی خود اعتمادی کے ساتھ چیلنج کے انداز میں بات کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں کرتے تو ان کے حق ہونے میں ابھی شبہ ہے اور جب شبہ دور ہو جائے تو چیلنج کے انداز میں خود بخود بات ہو جاتی ہے۔



## ۷۔ نتیجہ خیزی کا تسلسل (Continuity of Efficacy)

اسلام کے سیاسی فکر کے باب میں مذکورہ آیت سے جو پانچواں نکتہ ماخوذ ہے وہ یہ ہے کہ قرآن نے ہمیں جو فکر عطا کیا ہے اور معروضی نتائج کے اسی دنیا میں حصول کا جو وعدہ اللہ نے کیا ہے اسے ابدی ضابطہ (Eternal Law) اور اصولی ہدایت (Basic Principle) سمجھ کر آج اسی طرح موثر اور نتیجہ خیز سمجھا جائے جس طرح عہد رسالت مآب ﷺ اور عہد صحابہؓ میں تھا۔ مگر آج اس فکر کو بھلا دیا گیا ہے اور نئے فکر وجود میں آگئے ہیں جو طاغوتی اور سامراجی فکر سے متاثر اور اسلام کی روح کی خالصیت سے خالی ہیں۔

یہ ہے اسلام کا سیاسی فکر جس پر مسلمان کی پوری زندگی کا انحصار ہے۔ مسلمان ادخلوا فی السلم كافة (۲:۲۰۸) کا عملی پیکر اسی وقت نظر آئے گا اور ملت اسلامیہ بحیثیت مجموعی اس وقت پوری اسلام میں داخل ہونے کا دعویٰ کر سکے گی جب اس کے پاس سیاسی غلبہ موجود ہوگا۔

## ۲۔ علمی سطح پر سیاسی فکر میں تغیر

جب فکری سطح پر پاپا ہونے والے تغیر کے نتیجے میں ذہن مردہ ہو گئے۔ اجتماعی طور پر بے یقینی چھا گئی اور محکومی و غلامی سے قوم کے ذہن سازگار ہو گئے ان حالات میں جب سیاسی فکر علم میں بدلاتو علم سیاست کا موضوع فقط ریاست رہ گیا۔ اس پر صرف مجرد ظاہری انداز سے بحث رہ گیا۔ یعنی علم سیاست تو جیہی Interpretive رہ گیا تخلیقی Creative نہ رہا۔

اب سیاسی علم کے دائرہ کار میں موضوع یہ رہ گیا کہ ریاست کیا ہے؟ ریاست کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟ حکومت کیا ہے؟ حکومت کے ادارے کیا ہیں؟ مقننہ

انتظامیہ عدلیہ کیا ہیں؟ ان کے حقوق و فرائض کیا ہیں؟ حاکم و محکوم کے درمیان کیا تعلق ہے؟

مگر یہ سوال علم سیاست کا موضوع ہی نہ بن سکا کہ اگر کوئی قوم غلام ہو جائے تو غلامی سے اٹھ کر پھر کس طرح زندہ ہو سکتی ہے۔ اگر کسی قوم کا اقتدار اس سے چھین جائے تو پھر کس طرح انقلاب پیا کر کے حکومت لے گی۔ اسلامی ریاست کیا ہے؟ علم سیاست صرف اس سوال میں الجھ کر رہ گیا اور یہ سوال اس کے دائرہ سے خارج ہو گیا کہ اگر کوئی اسلامی ریاست قائم کرنا چاہے تو کس طرح کرے گا قوم محکوم ہو جائے تو حاکم کس طرح بنے گی؟ غلام ہو جائے تو غالب کس طرح ہوگی؟ اقتدار چھین جائے تو واپس پلٹ کر اس کے ہاتھ میں کس طرح آئے گا۔ اسلامی ریاست کے قیام کی تدبیر کیا ہوگی؟ اگر قومی اور ملی احوال حیات بدلنے ہوں تو یہ انقلاب کس طریق پر آئے گا؟ یہ سوال علم سیاست کے دائرے سے خارج ہو گیا آج علم سیاست کی ابتداء سے آخری درجے تک کی تعلیم و تدریس میں اس سوال کا وجود ہی نہیں ہے۔ جو کچھ موجود ہے اس کے بارے میں پڑھتے چلے جاؤ۔ اور اگر اسے بدلنا چاہو تو اس کے بارے میں کچھ رہنمائی موجود نہیں۔ آج کا نصاب ایک غلام قوم کے لئے مناسب ہو سکتا ہے مگر ایک زندہ قوم کی ضروریات پوری نہیں کرتا کہ ایک گرتی ہوئی قوم کو سوائے عروج گامزن کرنے کی تدبیر فراہم کرنے سے یہ نصاب عاجز ہے۔

### ۳۔ عملی سطح پر سیاسی فکر میں تغیر

جب علمی سطح پر تغیر کے نتیجے میں نصاب تعلیم نے انقلاب کی تدبیر ہی نہ بتائی تو عملی میدان میں بھی وہی لوگ آئے جو غیر انقلابی (Status quo) ذہن کے مالک تھے انہوں نے اپنی تمام سیاسی جدوجہد موجودہ سیاسی ڈھانچے سے سازگار ہو کر ہی

کی۔ آج معاشرے میں موجود لادینی (Secular) نظام اور مبنی بر استحصال طاغوت کے سیاسی ڈھانچے سے عملاً سازگاری پیدا کر لی گئی ہے۔ اہل دین نے خود کو مروجہ سیاسی ڈھانچے میں اتار کر آنے والی نسلوں کو اتنا متنفر کر دیا ہے کہ ہر صاحب درد شخص اپنا ہتھ بے لوث دین و ملت کے ساتھ مخلص قیادت کو اس کوچہ سیاست میں داخل ہونے سے باز رہنے کا مشورہ دیتا ہے۔ کبھی بھی زعماء، قائدین اور اسلام کا نام لینے والے حکمرانوں کی طرف سے خالص اسلامی سیاسی ضوابط کو معاشرے میں رائج کرنے کا اقدام نہیں کیا گیا۔ عدلیہ، انتظامیہ، مقننہ الغرض حکومت کے ہر شعبے میں عملاً وہی صدیوں پرانا نظام رائج ہے جو سامراج ہمیں جاتے وقت تحفے میں دیا گیا تھا۔ نظام انتخابات کا جائزہ لیا جائے تو سب استحصال، ظلم اور سنگی بربریت کا مظاہرہ ہے۔ کسی اسلامی یا غیر اسلامی (Secular) قیادت نے کبھی اس ظالمانہ سامراجی نظام کو بدلنے کی بات نہیں کی۔ اگر کہیں ہوئی ہے تو زبانی جمع خرچ۔ عملاً اس کیلئے کچھ بھی نہیں کیا گیا۔ اور خود کو اس نظام میں داخل کر کے اس کے تحت انتخابات لڑے جاتے ہیں۔ اس باطل نظام کے ساتھ عملاً سازگاری ہی اس دور زوال میں اسلام کے سیاسی فکر میں عملی تغیر ہے۔ جس کے باعث اسلامی تصور سیاست کا عملی تشخص برقرار نہیں رہا۔ دینی جماعتوں نے بھی سیکولر انداز سیاست اور سوچ اپنالی ہے۔ لادینی جماعتوں کے ساتھ اتفاق و اتحاد کر کے ان کے شانہ بشانہ چل رہے ہیں۔ کسی کے پاس ملکی سیاسی بنیاد ہے تو کسی کے پاس علاقائی اور لسانی اساس۔ کوئی اپنے آپ کو غیر عوامی سوچ میں محدود کئے ہوئے ہیں تو کوئی لادینی انداز سیاست کا پرچار کر رہا ہے۔ اسلام فقط عوام کو دھوکہ دینے کا ایک بہانہ اور ہوس اقتدار کو طول دینے کا ایک خوش کن نعرہ بن کر رہ گیا ہے۔ جبکہ عملی سطح پر باطل کے سیاسی ڈھانچے سے سازگاری دوغلی پالیسی اور خبیث و طیب کا ملاپ دین و ملت کی

تباہی و بربادی ہے جسے اسلام قطعاً پسند نہیں کرتا۔

باطل دوائی پسند اور حق لا شریک ہے  
شرکت میان حق و باطل نہ کر قبول  
(اقبال)

ارشاد ربانی ہے۔

ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً

اسلام میں پورے پورے داخل

ہو جاؤ۔ (۲۰۸:۲) ء

لہذا معاشرے کے ہر ایک نظام اور شعبہ حیات کو احکام اسلامی کے تابع کرنا

ضروری ہے۔

## نظام انتخابات

باطل کی غنڈہ گردی، لوٹ مار، دھاندلی، بے ایمانی اور منافقت پر مشتمل

طریق انتخابات کو لات مارنے کی ضرورت ہے۔ اسلام نے بے شک قیام اقتدار اور

تشکیل حکومت کے لئے انتخابات کا ذریعہ تجویز کیا ہے لیکن صاحبان بست و کشاد کیلئے

ضروری ہے کہ وہ ہر دور میں اسلام کی روح کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہر دور کے تقاضوں

اور ہر ریاست کے مخصوص سیاسی حالات کے مطابق اس ذریعہ انتخاب کے طریقہ کار

اس کے دیگر لوازمات و ضروریات کا فوراً تعین کریں۔ اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں کہ

روح اسلام کو مجروح کر کے باطل اور طاغوتی و سامراجی طاقتوں کے نظام کو اپنایا

جائے۔ ۹

## انتخابات کے لئے امیدوار کی شرائط اہلیت

غیر عادلانہ غیر منصفانہ طاغوتی نظام کو ٹھکراتے ہوئے عین اسلامی تقاضوں

کے پیش نظر امیدواروں کے لئے کم از کم درج ذیل چھ شرائط کا عائد کرنا ضروری ہے۔

۱۔ ایمان

۲۔ عمل صالح

۳۔ کم از کم معیار تعلیم کا تعین

۴۔ شخصی وجاہت و استحکام

۵۔ حکمت و دانائی / تدبیر و بصیرت

۶۔ فیصلہ کن اور موثر بیان کی اہلیت

ووٹرز کے لئے کوئی شرط نہیں ریاست کا ہر عاقل و بالغ فرد رائے دہی کر سکتا

ہے۔

## سیاسی جماعتوں کی اہلیت

ارباب بست و کشاد کیلئے ضروری ہے کہ سیاسی جماعتوں کے تنظیمی ڈھانچے، منشور اور قیادت کو سامنے رکھ کر ان جماعتوں کی اہلیت کا تعین کریں۔

## سیاسی ڈھانچہ

نظام حکومت اور ریاست کے سیاسی و تنظیمی و انتظامی ڈھانچے کی تشکیل کے سلسلے میں اسلامی ہدایت پر عمل کیا جائے۔

یہ حقیقت واضح ہو چکی کہ قوت نافذہ و حافظہ کا حصول ہی معمول بہ دین کے جملہ گوشوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اور یہ سیاسی و سماجی غلبے کے بغیر ممکن نہیں۔

اور سیاسی و سماجی انقلاب اس وقت کارگر ہو گا جب ذہنی و فکری انقلاب پیا ہو۔ اور ذہنی و فکری انقلاب کیلئے اسلام کے اصلی سیاسی فکر میں رونما ہونے والے علمی و عملی دونوں سطحوں کے ان تغیرات کا ادراک اشد ضروری ہے جنہوں نے اسلامی روح کو مضحک

اور اسلام کے اصل چہرے کو مسخ کر دیا ہے اور جن کی وجہ سے ملت اسلامیہ سیاسی اعتبار سے اپنا ہیج ہو کر رہ گئی ہے۔

اسلام آج بھی ایک زندہ سیاسی قوت ہے۔ غلبہ و اقتدار جس کا مقدر ہے اقوام عالم کی رہنمائی جس کا شعار اور منصب حقیقی ہے۔ سیاسی اعتبار سے مغلوب ہو کر رہنا اس کی موت ہے۔ آج انقلاب کے ذریعے اسلام کے علمی، فکری، نظریاتی اور عملی چہرے پر موجود تغیرات کے نقاب نوچنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ اسلام عالم سطح پر ایک قوت بن کر ابھر سکے۔

# حواشی

(باب سوم)

تفصیل کیلئے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ”پیغمبرانہ جدوجہد اور اس کے نتائج“ از ڈاکٹر محمد طاہر القادری

مدظلہ

۲۔ ”حصول مقصد کی جدوجہد اور نتیجہ خیزی“ از ڈاکٹر محمد

طاہر القادری

دیگر: ۶۱: ۸

یہ نتیجہ ہے شکست خوردہ فکر کا بقول اقبالؒ

میر سپاہ ناسزا لشکریاں شکستہ صف

آہ وہ تیر نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف

میں جانتا ہوں انجام اس کا

جس معرکے میں ملا ہوں غازی

(بال جبریل)

۲۶: ۲۷

دیگر مقامات: ۳۸: ۲۸، ۶۱: ۹

اذ يقول المنافقون والذين في قلوبهم مرض غر هؤلاء

دينهم الخ (۸: ۳۹)

اسلام کے سیاسی فکر کی عظمت کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم دور

آزادی و غلبہ کے دور اور آج کے دورے کے فکری رویوں کا تقابلی جائزہ لیں۔ آج ملت اسلامیہ اجتماعی سطح پر۔

ذہنی، فکری و علمی تغیرات

عملی تغیرات

کاشکار ہو چکی ہے۔ ذہنی و فکری اور علمی سطح پر زوال پذیری کا نتیجہ یہ نکلا کہ۔

سیاسی غلبے کا شعور ختم ہو گیا

دنیا میں معروضی نتائج کی ضمانت نہ رہی بلکہ معروضی نتائج کو مخصوص حالات کے ساتھ متعلق کر دیا گیا۔

باطل کے مقابلے میں اپنے حق ہونے کا یقین نہ رہا۔

وعدہ الہی کی حقانیت کا وہ ادراک نہ رہا جس کا اعلان قرآن کرتا ہے۔  
(۶۰:۳۰)

یہ سب نتیجہ ہے حریت فکر و روح قرآن سے بیگانگی کا:

سرور جو حق و باطل کے کارزار میں ہے

تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے!

جہاد میں بندہ حر کے مشاہدات ہیں کیا؟

تری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہیے!

بیاں میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے

ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے!

(ضرب کلیم)



۸۔ بہادر شاہ ظفر آخری مغل بادشاہ تھا۔ اس کے ذریعے مسلمانوں کو سیاسی اقتدار میسر تھا۔ اس دور میں جنگ آزادی لڑی گئی۔ اس جنگ میں علماء پیش پیش تھے۔ یہ سیاسی بیداری تھی کہ مسلمانوں کا سیاسی اقتدار بحال ہو۔ یعنی علماء مدرسوں خانقاہوں میں بیٹھ کر درس تدریس تک محدود نہ رہے بلکہ کم و بیش ایک صدی تک لڑی جانے والی جنگ آزادی میں علماء پیش پیش رہے۔ یہ ان کا سیاسی شعور تھا کہ اقتدار اسلام کے ہاتھوں سے چھن کر کفر کے ہاتھوں میں نہ جائے۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے برصغیر میں اناج کی ذخیرہ اندوزی کا فیصلہ کیا تو مولانا فضل حق خیر آبادی نے اس کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر معاشی طور پر قوم کو مفلوج کیا گیا تو ان کا ایمان اور اسلام ملی تشخص سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔ یہ نتیجہ ہوتا ہے معاشی آزادی کے سلب ہو جانے کا۔

سیاسی مسئلہ کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو۔

سیاسی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل از ڈاکٹر طاہر القادری مدظلہ

تفصیل کیلئے: سیاسی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل: ڈاکٹر طاہر القادری

ایضاً

۹۔ کیونکہ حقیقی اسلامی فکر سے ہی قومی و ملی مقدر کی تعمیر و تشکیل کی سوچ برآمد ہو سکتی ہے۔

۱۰۔ ہو بندہ آزاد اگر صاحب الہام

۱۱۔ ہے اسکی نگہ فکر و عمل کے لئے مہینز

اسکے نفس گرم کی تاثیر ہے ایسی  
 ہو جاتی ہے خاک چمنستاں شرر انگیز  
 اس مرد خود آگاہ و خدامت کی صحبت  
 دیتی ہے گداؤں کو شکوہ جم و پرویز  
 محکوم کے الہام سے اللہ بجائے  
 غارت گر اقوام ہے وہ صورت چنگیز

(ضرب کلیم)



## باب چہارم

لن تنالوا البر حتى تنفقوا مما تحبون. (۹۲:۳)

معاشی فکر میں تغیر

مش  
دار  
اسلام  
فرد  
تلمی  
ایچ  
مک  
جاک  
مک

اس دور زوال میں جس طرح سیاسی زندگی میں تغیر آیا اور فوجی محاذ پر ہونے والی شکست کو دائمی شکست میں بدلا گیا اس طرح مسلمانوں کی معاشی زندگی بھی تغیرات سے دوچار ہوئی۔ اسلام کے معاشی نظام میں پیدا ہونے والے مختلف تغیرات پر بحث سے قبل ہم اسلام کے معاشی نظام کا جائزہ لیتے ہیں:-

اسلام کے معاشی نظام کی بنیاد جس فکر پر رکھی گئی ہے اس کا بنیادی نکتہ 'فلاح عامہ اور ریاست کے ہر شہری کو ضروریات زندگی کی فراہمی ہے۔' برصغیر اور عالم اسلام کے دیگر خطوں میں زوال سے قبل رائج معاشی نظام مخصوص قسم کا منصب داری نظام تھا۔ اسلامی سلطنت معتمد افراد کو ایسی جاگیریں دیتی تھی جنہیں ملکیت مطلقہ (غیر مشروط ملکیت) نہیں تھی وہ معتمد افراد ریاست کے منصب دار کہلاتے تھے۔ یہ منصب دار بڑھ چڑھ کر ملک و ملت کے دفاع دین کی ترویج اور عوام کی خدمت کرتے تھے۔ اسلامی سلطنت کیلئے افرادی قوت فراہم کرنا ان منصب داروں کا کام تھا۔ علاقے میں فروغ تعلیم کی ذمہ داری بھی انہیں کے ذمے ہوتی تھی۔ جاگیر میں بسنے والے افراد کی تعلیمی، معاشی اور سماجی حالت سنوارنا ان کے فرائض منصبی میں شامل تھا جو منصب دار اپنے حیطہ اقتدار میں بسنے والے مسلمانوں کو بہترین تعلیمی، اقتصادی و معاشی اور مثالی سماجی و معاشرتی زندگی مہیا کرتا اسے اس کی خدمات کے صلے کے طور پر نوازا جاتا۔ اس جاگیر پر ملکیت سلطنت کی قائم رہتی تھی منصب دار کی قطعاً ملکیت نہ ہوتی تھی۔ جاگیر کو نہ تو محض ذاتی منفعت و مفاد کیلئے استعمال کر سکتا تھا اور نہ ہی اسے ناقابل کاشت چھوڑ

سکتا تھا۔ حکومت کے ساتھ طے شدہ معاہدے کی شرائط پر اسے عمل پیرا ہونا پڑتا تھا۔ بصورت دیگر وہ جاگیر اس منصب دار سے چھین کر کسی اہل ہاتھ میں منتقل کر دی جاتی تھی۔ جو پوری دیانتداری اور ایمانداری کے ساتھ عوام کی فلاح و بہبود کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکتا۔

### منصب دارانہ نظام کی اصل سنت مطہرہ سے

مذکورہ الصدر منصب دارانہ نظام دور نبوت ﷺ اور خلافت راشدہ میں قائم ہوا۔ اور اسلام کے سیاسی غلبہ کے ہر دور میں قائم رہا جس کسی کو مشروط جاگیر دی جاتی اگر وہ اپنے حیثہ اقتدار میں بسنے والے لوگوں کی کفالت کا کماحقہ انتظام و انصرام نہ کرتا یا اگر وہ اس کے تصرف و استعمال سے بڑھ جاتی اور خالی پڑی رہتی اس مشروط جاگیر کے صحیح استعمال کے جملہ تقاضے پورے نہ کرنے کی وجہ سے سلطنت اس سے جاگیر واپس لے لیتی۔ اس ذیل میں دور نبوت ﷺ اور دور خلافت راشدہ کی ایک مثال دی جاتی ہے۔

حارث بن بلال بن حارث المزنی اپنے والد گرامی سے روایت کرتے ہیں۔

ان رسول اللہ ﷺ اقطعہ العقیق اجمع قال فلما كان زمان عمر قال البلال: ان رسول اللہ ﷺ لم تعطك لتحتجره من الناس انما اقطعك لتعمل فخدمتها

”رسول اللہ ﷺ نے ان کو عقیق کی پوری زمین عطیہ دی تھی۔ جب عمر فاروق کا زمانہ آیا تو آپ نے بلال سے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے عطیہ زمین اس لئے تو نہ دی تھی کہ نہ خود استعمال کرو نہ لوگوں کو استعمال کرنے

ما قدرت علی عمارتہ ورد  
الباقی  
دو۔ آپ نے عطیہ اس لئے دیا تھا کہ  
اس میں زراعت کاری کرو خود اتنا رکھو  
جتنے کی آباد کاری کر سکتے ہو باقی واپس

لوٹادو“

اس واقعہ کو یحییٰ بن آدم، عبد اللہ بن ابی بکر کے حوالے سے مزید وضاحت  
کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

”بلال بن الحارث المزنی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر  
ہوئے۔ اور زمین کی جاگیر کیلئے درخواست کی۔ آپ ﷺ نے ایک لمبا چوڑا قطعہ زمین  
انہیں عطا فرمایا بعد میں سیدنا عمر فاروقؓ جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپؓ نے  
بلالؓ سے کہا۔ ”تم نے رسول اللہ ﷺ سے لمبا چوڑا قطعہ زمین طلب کیا تھا۔ اور رسول  
اللہ ﷺ نے تمہیں عطا کر دیا تھا۔ کیونکہ آپ ﷺ سائل سے کبھی کوئی چیز نہیں  
روکتے تھے۔ لیکن تم ایسی مقبوضہ زمین کو سنبھالنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ بلالؓ نے کہا:  
یہ ٹھیک ہے عمر فاروقؓ نے فرمایا: ”اتنا لو جتنا سنبھال سکو اور جس کی کاشتکاری پر قادر  
نہیں ہو وہ ہمیں لوٹادو تاکہ ہم مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیں۔“ اس پر بلالؓ نے  
کہا: ”خدا کی قسم میں اس معاملے میں کچھ نہیں کرونگا۔ کیونکہ یہ عطیہ مجھے رسول  
اللہ ﷺ نے عطا کیا ہے۔“ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”خدا کی قسم تمہیں ضرور تعمیل کرنا  
ہوگا“ چنانچہ آپ نے بلالؓ سے اس زمین کا اتنا حصہ لے لیا تھا جس کی وہ آباد کاری نہیں  
کر سکتے تھے۔“

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام کو جاگیر  
عطا فرماتے تھے وہ انہیں آباد کرتے لوگوں کو معاشی تعطل سے نجات دلاتے اور جو اسے

باقاعدہ آباد کرتا یا حکومت کی طرف سے عائد کردہ فرض منصبی ادا نہیں کر سکتا تھا اس سے جاگیر واپس لی جاتی تھی۔

عالم اسلام میں یہ مخصوص قسم کا نظام قائم رہا۔ کیونکہ اس کے اندر لوگوں کے معاشی استحکام کی ضمانت تھی۔ منصب داروں کو معلوم تھا کہ اگر ان کے حیطہ اقتدار میں عوام معاشی تعطل میں مبتلا رہے انہیں ضروریات زندگی باسانی میسر نہ آسکیں انہیں بہترین تعلیمی سہولتیں مہیا نہ کی گئیں۔ ملت کی دفاعی قوت پر ان کی جاگیر سے کچھ خرچ نہ ہو اور حکومت کے بازو مضبوط نہ کئے گئے تو جاگیریں ان سے واپس لے لی جائیں گی گویا وہ جاگیر قومی، ملی، تعلیمی اور مذہبی خدمت کیلئے مشروط ملکیت کے ساتھ دی جاتی اور حکومت کے پاس منصب دار کی عدم اہلیت کی صورت میں معاشرے کی طرف سے جو ملکیت محفوظ رہتی تھی۔

### دینی مدارس اور روحانی خانقاہوں کا نظام

منصب دار دینی مدارس اور روحانی خانقاہوں کے اخراجات اپنے ذمے لیتے تھے۔ مدارس میں سینکڑوں ہزاروں طلبہ اور خانقاہوں میں درویشوں، صوفیاء اور مساکین کی کثیر تعداد کی کفالت کے لئے جاگیر کے مخصوص حصے وقف کر دیتے تھے جس سے طلباء فکر معاش سے بے نیاز ہو کر علمی سیرابی حاصل کرتے اور روحانی تربیت پانے والے سالک تربیت میں حصول کمال کیلئے ہمہ تن مصروف رہتے۔ سب کی معاشی کفالت کا انتظام ہوتا۔ اساتذہ و مشائخ بھی بے نیاز ہوتے جو کوئی جس سطح پر آگے بڑھانا چاہتا معاشی پریشانیوں سے بے نیاز منزل کی طرف رواں دواں ہوتا۔

تاہم اگر بعض اساتذہ مشائخ اور صوفیاء اپنے کمال زہد و اتقاء کی وجہ سے خود کما کر کھانے کا اہتمام کرتے تو ان پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی۔ مگر منصب دار جن کی



کفالت کرتا، محض معاش کی وجہ سے ان کی عزت نفس مجروح نہیں کر سکتا تھا۔ مشائخ و علماء ہر اعتبار سے آزاد ہوتے تھے۔ ان پر کسی قسم کا دباؤ اور بوجھ نہیں ہوتا تھا۔ منصب دار یہ نہیں کر سکتا تھا کہ معاشی کفالت کرنے کی وجہ سے ان پر کسی قسم کا دباؤ ڈالے وہ فتوے میں بھی آزاد ہوتے تھے اور ہر قسم کی ذہنی معاشی پابندیوں سے آزاد ہو کر حقیقی روح اسلام کو مد نظر رکھ کر فتویٰ دیتے تھے۔ حکومت براہ راست ان کا تحفظ کرتی تھی۔ اور انہیں ضروریات زندگی بہم پہنچاتی تھی۔ اس دور میں غیور علماء جنم لیتے تھے۔ انہیں مانگنا نہیں پڑتا تھا بلکہ ان کی کفالت کا اہتمام تو بالواسطہ طور پر حکومت کر رہی ہوتی تھی گویا اس مخصوص منصب دارانہ نظام میں افراد معاشرہ کیلئے اقتصادی و معاشی تحفظ کی ضمانت موجود تھی۔ اسلام کا یہ معاشی نظام جس کی اساس مفاد عامہ پر تھی سامراج کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے درج ذیل تغیرات کا شکار ہوا۔

### ۱۔ منصب دارانہ نظام کا خاتمہ

سامراج نے اپنے دور اقتدار میں اسلام کے وفادار مسلمانوں کی جاگیریں ضبط کر کے ملک و ملت کے غدار اور سامراجی مفادات کے محافظ لوگوں کے سپرد کر دیں۔ جنہوں نے زراور جاگیریں لے کر ضمیروں کے سودے کر دیئے اور طاغوت و سامراج کے نمک خوار بن کر زندگی بسر کرنے میں فخر محسوس کرنے لگے۔ سامراج اپنے اخراجات ان کو عطا کردہ جاگیروں کی پیداوار سے پورے کرتا اور اس نے انہیں ان جاگیروں کا غیر مشروط مالک بنا دیا۔ یہاں سے جاگیر داری نظام نے جنم لیا۔ منصب داری نظام میں جاگیر کی امانت والی حیثیت ختم ہو گئی اور سامراج کا نمک خوار فرعون بلا شرکت غیرے سینکڑوں ایکڑ اراضی کا مالک بن گیا خواہ وہ اس زمین کو آباد کرے یا برباد۔ اسے کاشت کرے یا ویران چھوڑے۔ ان سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں تھا۔

فقط پیداوار کی ایک خاصی مقدار سے حکومت کے خزانے میں جمع کرواتا تھا۔ وہ بھی مزار عوں کے خون کی کمائی ہوتی تھی۔ اس تصور کو سمجھنے کے لئے موجودہ بلوچستان کے سرداری نظام کا مطالعہ کیجئے جہاں ہزاروں ایکڑ زمین مختلف خاندانوں کی ذاتی ملکیت میں بنجر اور بے آباد پڑی ہے جس سے نہ قوم کو کوئی فائدہ پہنچ رہا ہے نہ کوئی ذاتی منفعت حاصل ہو رہی ہے۔ منصب داری نظام کے خاتمہ کے بعد بندہ اللہ کی زمین پر حاکم اعلیٰ اور حاکمیت و مختار کا دعویٰ کئے بیٹھا ہے۔

جب منصب داری نظام جاگیر داری میں بدلا اور جاگیر داروں نے اپنے حیطہ اقتدار میں رہنے والوں کی معاشی کفالت سے ہاتھ کھینچ لیا تو دینی مدارس اجڑ گئے خانقاہوں کی معاشی کفالت کا نظام ختم ہو چکا۔ عوام فقر و فاقے کا شکار ہونے لگے اور اسلامی دنیا میں زبردست معاشی تعطل پیدا ہو گیا۔ عوامی کی بھلائی اور خوشحالی پر صرف ہونے والی دولت جاگیر داروں کے واسطے سے سامراج کی جھولی میں گرنے لگی۔ ”ہر صاحب حق کو اس کا حق ملے“ کے اسلامی اصول کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ اور سامراجی افکار سے ماخوذ اس اسلامی نظام کے لئے اسی طرح کے زہریلے تصورات پیدا کر کے معاشی کفالت سے دستبرداری کا جواز پیدا کیا گیا کہ غریبوں اور مفلوک الحال لوگوں کی کفالت صاحب ثروت لوگوں کی ذمہ داری نہیں۔ اگر معاذ اللہ انہیں ضروریات زندگی مہیا کرنا اللہ کا منشاء ہوتا تو خود رب تعالیٰ انہیں فاقوں سے کیوں مارتا۔ نتیجتاً مدارس چندوں پر چلنے لگے اور خانقاہوں کی نذرانوں سے متعلق ہو گئی۔ یوں اس نظام نے شاہین بچوں کو پیدائش کے ساتھ ہی انکی عزت، غیرت، حمیت اور حریت کو لوٹ کر اپناج بنا دیا۔ اس صورت حال میں رازی و غزالی اور رومی و جامی کیونکر پیدا ہو سکتے تھے

بقول اقبال

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا

کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

اور مرید نذرانے دیدے کہ اس تصور کو دل میں جاگزیں کر گیا کہ:

گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی

اس فکری تغیر سے معاشرے میں غیر فطری تفاوت نے جنم لیا اور امت کو

شکستہ حالی کی انتہائی منزلوں سے ہمکنار کر دیا۔

## ii۔ قرآنی تصور کی جگہ فقہی و قانونی تصور کا اجراء

دوسرا بڑا تغیر یہ آیا کہ معیشت کے باب میں قرآنی اور نبوی ﷺ تصور کی

جگہ فقہی اور قانونی تصور نے لے لی۔ انقلاب فقہی اور قانونی تصور کی بنیاد پر نہیں،

قرآن اور نبوی ﷺ فکر کی بنیاد پر آئے گا۔ پھر بعد از انقلاب نظام کو چلانے کیلئے فقہی

اور قانونی تصور کو اپنایا جائے گا۔ فقہ کی ساری کتابیں مالا بد منہ سے ہدایہ آخرین تک وہ

اس موضوع سے بحث نہیں کرتیں کہ انقلاب کس طرح آئے کہ یہ فقہ کا موضوع ہی

نہیں ہے۔

انقلاب قرآن کی ہدایت اور نبوی ہدایت سے آتا ہے۔ فقہی علم کی افادیت

یہ ہے کہ انقلاب کے بعد نظام چلانے کیلئے فقہی علم کے ضابطے کار آمد ہوں گے کہ یہ

نظام اور قانونی ڈھانچہ دیتا ہے۔ مالہ ما علیہ سے بحث کرتا ہے۔ انقلاب پیا کرنے کے

عمل کا فقہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ فقہی تصور تو نظام کو منظم کرنے کے ضابطے دے

گا۔ آج اس حد تک ذہن بدل گئے ہیں کہ ملکیت کا وہ تصور جو قرآن نے دیا کوئی فقہ کی

کتاب اس سے بحث نہیں کرتی۔ کہ ملکیت کیا ہے؟ وہ اس امر سے بحث کرتی ہیں کہ

ملکیت کس طرح حاصل ہوگی؟ بیع، ہبہ، شری، وراثت، تمملیک کیا ہیں؟ فقہاء نے اس ڈھانچہ کو مد نظر رکھ کر ضوابط وضع کیے کہ فقہ کا کام ڈھانچہ بدلنا نہیں کنز، ہدایہ، وقایہ ملک کا ڈھانچہ نہیں بدل سکتے۔ غرضیکہ جب سے قرآن اور نبوی فکر کی جگہ فقہی تصور نے لی، معاشرہ موجود معاشی تعطل کو دور کرنے کے حوالے سے Status quo کا شکار ہو گیا۔ اور صبح و شام انہیں فقہی ضوابط کی تعلیم دینے والوں کی اپنی زندگیاں قرآنی تصور ملکیت و انفاق اور روح قل العفو سے خالی ہو گئی عامۃ الناس کا تو ذکر ہی کیا؟

### iii۔ اہل ثروت سے معاشی کفالت کی ذمہ داری کا خاتمہ

اسلام کے معاشی نظام میں تیسرا اہم تغیر جو رونما ہوا وہ یہ تھا کہ اہل ثروت سے معاشرے کے مفلوک الحال لوگوں کی کفالت کی ذمہ داری اٹھالی گئی۔ منصب داری نظام میں منصب دار پر اپنے حیطہ اقتدار میں آنے والے افراد کی معاشی کفالت لازمی تھی۔ وہ ان کی معاشی، اقتصادی اور تعلیمی حالتوں کے سنوارنے کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ مگر سامراجی نظام میں وہ کفالت عامہ کے فرض سے دستبردار کر دیا گیا۔ غریبوں، محنت کشوں اور خستہ حالوں کے خون پسینہ سے اسے گھر بیٹھے ایک تو اپنے آقاؤں کا منہ بند رکھنے کیلئے دولت میسر آئی دوسرا اس کی اپنی تجزیوں کے منہ بھی بھرتے رہے۔ غریب نادار اور کسان کا استحصال ہونا شروع ہوا، غریب، غریب تر ہوتا گیا اور وڈیرا، جاگیر دار روز بروز مادی ترقی حاصل کرنے لگا۔

اس طرح مال و دولت اور ذرائع پیداوار و معیشت پر غیر مشروط ملکیت کے تصور کو جنم ملا۔ جبکہ قرآن و سنت سے ماخوذ تصور ملکیت یہ ہے کہ اگر مملوک مال کے تمام حقوق جو دوسروں کو منافع میں شریک کرنے سے متعلق ہیں پورے طور پر نہ ادا کئے جائیں تو نہ صرف ملکیت ہی ناجائز ہو جاتی ہے بلکہ بذات خود عذاب آخرت کا

باعث بھی بن جاتی ہے۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ  
وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ  
اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝  
(۳۴:۹)

اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ  
کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں  
خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک  
عذاب کی خبر سنا دیں۔

قرآنی آیات کے علاوہ کتب حدیث و سیر میں مذکورہ متعدد احادیث مبارکہ  
اس تصور ملکیت پر شاہد عادل ہیں کہ اسلام ذرائع اور اموال کی ملکیت کو بلا شرط اور بلا  
قید تسلیم نہیں کرتا بلکہ ماعون کے تصور کے تحت ایسی ملکیت کو بھی سراسر دین کی  
تکذیب گردانتا ہے۔

اسلامی نظام معیشت میں ملکیت سے مراد محض امانت ہے۔

اقتصادی تصورات اور نظریات کی دنیا میں نبی اکرم ﷺ کے لائے ہوئے  
معاشی انقلاب نے اموال کی ملکیت کو ”تصور امانت“ سے بدل کر نظام ہائے معیشت کی  
عملی تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ اسلام کے تصور ملکیت میں مالک تو ہر شے اور ہر مال کی فی  
الحقیقت اللہ ہے لیکن وہ تکوینی حکمتوں اور مصلحتوں کی خاطر لوگوں کو مختلف اشیاء و  
اموال کی ملکیت کا حق مختلف ذرائع سے عطا کرتا ہے۔ اور یہ حق ملکیت صرف ایک  
امانت ہوتا ہے۔ جب تک اس امانت کے دوسروں کیلئے منافع بخش ہونے اور تمام  
حقوق اور تقاضے صحیح سمت میں پورے ہوتے رہیں تو امانت اس امین کے پاس رہتی ہے  
اگر وہ ان حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی برتنا شروع کر دے اور تمام تر ضروری اور شرعی  
اور قانونی مساعی کے ذریعے اتمام حجت کے باوجود استحصالی رویے سے باز نہ آئے یا  
اس امانت کی اصل غایت و منفعت کو نقصان پہنچانے کے عمل کو جاری رکھے تو جائیداد

اس کے قبضہ و تصرف سے واپس لیکر اس کا حق ملکیت معاشرے کی طرف سے اسلامی حکومت کو منتقل کر دیا جاتا ہے۔

قرآنی و نبوی تصور معیشت میں ملکیت کے تصور کو سمجھنے کے بعد اس سوال کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے کہ وہ کونسی شرط ہے جس کی تکمیل سے کسی شخص کے پاس امانت ملکیت کا وجود رکھ سکتی ہے۔ وہ شرط ”شرط انفاق“ ہے جس کا حکم سورۃ بقرہ کے آغاز میں ایمان بالغیب اور اقامت صلوٰۃ کے بعد ”ومما رزقنہم ینفقون“ کے الفاظ سے مرحمت فرما دیا گیا ہے۔

انفاق واجب ہو یا نفلی۔ یہ احکام شریعت کی فقہی تقسیم ہے۔ جس کا تعلق تنفیذی ترجیح اور ترتیب کے ساتھ ہے۔ اس کا بنیادی فلسفہ ملکیت سے کوئی تضاد نہیں رکھتا۔ اگر کسی کے پاس مال و دولت اور سرمایہ و وسائل سے ”انفاق“ کے تمام احکام کی ادائیگی بلا جبر و اکراہ ہو رہی ہے۔ تو یہ ملکیت اسلامی تصور کے عین مطابق ہے۔ پھر نہ تو اسے قومیا نے کی ضرورت رہتی ہے اور نہ تحدید کی کیونکہ اس تصور ملکیت سے گردش دولت کا ایسا موثر انقلابی اور منصفانہ نظام از خود قائم ہو جاتا ہے کہ جس کے نتیجے میں افراد معاشرہ کی تخلیقی جدوجہد بحال ہوتی ہے۔ اور معاشی تعطل سے نجات ملتی ہے۔ ملکیت میں سے انفاق کی عدم ادائیگی کی صورت میں افراد معاشرہ کے شرعی حقوق کا استحصال ہوگا۔ جو صرف گناہ اور عذاب آخرت کا باعث ہی نہیں۔ بلکہ امانت (ملکیت) میں صریح خیانت کا ارتکاب متصور ہوگا جس کے نتیجے میں وہ صاحب ملکیت تعزیری طور پر اپنے حقوق سے محروم بھی ہو سکتا ہے۔ اسلام کے پورے معاشی نظام میں دیگر تغیرات کے ساتھ ساتھ اسلام کے ملکیتی تصور میں جو تغیر رونما ہوا۔ وہ یہ کہ ملکیت سے محض امانت کی بجائے ملکیت مطلقہ مراد لیا جانے لگا۔ نتیجتاً منصب داری نظام کی

تبدیلی اور کفالت عامہ کے تصور کے خاتمہ سے جاگیر داری نظام نے اور ملکیت کو مطلق کرنے کے تصور سے سرمایہ داری نظام نے جنم لیا۔ اس طرح پوری معیشت کو اس سامراجی نظام میں جکڑ کر اسلام کے معاشی نظام کی روح کو مضمحل کر دیا گیا۔ اسلامی معیشت کے چہرے کے مسخ ہو جانے پر امت مسلمہ کو معاشی تعطل نے آگھیرا۔ افراد امت کی وہ تخلیقی قوتیں جن کی بدولت امت نے دنیا کی امامت کا فریضہ انجام دیا تھا۔ بنیادی ضروریات زندگی کی تلاش میں زنگ آلود ہو گئیں۔ اسلام کے معاشی فکر میں رونما ہونے والے اس تغیر نے پوری ملت کو ذہنی و فکری طور پر مفلوج کر کے رکھ دیا۔

### کیا انفاق ایک اضافی نیکی ہے؟

اسلام کے معاشی نظام میں مال و دولت اور ذرائع معیشت کی غیر مشروط ملکیت کی صورت میں رونما ہونے والے تغیر کے زیر اثر انفاق جو اسلامی نظام معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے کو اضافی نیکی قرار دے دیا گیا۔ حالانکہ حقیقی اسلامی تصور تو یہ ہے کہ کفالت عامہ کے مقصد کی تکمیل انفاق کے ذریعے کی جائے۔ معاشرے کی فلاح و بہبود کے لئے اہل ثروت تعلیمی معاشی اور سماجی ہر سطح پر انفاق کو جاری رکھیں ایسا معاشرہ جو غیر فطری تفاوت کا حامل ہو جس میں امیر ہر آنے والے دن میں امیر تر ہوتا جائے اور غریب غربت و افلاس اور فقر و فاقہ کی چکی میں پس کر اپنی پیش بہا صلاحتیں ضائع کرتا رہے جس میں ایک طرف تو اہل ثروت کے کتوں اور جانوروں کو نرم و گداز مچھلیں بستروں پر سلایا جائے اور ان کے پیٹ بھرنے کیلئے اعلیٰ ترین غذائیں اور دوسری طرف مفلوک الحال عوام کے بچوں کو تن ڈھانپنے کیلئے کپڑا اور پیٹ بھرنے کیلئے ایک لقمہ خوراک بھی میسر نہ ہو ایسے معاشرے میں سال بھر میں محض اڑھائی فیصد زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دینا اور انفاق فی سبیل اللہ کو ایک اضافی نیکی قرار

دے کر لوگوں کی صوابدید پر چھوڑ دینا انسانیت کے ساتھ کھلا مذاق ہے جسے اسلام قطعاً برداشت نہیں کرتا۔ اسلام ایسے حالات میں معاشرے کے ظالم و استحصالی طبقے کے منہ سے لقمے چھین کر خستہ حال افراد تک پہنچانے کا حکم دیتا ہے۔ جب نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ معاشرے کے کچھ لوگ بنیادی ضروریات سے محروم ہوں، تو ان کی ضروریات زندگی اہل ثروت لوگوں کے مال و دولت سے پورا کرنا ضروری واجب اور فرض ہو جاتا ہے۔ بصورت دیگر غریب لوگوں کے شرعی حقوق کا استحصال ہوگا کفالت عامہ کی ذمہ داری پوری نہ کرنے والے صاحب ثروت لوگ اللہ اس کے رسول ﷺ اور قوم کے مجرم ہوں گے۔ انہیں نہ صرف معصیت بلکہ عذاب آخرت کی سخت وعید سنائی گئی ہے۔ اس جرم کی پاداش میں وہ اپنے حقوق سے بھی تعزیراً محروم ہو سکتے ہیں۔ اس قرآنی اور نبوی ﷺ تصور معیشت کو فقہی تصور کا لبادہ اوڑھا کر زکوٰۃ کے علاوہ باقی صدقات کو نفل قرار دینا ظلم عظیم ہے اور لوگوں پر اللہ کے دین کی راہ مسدود کرنے کے مترادف ہے ارشاد ربانی ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن كَثِيرًا مِّنَ  
الْأَخْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ  
أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ  
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ  
الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا  
فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ  
أَلِيمٍ

اے ایمان والو! بیشک (اہل کتاب کے) اکثر علماء اور درویش لوگوں کے مال ناحق (طریقے سے) کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں (یعنی لوگوں کے مال سے اپنی تجوریاں بھرتے ہیں اور دین حق کی تقویت و اشاعت پر خرچ کئے جانے سے روکتے ہیں) اور جو لوگ سونا اور چاندی کا

(۳۳:۹)



ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ  
میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں  
دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔

سرمایہ داروں، جاگیر داروں، وڈیروں اور صاحبان ثروت کیلئے عمل انفاق کو  
محض نقلی قرار دینا دراصل ارتکاز دولت میں ان کی حوصلہ افزائی کرنے اور معاشرے  
کے غریب افراد کو بنیاد ضروریات زندگی سے محروم کرنا ہے۔ کیونکہ اگر معاشرے کا  
کوئی غریب شخص سامان خورد و نوش اور بنیادی ضروریات زندگی سے ہی محروم ہو گیا  
اور سرمایہ اور دولت پر قابض اژدہوں کے ظالمانہ کردار کی وجہ سے فقر و فاقہ کی  
زندگی بسر کر رہا ہو تو اس فقر اضطراری میں وہ اپنی غیرت اور حمیت اور ضمیر کا سودا کر  
کے اللہ کے دین سے انحراف اور بغاوت سرکشی کی راہ اختیار کر لے تو قابل غور امر یہ  
ہے کہ اسے کفر و معصیت کی ہولناک نوبت تک پہنچانے میں بنیادی کردار کس کا ہے؟

فاعتبر و ایا اولی الابصار!

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے:

”جس کے پاس ضرورت سے زائد  
سواری ہو اس کو دے دے جس کے  
پاس سواری نہیں ہے اور جس کے  
پاس زائد کھانا ہے وہ اس کو لوٹا دے  
جس کے پاس کھانا نہیں۔ راوی کہتے  
ہیں کہ پھر مال کی اضافت کا آقا ﷺ

من كان عنده فضل ظهر فليعد  
به على من لا ظهر له ومن كان  
عنده فضل زاد فليعد به على  
من لا زاد له فقال (ذكر من  
اضاف المال ما ذكر) حتى  
ظننا انه لا حق لا حد منا في

نے ذکر فرمایا یہاں تک کہ ہم نے

گمان کیا کہ ہم میں سے کسی کا زائد چیز

(ابوداؤد: ۲: ۱۳۹)

میں کوئی حق نہیں۔“

یہ حدیث مبارکہ ان حالات کی نشاندہی کرتی ہے جب قَلِّ الْعَفْوِ کا قرآنی

حکم نافذ کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ آج سامراجی تغیرات نے ہمارے معاشرے کے

حالات کو اس نوبت تک پہنچا دیا ہے کہ اگر آج بھی قَلِّ الْعَفْوِ کا حکم شرعی طور پر درجہ

و جوب حاصل نہیں کرتا تو ڈاکہ چوری اور اغواء برائے تاوان جیسے جرائم کی روک تھام

کیونکہ ممکن ہے؟۔ ۹

#### (iv) اخلاق و مذہب اور معیشت و اقتصاد میں تفریق

معاشی فکر میں چوتھا اہم تغیر اخلاق و مذہب اور معیشت و اقتصاد کے دائرہ کو

الگ کر دینے کی صورت میں رونما ہوا۔ اسلام کی حقیقی تعلیمات کے مطابق اجتماعی طور

پر معاشی ترقی حاصل کئے بغیر انفرادی اور اجتماعی سطح پر اسلام کے معاشی فکر میں اس

تکلیف کے واقع ہونے سے اخلاق و مذہب افراد کا انفرادی مسئلہ بن گیا اور معیشت و

اقتصاد کو اجتماعی اور قومی مسئلہ بنا دیا گیا گویا دونوں میں تفریق ہو گئی۔ آہستہ آہستہ ذہن

جمود کی وجہ سے اس تصور کو قبول کرتے گئے اور عملاً استحصالی نظام کے ساتھ سازگار

ہو گئے۔ یہاں تک کہ آج جب قرآن کے تصور معیشت کی بات کی جاتی ہے تو بعض

لوگ اپنے من گھڑت تصور معیشت کے تحت اس استحصالی جبر اور غیر فطری معاشی

تفاوت کے نظام کو قضاء و قدر گردانتے ہوئے اس کا کھلا انکار کرتے ہیں۔ اس غیر فطری

نظام معیشت کی تبدیلی کو معاذ اللہ سنت اللہ کی تبدیلی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ کہاں کا

نظام قضاء و قدر ہے کہ ایک طرف تو کوئی کروڑوں کے بل بوتے پر عیش کوشی کر رہا

ہے اپنے کتوں، گھوڑوں اور جانوروں کو حریر و اطلس کے پہناوے پہنارہا ہے اور اس معاشرے میں دوسرا فرد اپنے تن کو ڈھانپنے کے لئے کپڑے کے ٹکڑے کو ترستا ہے۔ اسے اللہ کی منشاء قرار دینا منشا الہی کی نفی ہے۔ جب ذہن محکوم ہو جائیں، یاس و قنوطیت کا غلبہ ہو تو انسان توکل کا تصور یہ بنا لیتا کہ اللہ کو ایسے ہی منظور ہوگا۔ معاشی تعطل کو مذہبی ذہن اسلام کے خلاف سازش ماننے کے لئے تیار نہیں۔ حالانکہ دین کی روح معیشت ہے۔ اور یہ معاشی ابتلاء دین کے ساتھ گھناؤنی سازش ہے۔ اگر کسی کو کھانے کو نہیں ملے گا تو اس کا دین کیسے محفوظ رہے گا ارشاد نبوی ﷺ ہے ”کا دال فقر ان یکون کفراً۔ قریب ہے کہ فقر گمراہی کا باعث بن جائے۔“

### کیا صحابہ کرام کا فقر اضطراری تھا؟

جب معاشی نظام کی بحالی اور بنیادی ضروریات کی فراہمی کی بات کی جاتی ہے تو استحصال کرنے والے لوگ حضور ﷺ، صحابہ کرام اور اولیاء صلحاء کرام کے فقر کا تذکرہ سناتے ہیں۔ صحابہ کرام کے بھوکے پیاسے رہنے کا تذکرہ کرتے ہیں انہیں معلوم نہیں کہ صحابہ کے ایمان کا درجہ کیا تھا۔ اور آج کے مسلمان کے ایمان کا درجہ کیا ہے۔ صحابہ کا فقر اختیار تھا۔ ان کے پاس ہوتا تھا مگر وہ دوسروں میں تقسیم کر دیتے تھے اور خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلانے میں ہی لذت محسوس کرتے تھے۔ جبکہ آج کے مسلمان کا فقر اضطراری ہے اختیاری نہیں۔ وہ موجود کو تقسیم کر کے فقر و فاقہ نہیں کاٹ رہا جبکہ اسے اپنے حق سے محروم رکھ کر اس کے نصیب پر جانوروں اور کتوں کو پالا جا رہا ہے۔

اسلام ہر شخص کو عزت نفس کے ساتھ بنیادی ضروریات زندگی مہیا کرنے کا ضامن ہے اگر بنیادی ضروریات پوری نہ ہو رہی ہوں اور اہل ثروت اس کی طرف

توجہ بھی نہ کر رہے ہوں معاشرے کے ہزاروں لوگ غیر منصفانہ، غیر عادلانہ معاشی نظام کی وجہ سے دین سے دور جا رہے ہوں ایسی حالت میں مالداروں کی آسائش و تفریح سب حرام ہے اور وہ علماء جو اہل ثروت کو اس طرف متوجہ نہیں کرتے وہ اس حرام میں برابر کے شریک ہیں۔

موجودہ دور میں معاشرے کو معاشی طور پر سنوارے بغیر مسلمانوں کے دین کو سنوارنے کی سعی لاحاصل کی جا رہی ہے۔ باطل طاغوتی استحصالی اور سامراجی طاقتوں کے بوئے ہوئے زہریلے کانٹوں کی بیخ کنی کئے بغیر راہ حق پر استقامت کے ساتھ چلنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ وہ تغیرات جنہوں نے اسلام کا چہرہ مسخ کر دیا ہے ان کا اور اک کئے بغیر قضیے نمٹانے کی کوششیں جاری ہیں۔ مذہبی ذہن یہ چاہتا ہے کہ لوگوں کے اخلاق سنور جائیں لوگ دیندار ہو جائیں سچ بولنے والے بن جائیں اور حرام نہ کھائیں مگر یہ سب کچھ معاشی ڈھانچہ بدلے بغیر ناممکن ہے۔

جب پیٹ میں بھوک کی آگ جل رہی ہو کھانے کے لئے لقمہ میسر نہ ہو اس وقت حلال کھانے کی تلقین اور حرام سے رکنے کا حکم کیونکر موثر ہو سکتا ہے؟ دین اگر حلال کھانے کا حکم دیتا ہے تو پہلے حرام کی کمائی کے ذرائع کا سدباب بھی کرتا ہے۔ جب حلال کھانے کو ملے اور نہ کھائے تو سزا دو اور اگر رزق حلال کھانے کو میسر ہی نہ ہو تو حرام کھائے بغیر کیسے زندگی کا چراغ جلے گا آج ذہنی، فکری، معاشی اور سیاسی غلامی کی وجہ سے حلال کمائی کے راستے مسدود ہیں۔ اور حرام کھانے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ لہذا اس دور میں ”معاشی انقلاب“ برپا کرنا سب سے بڑا دینی جہاد ہے کیونکہ:-

دو وقت کی روٹی بھی نہ ہو جن کو میسر

کب تک وہ عقیدے کی غذا کھا کے جیتیں گے

## اسلامی معاشرے میں تقسیم دولت کے گیارہ اصول

قرآنی تصور کے تحت معاشرہ معاشی انقلاب اور تقسیم و گردش دولت کا نظام دیے بغیر اسلامی معاشرہ نہیں بن سکتا۔ تقسیم دولت کے ضوابط کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے:-

(۱) ملکیت اموال ایک مجازی اصطلاح ہے حقیقی نہیں جو نیابت اور امانت کے معنی میں مستعمل ہے۔ مالک سے مراد امین و نائب ہے۔ جس کے پاس ملکیت کچھ خاص شرائط اور مصالح کے ساتھ موجود رہتی ہے بصورت دیگر انسان خائن کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔

(۲) زمین معاشی پیداوار کا خزانہ ہے جس میں اصلاً تمام انسانوں کا حق برابر ہے۔ جو شخص اس پر شرعاً قابض اور متصرف ہو کر اپنا سرمایہ اور محنت صرف کرتا ہے اس کا حق انتفاع و استعمال دوسروں پر فائق ہو جاتا ہے مگر وہ کسی قیمت پر بھی دوسروں کی محرومی کا باعث نہیں بن سکتا۔

(۳) جملہ اموال میں حاجت مندوں اور ضرورت مندوں کا محض اخلاقی نہیں بلکہ شرعی اور قانونی حق رکھا گیا ہے۔ جن کی ادائیگی ہر لحاظ سے لازم ہے۔ ہم اس سے اس بنیاد پر انکار نہیں کر سکتے کہ وہ اس کمائی میں شریک نہیں ہوئے اور ہمیں یہ اللہ نے دیا اور انہیں محروم رکھا یہ سوچ ہی کا فرانہ ہے۔

(۴) اصل رزق و حق معاش میں سب لوگ برابر ہیں کوئی تفاوت نہیں فرق اور تفاوت صرف معاش اور رزق کے درجات میں ہے۔ بنیادی حق اور رزق میں نہیں جب سب کے بنیادی حقوق پورے ہو رہے ہوں تو پھر تفاوت جائز ہے وہ ایک حد کے اندر بصورت دیگر نہیں۔

(۵) تمام افراد کو بنیادی معاشی حقوق خوراک، روزگار، لباس، رہائش، ضروری تعلیم و علاج یکساں ملنا چاہیے۔ اس کے بغیر کوئی معاشرہ اسلامی کہلانے کا حق دار نہیں ہے۔ ان کی فراہمی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ ہر ایک کو رزق دینے کا الہی وعدہ اسی مفہوم میں ہے۔ آج یہ مفہوم ہی بدل دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی اس طرح تقسیم رکھی ہے۔ یہ اللہ کی ذمہ داری ہے۔ کیا اللہ کی ذمہ داری اس طرح ہوتی ہے کہ کسی کو ملے اور کسی کو نہ ملے۔ آج اس طرح کا بھونڈا تصور تراش لیا گیا ہے۔ آج کے ذہن نے آپ کو اللہ سے بہتر تقسیم کنندہ بنا لیا ہے۔ کہ اللہ کی تقسیم میں تو کسی کو مل رہا ہے کسی کو نہیں مگر ان کی تقسیم میں سب شریک ہیں۔ دراصل اللہ کی ذمہ داری کے مفہوم کو صحیح سمجھا ہی نہیں گیا۔

اللہ کی ذمہ داری حقوق اللہ اور ہماری ذمہ داریاں حقوق العباد ہیں۔ ان میں فرق یہ ہے کہ حقوق العباد میں معافی ہو سکتی ہے مگر حقوق اللہ میں نہیں۔ قتل میں قصاص ہے مگر حد میں معافی نہیں ساری ریاست الٹی لٹک جائے تو بھی معافی نہیں ہوگی وہ حد نافذ ہو کر رہے گی گویا جب اللہ نے ہر ایک کو رزق پہنچانا اپنی ذمہ داری بنایا تو اس کا مفہوم یہ ہوا کہ اسلامی ریاست کے حکمرانوں کو حکمران ہی تب تک رہنا ہوگا جب تک ریاست کے ہر فرد کو اس کا رزق ملے۔ بصورت دیگر ان سے حکومت چھین لی جائے گی کہ اللہ کے رزق کا ذمہ لینے کا معنی یہ ہوا کہ اسلامی ریاست کا یہ فرض قرار دے دیا گیا یہ نہیں کہ اللہ چھت پھاڑ کر رزق دے گا یہی مفہوم جو حضرت عمرؓ نے بیان کیا کہ اگر درجلہ کے کنارے بکری کا بچہ بھی بھوک سے مر گیا تو اس کا ذمہ دار عمرؓ ہے۔ گویا یہ امر حکمرانوں کے لئے لازمی (obligatory) ہے کہ وہ گردش دولت کا نظام وضع کریں کہ معاشرے کے ہر فرد تک اس کا حق معاش پہنچے۔ اللہ نے تو ہر معاشرے

میں اس کی ضرورت کا رزق اتار دیا ہے۔ اگر کوئی حرام سے کمائے یا کوئی لوٹ مار کر کے زیادہ پر قابض ہو گیا تو یہ نظام کی خرابی ہے اس نے تو رزق اتارا ہے کہ ہر ایک کے لئے کافی ہے۔

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ  
وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ  
(۱۰:۷)

اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکن و  
تصرف عطا کیا اور ہم نے اس میں  
تمہارے لیے اسباب معیشت پیدا کیے

اب اس دولت کی عادلانہ تقسیم حکمرانوں کی ذمہ داری ہے۔ حکومتیں تشکیل ہی اس لئے دی جاتی ہیں کہ اللہ کے عطا کردہ حقوق کی حفاظت کی جائے اور اسلامی معاشرہ میں کسی کی زندگی میں معاشی تعطل نہ رہے اور نہ کسی کو حرام ذرائع کی احتیاج رہے۔

(۶) معاشرے میں کسب معاش کے فقط حلال ذرائع باقی رکھے جائیں۔  
حرام ذرائع قطعی طور پر ختم کر دیئے جائیں۔ معاشرہ تب ہی اسلامی ہو گا جب اس میں  
حرام ذرائع معیشت کی گنجائش ہی نہ ہوگی۔

(۷) جس طرح آمدن کے ذرائع مشروط ہیں اس طرح صرف و خرچ کے  
ذرائع و مواقع بھی مشروط ہوں۔ اس کے لئے اسراف تبذیر اور تحریم کے احکامات کو  
اس طرح نافذ کیا جائے کہ خرچ میں اقتصاد اور توازن پیدا ہو۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:-

### الاقتصاد نصف المعيشة

اس طرح آپ ﷺ نے ایک اچھے حکمران کی تعریف بیان کرتے ہوئے  
فرمایا کہ وہ لوگوں میں مال کی مساوی تقسیم کرتا ہے (مشکوٰۃ)

یہاں پر اس سے مراد اصل رزق اور معاش میں برابری ہے اس حقیقت کو

قرآن حکیم نے بھی بیان کیا ہے۔<sup>۱۲</sup>

(۸) ہر شخص حتی المقدور کسب معاش کا پابند ہوگا کسی کو بلاعذر شرعی تساہل غفلت اور کاہلی کی زندگی بسر کرنے کی اجازت نہ ہو۔ ہر شخص محنت کرے وہ معاشرے پر بوجھ نہ بنے۔<sup>۱۳</sup>

(۹) جس طرح معاشرتی زندگی باہمی تعاون کی متقاضی ہے اس طرح اجتماعی استحکام کے لئے معاشی سطح پر وفاہی اور کفالت عامہ کا نظام ضروری ہے۔ اس کا قیام و نفاذ ریاست کی ذمہ داری ہے۔

(۱۰) سرمایہ و دولت کی گردش اور منصفانہ تقسیم کا نظام ریاست کی ذمہ داری ہے ایسے شرعی اقدامات کا اجراء کیا جائے جس سے اکتناز و احتکار کا خاتمہ ہو۔ ذخیرہ اندوزی اور مال و دولت جمع کرنے (Concentration of wealth) کا خاتمہ ہو۔ اور تقسیم دولت کی ضمانت میسر آئے۔

(۱۱) معاشرتی زندگی میں اجتماعی مصالح و مفادات کی رعایت انفرادی رعایات پر مقدم ہے۔ اگر کسی جگہ دونوں میں تصادم ہو تو اجتماعی حق فائق ہوگا۔<sup>۱۴</sup> اسلام کا یہ تصور معیشت معاشرے میں تب ہی عملی شکل اختیار کر سکتا ہے جب درج ذیل قوانین کو عملاً نافذ کیا جائے:-

۱۔ قانون زکوٰۃ      ۲۔ قانون عشر و خمس      ۳۔ قانون صدقات

۴۔ قانون نفقات      ۵۔ قانون وصیت      ۶۔ قانون وراثت

۷۔ قانون اجرات      ۸۔ قانون کفالت عامہ      ۹۔ قانون مشارکت

۱۰۔ قانون ماعون      ۱۱۔ قانون تقسیم عفو      ۱۲۔ قانون قرض حسنہ

۱۳۔ قانون مضاربت      ۱۴۔ قانون ضرائب      ۱۵۔ قانون بیت المال



# حواشی

(باب چہارم)

الحمدید: ۱۰، الانعام: ۱۶۶، نور: ۳۳، ۵۱، ۱۹، ۷۰، ۷۵،

۹۳، ۱۰، ۲، ۷، ۷، ۱، ودیگر مقامات قرآن حکیم۔

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں:

i۔ معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل

ii۔ بلا سود بنکاری (عبوری خاکہ)

iii۔ بلا سود بنکاری اور اسلامی معیشت

iv۔ اسلامی فلسفہ زندگی (باب ۵ بحث انفاق فی المال)

از ڈاکٹر محمد طاہر القادری

جو نہ صرف ہماری قومی و ملی تاریخ کا سیاہ باب ہے بلکہ اس کی نحوست

آج بھی جاگیر داریت کے نظام کی شکل میں ہمارے معاشرے پر

چھائی ہوئی ہے۔

۳۷:۳۶

کیونکہ عروج فکر زندہ سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر

کہ دنیا میں فقط مردانِ حر کی آنکھ ہے بینا

(بال جبریل)

حالانکہ روح شریعت یہ تھی کہ:

کس نہ گردنہ در جہاں محتاج کس  
نکتہ شرع میں اس است و بس  
(پس چہ باید کرد)

تفصیل کیلئے: معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل:

(از ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

ليس المؤمن الذي يشبع و جاره جائع (الحديث)

سورہ ماعون ۷۷: ۳، ۹۲: ۹۲، ۱۷: ۱۷، ۲۱: ۹۳، ۱۰: ۹۵، ۱۱: ۱۶ و دیگر مقامات  
قرآن حکیم

الملك يبقى مع الكفر ولا يبقى مع الظلم (علیؑ)

حالانکہ قرآن حکیم میں زکوٰۃ کا حکم و ذکر (تقریباً) ۳۲ مرتبہ اور انفاق  
کا حکم و ذکر اس سے دگنی یعنی (تقریباً) ۷۲ مرتبہ آیا ہے۔  
تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں:

۱۔ جہاد بالمال ۲۔ اسلامی فلسفہ زندگی باب ۵ (از ڈاکٹر محمد طاہر  
القادری)

۲۱۹:۲۰

كاذبا الفقراں: يکون کفراً (الحديث)

تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو منہاج الافکار ج ۱ ص ۲۶۱ تا ۵۱۰

۸۷: ۳۷، ۱۱: ۸۷

۱۰: ۱۶، ۲۱: ۱۰

اليد العليا خير من يد السفلى (الحديث)

-۱۳

تفصیل کیلئے ملاحظہ ہوں:-

-۱۴

۱۔ معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل: ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

۲۔ خطبات لاہور۔ اسلام کا تصور معیشت: ڈاکٹر محمد طاہر القادری

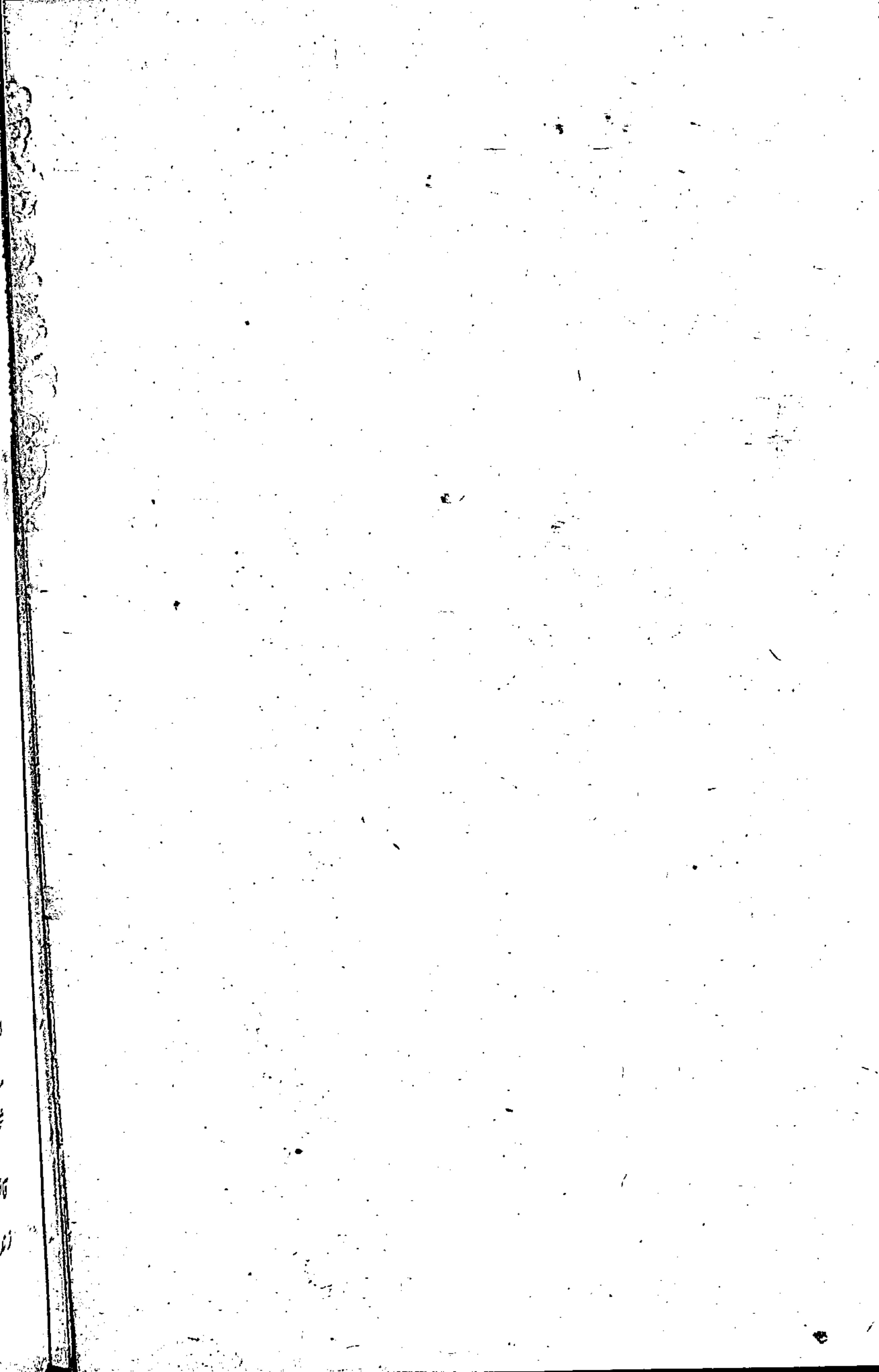




## باب پنجم

لكل جعلنا منكم شرعة و منها جا (٤٨:٥)

فقہی و قانونی فکر میں تغیر



برطانوی سامراج کے سامراجی تسلط کے بعد امت مسلمہ کی زندگی کے دیگر شعبہ جات کی طرح فقہی اور قانونی فکر میں بھی تغیرات آئے۔ برطانیہ جسے کہ برطانیہ عظمیٰ کہا جاتا تھا کے عالمگیر تسلط سے پورا عالم اسلام متاثر ہوا، اس ہمہ گیر دور زوال میں عالم اسلام کی فقہی اور قانونی فکر میں تغیرات درج ذیل دو تناظرات میں آئے:

(۱) عملی تغیرات (۲) علمی و فکری تغیرات

## فقہی و قانونی فکر میں عملی تغیرات

عالم اسلام کے برطانوی سامراج کے زیر نگیں آتے ہی شرعی عدالتوں کا خاتمہ ہو گیا۔ جب اسلامی نظام رائج تھا تو شرعی عدالتوں کا نظام قضا بھی رائج تھا۔ کہیں سرکاری اور کہیں نیم سرکاری حیثیت سے اس شریعت کو آئینی اور قانونی بالادستی حاصل تھی اور شرعی عدالتیں سپریم عدالتیں تھیں۔ عثمانی دور حکومت میں شیخ الاسلام کا حکم خلیفہ وقت کے حکم سے بھی بالاتر ہوتا تھا۔ اس دور میں اکثر ایسا بھی ہوا کہ اسلامی عدالت نے ایسے نامزد شدہ حکمرانوں کو کالعدم قرار دے دیا جو حکومت کے اہل نہ تھے۔ خلافت بغداد جب زوال کا شکار ہوئی، منگول فتنہ چھا گیا، تاتاری سلطنت تشکیل پائی تو اس دور میں بھی عدالتوں کے ذریعے اسلامی قانون کے نفاذ و ترویج کو وہ بھی نہ ختم کر سکے کیونکہ اسلامی شرعی عدالتوں کے نظام کو معاشرے میں استحکام حاصل تھا مگر نئے سامراجی اور استعماری نظام کے تحت شرعی قانون کو شخصی قانون (Personal Law) بنا دیا گیا۔ اس دور تسلط میں شرعی عدالتوں میں شخصی قانون شرعی تھا مگر دیگر تمام معاملات میں قانون سیکولر ہو گیا۔ اقتصادی، سیاسی، تعلیمی اور زندگی کے دیگر معاملات سیکولر لاء کے تحت ہو گئے جس کے نتیجے میں زندگی دواکائیوں میں

تقسیم ہو گئی یعنی دین ولادین اکائیاں الگ الگ ہو گئیں۔ اس سے قبل زندگی ایک وحدت تھی اور عدالتیں بھی قانون کو ایک وحدت کے طور پر نافذ کرتی تھیں۔ اب نکاح، طلاق، وراثت، عبادات وغیرہ کے مسائل تو شرعی دائرہ میں تھے مگر کاروباری معاملات معاہدات، تجارت، اقتصادیات، عقوبات وغیرہ سب سیکولر ہو گئے۔ تعزیرات، شہادات، تفتیش، عدالتوں کی تشکیل، فیصلے کا طریق کاریہ سب امور سیکولر قرار پائے اس کا اثر علمی کاوشوں پر بھی ہوا۔ اس کے زیر اثر اسلامی ممالک میں دور زوال میں (اور تاحال) اسلامی قانون کے حوالے سے جو بھی کام ہوا وہ سب شخصی دائرے میں ہوا۔ اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ فقہی اور قانونی طور پر عملی زندگی میں کتنا زیادہ تغیر آیا اور عملی زندگی کے حوالے سے شریعت کا دائرہ کتنا تنگ کر دیا گیا۔ عثمانی ترکوں کے آخری دور میں بھی جو فقہی اور قانونی کام ہوا وہ مجلۃ الاحکام العدلیہ تیار ہوا جو ۸۰۰ دفعات پر مشتمل سول لاء تھا۔

اس دور زوال میں القوانین الشخصیہ کے نام سے مصر میں قانون بنا، لیبیا میں قانون سازی شخصی دائرہ میں ہوئی۔ اردن، شام، عراق اور پاکستان میں شخصی قانون سازی ہوئی۔ ۱۹۶۱ء میں مسلم فیملی لاء آرڈیننس تیار ہوا یعنی ذہنی طور پر یہ تسلیم کر لیا گیا کہ اسلام کا تعلق صرف نکاح، طلاق اور وراثت کے مسائل سے ہے۔ ڈی ایف ملانے اسلامک لاء پر کتاب لکھی جو آج تک ایک ٹیکسٹ بک کی حیثیت رکھتی ہے وہ بھی فیملی لاء پر ہے۔ وہ دستور، سیاسی، اقتصادی معاملات Torts وغیرہ سے بالکل بحث نہیں کرتے۔ بین الاقوامی معاملات عقوبات 'Procedural Law' عقوبات تعزیرات کا اس میں کوئی ذکر نہیں۔ پاکستان میں بھی قانون سازی اسی نہج پر ہوئی۔ پاکستان کی عدالتوں میں نکاح، طلاق وغیرہ کے تمام فیصلے شرعی قانون کے مطابق ہوتے ہیں۔ ۱۹۳۹ء کے لگ بھگ Dissolution of Muslim Marriage Act بنا تھا اس میں ترمیم ہوئی اور اسے لے کر آگے چلتے رہے اس طرح باقی ساری زندگی سیکولر لاء میں چلی گئی اور زندگی کی دو اکائیاں بن گئیں اور دور زوال میں اسلامی دنیا کی قانون سازی میں شخصی قانون سازی کا دائرہ اپنا لیا گیا جبکہ زندگی کی



وحدت کو دینی ولادینی اکائیوں میں تقسیم کر دینے سے دوزخ ذیل نتائج نکلے۔

(۱) جب دو سو سال تک زندگی دو اکائیوں میں تقسیم ہو کر چلتی رہی اور اس میں کئی نسلیں گزر گئیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ مذاہب اربعہ میں کسی ایک مذہب کی تقلید کا جو تصور چلا آ رہا تھا وہ آخر کار جمود اور تعطل میں بدل گیا اور عملی زندگی سے متعلق شرعی تحقیق اور فقہ جامد ہو گیا کیونکہ تحقیق فتاویٰ کا دائرہ کار کلیۃً شخصی قانون ہو گیا زندگی کے دوسرے عملی گوشے پہلے ہی شخصی قانون سے نکال دیئے گئے تھے۔ ان کے بارے میں کسی کو علماء سے استفسار کی ضرورت ہی نہ رہی چونکہ معاشرے میں دو قانون مروج تھے تو علماء سے طلاق، نکاح، طہارت، عبادات، مناکحات، وراثت و جنازہ وغیرہ کے مسائل ہی پوچھے جانے لگے۔ اب علماء کا غور و خوض، فکر تحقیق اور ارتقاء سب اسی دائرے تک محدود ہو گیا اس میں تصنیف، تالیف، افتاء وغیرہ کا تحریک جاری رہا اور باقی ساری زندگی شرعی مسائل کے دائرے سے کٹ گئی چونکہ شخصی معاملات سے متعلق مسائل میں اجتہاد کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تو تقلید کے تصور کا جمود و تعطل کا شکار ہو جانا ایک فطری نتیجہ تھا۔ اس دور میں لکھے جانے والے فتاویٰ مثلاً فتاویٰ دیوبند، فتاویٰ رضویہ، فتاویٰ ثناء اللہ امرتسری وغیرہ میں ساری تحقیق کا دائرہ طہارت، عبادات، تیمم، وضو، اذان، امامت، اقتداء و نماز وغیرہ کے مسائل ہیں اور باقی مسائل پر چند باب بھی نہیں ملے۔

(۲) اجتہاد طلب مسائل کو شرعی دائرے سے خارج کر دیا گیا زندگی کے ہزاروں ایسے مسائل تھے جن میں قوم کو رہنمائی فراہم کرنے کی ضرورت تھی مثلاً مختلف معاشرتی طبقات (Communities) باہم کس طرح ملیں گے؟ سیاسی، اقتصادی، عدالتی، حکومتی، بین الاقوامی، بینکاری، طبی میدان جیسے ہزار ہا ایسے مسائل تھے جن میں تحقیق کی ضرورت تھی مگر چونکہ ان مسائل میں کوئی رہنمائی کے لئے شرعی و دینی فکر سے رجوع کرنے کے لئے تیار نہ تھا کہ یہ مسائل سیکولر فکر کے تحت کر دیئے گئے تھے نتیجتاً ان تمام دائروں میں کوئی تحقیقی و تخلیقی کاوش نہ ہو سکی۔

(۳) اجتہاد کے دروازے کلیۃً بند کر دیے گئے اگر شرعی عدالتوں کا جامع نظام بند نہ کیا جاتا تو زندگی کے تمام مسائل شریعت کے تابع رہتے اور اجتہاد کے دروازے بھی کھلے رہتے کہ زندگی کے تمام مسائل میں شریعت کی طرف رہنمائی کے لئے رجوع کیا جاتا مگر اب یہاں تحقیق کا دائرہ محدود ہو کر رہ گیا اور جو بھی تحقیق ہوئی وہ فقہ کے انتہائی محدود دائرے کے اندر ہوئی جس کے گواہ اس دور کے فتاویٰ ہیں۔

جبکہ امام اعظم کے اجتہاد سے ۸۰ لاکھ سے زیادہ مسائل بدون ہونے اس طرح آپ کے تلامذہ نے فقہ حنفی کی تدوین کے حوالے سے جو کام کئے ان میں سے دو تہائی یا اس سے بھی زیادہ سیکولر نوعیت کے ہیں جبکہ ایک تہائی سے بھی کم طہارات و عبادات وغیرہ پر ہے ایک اندازے کے مطابق دور اولیٰ کا ذخیرہ علم فقہ 9/10 حصہ حقوق العباد سے متعلق ہے 1/10 حصہ حقوق اللہ سے متعلق ہے ایک اور تقسیم کے مطابق ۴۲ لاکھ مسائل سیکولر معاملات سے ۳۸ لاکھ دوسرے مسائل عبادات، مناکحات، آداب وغیرہ سے متعلق ہیں۔ اس سے علم شریعت میں سیکولر معاملات کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے اب جب فقہی معاملات میں دائرہ تحقیق محدود ہو گیا تو دوسرا دائرہ عقائد کا سامنے آیا اب اس باب میں مباحث کا آغاز ہو گیا کہ کیا اللہ جھوٹ بول سکتا ہے؟ (معاذ اللہ) کیا حضور کا مثل بنانے پر اللہ قادر ہے؟ (معاذ اللہ) ان مسائل کو شاہ اسماعیل دہلوی نے چھیڑا اور فضل حق خیر آبادی نے ان کا رد کیا غرضیکہ اب شفاعت، توسل، علم الغیب، معجزات، تصرف، حاضر و ناظر، نور و بشر وغیرہ جیسے موضوعات ہی دائرہ تحقیق قرار پائے۔ یہ ان دو صدیوں کی علمی تحقیق کا حاصل تھا۔

(۴) اب تقلید کا نیا مفہوم سامنے آیا حقیقت میں تقلید یہ تھی کہ مذاہب اربعہ کی موجودگی میں کوئی نیا مذہب بنانے کی ضرورت نہیں۔ ان میں سے کسی ایک کی پیروی کریں اس کے علاوہ کوئی بھی جو تقلید کے معنی پر اضافہ کرتا ہے وہ دین اور شریعت پر ظلم کرتا ہے۔ تقلید کے اس معنی کو اختیار اس لئے کیا گیا کہ کوئی شخص، گروہ یا جماعت مل کر مذاہب اربعہ (یا مذاہب خمسہ) میں کوئی نیا مذہب نہ شروع کر دے مذاہب اور بھی تھے مگر امت کے تسلسل

نے ان کو ختم کر دیا اور وہ وقت کے ساتھ نہ چلے سکے جو مذاہب چودہ سو سال سے چل رہے ہیں ان میں اتنی وسعت و لچک اور ارتقاء کے ضابطے ہیں تو کسی نئے مذہب کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اب آپس میں مسائل کے مابین تبادلے کی صورتیں بھی ہیں۔ یہ بھی تقلید کے خلاف نہیں یہ دور بھی ایسا ہے کہ مسائل اس قدر پیچیدہ ہو گئے ہیں تاہم ان کو آپس میں گڈنڈ کرنے کی اجازت نہیں ہے کہ نماز حنفی، روزہ شافعی، نکاح حنبلی اور طلاق مالکی طریقے پر دے دیں۔

فقہ قرآن و سنت کے احکام کی منظم (Codified) شکل میں تشریح و توضیح ہے۔ امت پر ان آئمہ کا احسان ہے بصورت دیگر امت کے اندر زندگی میں وحدت اور یکسانیت پیدا ہونے کا کوئی امکان نہ تھا۔ ان آئمہ کرام نے تمام اختلافات روایات کی چھان بین اور تطبیق کر کے مذاہب کی شکل میں اسلامی قانون مدون کر کے امت کو دیا۔ اس لئے چاروں مذاہب حق قرار پائے اور یہ ضابطہ ٹھہرا کہ ان میں سے کسی ایک کی پیروی کی جائے۔

مگر تقلید کا مفہوم یہ ہرگز نہیں کہ کسی مسئلے پر کوئی اختلاف بھی نہیں کر سکتا۔ تقلید کا یہ تصور دراصل تقلید نہیں بلکہ جمود اور تعطل ہے اب رائج تصور تقلید یہ ہے کہ کوئی مجتہد ہو ہی نہیں سکتا کسی بھی معنی میں نہیں (مجتہد فی المسائل بھی نہیں) جو کوئی بھی ہو گا وہ مقلد ہی ہو گا۔ اب مقلد کہ کتاب و سنت کے دلائل سے بحث کا اختیار بھی اس کے پاس نہیں دلیل سے بحث کرنے کا اختیار صرف مجتہد کے پاس ہے چونکہ مجتہد کوئی پیدا نہیں ہو سکتا اور اس کا اختیار مجتہد کے پاس ہے تو دلیل کا کام یہ رہ گیا کہ اسے طاق نسیاں کی زینت بنا دیا جائے بالفاظ دیگر کتاب و سنت سے عملاً لا تعلقی کا نام تقلید قرار پایا۔

(۵) تقلید کا مندرجہ بالا تصور اپنانے کا اثر یہ ہوا کہ اس باب میں شدید رد عمل سامنے آیا تمام وہ مکاتب فکر جو فقہ کے خلاف ہیں وہ اس کا رد عمل تھے آئمہ اربعہ کے خلاف رکھا گیا اور فقہ کو خلاف شریعت ثابت کیا گیا اور نہ اس دور سے پہلے ہزار بارہ سو سالہ دور میں ایک بھی ایسا عالم نہیں ملتا جس نے فقہ کی مکالفت کی ہو اور اسے فقہ کہہ کر مسترد کر دیا ہو۔ پہلے

اختلاف فقہ کے اندر رہ کر ہوتا تھا۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم حنبلی المذہب تھے۔ محمد بن عبد الوہاب نجدی جو اپنی شدت و تعصب کی وجہ سے تاریخ اسلام میں اپنی مثال نہیں رکھتے مذہباً حنبلی تھے وہ بھی حنبلی مذہب کو نہ چھوڑ سکے۔ یہ الگ بات کہ وہ عقائد وغیرہ کے باب میں اس سے نکل گئے۔ موجودہ صورتحال دراصل انتہا پسندی کا رد عمل تھی کہ عرب سے ہی فقہ کے خلاف سلفی تحریک شروع ہوئی حالانکہ سلف تو سارے فقہ پر چلنے والے تھے جبکہ یہ خلیفہ تو سلفی نہیں خلیفی تحریک کے علمبردار ہیں۔ اس دور میں بعض ایسے لوگ بھی سامنے آئے جنہوں نے کلیۃً فقہ کا انکار کیا بعض نے اسلاف کے اجتہاد کے خلاف نقطہ نظر اپنایا گو کلیۃً فقہ کا انکار نہ کیا بعض (مثلاً امین احسن اصلاحی) نے فقہی مذاہب و مجتہدین کے کام کی اہمیت کا انکار کیا بلکہ فنی بنیادوں پر اکثر حدیثوں کا انکار کر دیا کہ ذخیرہ حدیث از سر نو مرتب ہونا چاہئے اور فقط قرآن پر انحصار کیا گوانہوں نے علمی طور پر حدیث کا انکار نہ کیا مگر عملاً کر دیا مثلاً مسئلہ رجم جو حدیث سے ثابت ہے وہ اسے نہیں مانتے۔ جس طرح صرف فقہائے کرام کے کام کو ہی کل شریعت قرار دینے والے اجتہاد کے علمی طور پر قائل ہیں مگر عملاً نہیں۔ حدیث کا عملاً انکار کرنے والے حدیث کی تشریحی حیثیت (Legislative capacity) کو نہیں مانتے صرف تشریحی حیثیت (Interpretive capacity) کو مانتے ہیں یہی نقطہ نظر پرویز کا ہے ورنہ تشریحی حیثیت تو صحابہؓ سے آج تک ہر ایک کو درجہ بدرجہ حاصل ہے گویا اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ شریعت اور اصول شریعت سے بالکل کورے لوگوں، مفکروں، ادیبوں، وکلاء اور دانشوروں نے خود اپنی رائے کو اجتہاد کا درجہ دے دیا اور اپنی مجرد رائے کا نام اجتہاد رکھا دیا اور ہر ایک نے اپنے اجتہاد کا دروازہ کھول لیا۔

(۶) دور جدید کے مسائل کا حل تشنہ رہ گیا۔ موجودہ مسائل مثلاً بینکنگ، سود، انشورنس، جدید طبی مسائل کی پیچیدگیاں وہ مسائل ہیں جن کے متعلق کتب فقہ ہمیں کوئی رہنمائی نہیں دیتیں۔ انہیں حل کے لئے تحقیق و اجتہاد کی ضرورت ہے کیونکہ فقہ ہر دور کے تقاضوں کے مطابق قرآن و سنت کی روشنی میں منظم قانون ہے اور ہر فقیہ اپنے دور کا قانون

دان (Jurist) تھا۔ تاہم یہ کتاب و سنت کا متبادل ہرگز نہیں۔ آج کے دور کے تقاضوں کے مطابق یہ امر ضروری ہے کہ آج کتب فتاویٰ کے نفاذ کی نہیں بلکہ کتاب و سنت میں قانون شریعت کے نفاذ کی بات کی جائے جس کی تعبیر و تشریح اس فقہ کی بنیاد پر ہوگی جو ملک کی اکثریتی آبادی کا فقہ ہے اور اس راہ میں پیش آمدہ تعطل اور پیچیدگیوں کو تمام مذاہب کو سامنے رکھ کر حل کیا جائے گا۔

(۷) اجتماعی اور قومی سطح پر یہ سوال سامنے آیا کہ دور جدید کے مطابق کتاب و سنت کا قومی و ملی سطح پر نفاذ کس طرح ہوگا۔ آج قومی سطح پر معاشی، اخلاقی، سیاسی، روحانی اور معاشرتی و دیگر زندگی کی قدریں جو مٹ رہی ہیں کس طرح پھر زندہ ہوں گی؟ کیا صرف اسلامی فقہ کا نفاذ ان مٹی اقدار کے زندہ کرنے کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ اس میں درج ذیل سوال ابھرتے ہیں:

- ۱۔ فقہ و قانون کا وظیفہ و عمل کیا ہے اس کا تعین کس طرح ہوگا؟
- ۲۔ معاشرے کی قدریں اگر مٹ چکی ہوں تو انہیں پھر کس طرح زندہ کیا جائے؟
- ۳۔ موجودہ تغیر کے آجانے کے بعد آج مذہبی ذہن اسلامی نظام سے کیا مراد لیتا ہے؟

## ۱۔ قانون اسلامی کا وظیفہ

معاشرے کے اندر جو دینی، ایمانی، سماجی اور اخلاقی اقدار موجود ہوتی ہیں۔ فقہ و قانون ان کی حفاظت کرتا ہے۔ دنیا کے ہر قانون کا یہی فریضہ ہے کہ وہ موجودہ اقدار کو پامال کرنے والے فرد کو سزا دے مگر یہ مٹی ہوئی قدروں کو زندہ نہیں کر سکتا جبکہ آج ہمارے معاشرے میں حالت یہ ہو چکی ہے کہ حلال طریقے سے چلنے والا زندہ نہیں رہ سکتا۔ اب فقہی قانون رزق حلال فراہم نہیں کر سکتا آج معاشرے میں جو عدم مساوات اور غیر فطری تفاوت پیدا ہو چکی ہے اسے توفیق کے نفاذ سے دور نہیں کیا جاسکتا۔

## ۲۔ اقدار کا احیاء

معاشرے کی مٹی ہوئی اقدار کو انقلاب کے ذریعے ہی زندہ کیا جاسکتا ہے 'نفاذ فقہ سے نہیں۔ آج احیائے اقدار کے لئے معاشرے میں ضروری ہے کہ (۱) فکری اجتہاد اور (۲) عملی انقلاب پیا کیا جائے کہ فکری اجتہاد تحریک کو بحال کرے گا اور انقلاب کے لئے ماحول پیدا کرے گا اس طرح معاشرے کو ایک صالح نظام کی فکر ملے گی جبکہ عملی انقلاب کے ذریعے اسے نفاذ کرنے کی راہ ہموار ہوگی۔

## ۳۔ موجودہ مذہبی ذہن کی فکر

آج کا مذہبی ذہن اسلامی نظام سے مراد اسلامی قوانین کا نفاذ لے رہا ہے کہ فقہ اسلامی کا اجراء کر دیا جائے شریعت بل شریعت آرڈیننس اس کی واضح مثال ہیں۔ ہر عالم دین سربراہ کی یہی رائے ہے کہ موجودہ قوانین کا ڈھانچہ ہٹا کر اسلامی قوانین کے ڈھانچے کو نافذ کرنا نفاذ اسلام ہے۔ ان کے نزدیک یہی نظام مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ ہے جبکہ آج اسلامی نظام اسلامی قوانین کے اجراء کا نام نہیں بلکہ اسلامی نظام کے نفاذ کے دو مرحلے ہیں:

مرحلہ اولی: کتاب و سنت کی بنیاد پر فکری اجتہاد کرتے ہوئے سیاسی 'معاشی'

معاشرتی، اقتصادی اور سماجی ڈھانچے میں بدل دیا جائے۔ امیر و غریب میں غیر فطری تفاوت کو ختم کیا جائے کیونکہ آج موجودہ ظالمانہ استحصالی نظام کی گرفت اتنی سخت ہے کہ انفرادی سطح پر کوئی بھی کسی قسم کا کردار ادا نہیں کر سکتا یعنی انقلاب چاہنے والے بھی اس نظام کے ہوتے ہوئے انقلاب پیا نہیں کر سکتے۔ موجودہ اجارہ داریت، سرمایہ داریت اور جاگیر داریت کے ہوتے ہوئے عدالتوں کے ذریعے اسلامی قوانین کا نفاذ اسلام نہیں بلکہ اسلام کی بدنامی ہے آتش شکم کو بجھائے بغیر فتوؤں کی تعلیم تو فقط افسانہ طرازی ہے۔

مرحلہ ثانی: عملی انقلاب کے لئے جدوجہد کی جائے موجودہ فرسودہ نظام کو

توڑنے کے لئے نعرہ مستانہ لگاتے ہوئے بڑے بڑے بتوں کو لٹکا راجائے۔ مدینہ طیبہ میں ہجرت کے بعد پہلے دن اسلامی قوانین نافذ نہیں ہوئے شراب و سود وغیرہ کی ممانعت بھی بعد میں آئی، حج بھی آخر میں کیا گیا آغاز مواخات سے ہوا، مکان، زراعت، تجارت، جائیدادیں سب کچھ تقسیم ہو گیا۔ یہ حقیقی نفاذ اسلام ہے اس کے بعد اسلامی قوانین کے نفاذ کا مرحلہ ہو گا آج لوگ اسلامی نظام کے خلاف اسی لئے ہیں کہ جس مرحلے کے آغاز کی ضرورت ہے اس کی بات کرنے والا کوئی نہیں موجودہ غیر اسلامی و غیر شرعی ڈھانچہ کو تحفظ دیتے ہوئے اسلامی قوانین و فقہ کے نفاذ کی بات کرنا ”مسکیناذا متربة“ کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے جس کا لازمی رد عمل موجودہ مذہبی طبقے کو مسترد کرنے کی صورت میں سامنے آ رہا ہے۔

## فقہی و قانونی فکر میں علمی و فکری تغیرات

دور زوال سے دوچار ہونے کے بعد ہماری سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی کے موثرات بدل جانے کے باوجود ہم نے اجتہاد سے صرف نظر کئے رکھا ہے نتیجتاً آج زندگی اور قانون کے تقاضے ایک دوسرے سے متصادم ہو گئے ہیں۔ زندگی اپنی ضرورت کی تکمیل چاہتی ہے جبکہ قانون خلاف ورزی کی سزا چاہتا ہے خواہ وہ زندگی کی کسی اشد ضرورت ہی کی تکمیل میں کیوں نہ سرزد ہوئی ہو۔ یہ دراصل نتیجہ ہے اجتہاد کے باب میں قومی و ملی فکر کے متغیر ہو جانے کا، معاشرے کی انفرادی و اجتماعی اصلاح کے لئے اجتہاد کی کیا اہمیت ہے اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ تصور اجتہاد کو دو تناظر میں زیر بحث لایا جا سکتا ہے:

(۱) اجتہاد کا فکری تصور (۲) اجتہاد کا فقہی تصور

### (۱) اجتہاد کا فکری تصور

اجتہاد کے فکری تصور کی درج ذیل جہتیں ہیں:

(i) قانونی جہت (ii) معاشرتی جہت

## (i) قانونی جہت

یہ ایک بدیہی امر کہ قوانین معاشرے کے لئے ہوتے ہیں نہ کہ معاشرے قوانین کے لئے چاہے وہ قوانین الہی ہوں وحی پر مبنی ہوں جس طرح امم سابقہ کے قوانین تھے چاہے غیر اسلامی قوانین ہوں 'قانون سازی' عدالتوں کے نظائر 'معاشرے کے عرف عادت (Customs, conventions) وغیرہ سے قوانین بنتے ہیں۔ یہ سب قوانین معاشرے کے لئے وجود میں آتے ہیں۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ زندگی متحرک ہے اور زندگی کی ہر حالت کے تقاضے مختلف ہیں اور حالات کے بدلتے ہی زندگی کے تقاضے بدل جاتے ہیں۔ اس طرح بدلتے حالات کا ساتھ دے کر ہی اور اسی رفتار سے چل کر ہی ان کا ساتھ دیا جاسکتا ہے یعنی جب ایک چیز متحرک ہو اور ہماری ذمہ داری اس متحرک شے کی ضرورت پورا کرنا ہو تو اس متحرک شے کی کفالت تب ہی ممکن ہے کہ ہم بھی متحرک ہوں اس طرح موثرات زندگی وقتاً فوقتاً بدلتے رہتے ہیں اور قوانین کی غایت زندگی کی حرکت کو روکنا نہیں ہے بلکہ قانون تو دیا ہی زندگی کے لئے جاتا ہے اس کا مقصد زندگی کی حرکت کو صحیح سمت پر جاری رکھتے ہوئے اس کے بقا کے ضامن ہر دور کے تقاضے پورے ہوں تو زندگی کی بقاء و ارتقاء قائم رہے گی بصورت دیگر زندگی جمود و تعطل کا شکار ہو جائے گی اگر قانون نہ ہو گا تو زندگی کا تحریک تو نہ رہے گا نہ ہی اس کی ضرورتیں کم ہوں گی۔ ضرورتیں تو پوری ہوتی رہیں گی مگر اس سے فساد و تصادم جنم لے گا۔ باہمی کشاکش ہوگی، حق تلفی ہوگی اور اس طرح طاقتور کمزوروں کو کھا جائیں گے اور زندگی کی اجتماعی حرکت صحیح سمت پر جانے کی بجائے غلط راستے پر چل نکلے گی۔ ضرورتیں غلط اور ناجائز طور پر پوری ہوں گی۔ انفرادی، اجتماعی اور معاشرتی سطح پر زندگی بگاڑ سے دوچار ہو جائے گی، قانون کا وظیفہ ہی یہ ہے کہ

i- انفرادی و اجتماعی زندگی کی حرکت قائم رہے۔



- ii زندگی کی حرکت صحیح سمت پر رکھنے کے لئے اس کی مدد کرے۔
- iii ہر دور کے تقاضوں اور ضرورتوں کو پورا کرنے کی ضمانت دے۔
- iv قانون حقوق کا تحفظ کرے، طاقتور کو دست اندازی نہ کرنے دے اور یوں زندگی کو ظلم و استحصال کی بجائے محبت، رواداری اور خوش اسلوبی سے اپنی ضرورتیں پوری کرنے دے۔

قانونی احکام کی دو حیثیتیں ہیں:

### (۱) ہیتِ اصلیہ (Actual/Real Spirit)

وہ بنیادیں، قدریں، تصورات اور احکام جو کتاب و سنت کی نصوص کی شکل میں دی جاتی ہیں یہ احکام و قوانین کے ڈھانچے میں کارفرما بنیادی روح ہے یہ زندگی کے اندر تحریک و ارتقاء کے جاری رکھنے کی ضمانت دیتا ہے اس طرح زندگی میں ایک تسلسل رہتا ہے۔ جس طرح انفرادی زندگی میں ایک تسلسل ہے اجتماعی زندگی میں بھی تحریک و ارتقاء برقرار رہتا ہے۔

### (۲) ہیتِ کذائیہ (Structural Form)

کتاب و سنت کی بنیادی تعلیمات سے اخذ کردہ وہ قوانین شریعت جو زندگی میں نظم و ضبط اور انقیاد پیدا کرتے ہیں تاکہ زندگی منظم رہے، دوسروں کے حقوق پر دست درازی نہ ہو، باہم ٹکراؤ اور تضاد پیدا نہ ہو اور زندگی کو اپنے تحریک کو جاری رکھنے کے لئے ظلم، ناجائز راستے اختیار نہ کرنے پڑیں۔ اسی طرح قانون کے بنیادی جزئیات کو اس طرح نافذ (Execute) کرنا کہ ان قواعد و ضوابط سے زندگی کے مقاصد بھی پورے ہوں اور ان کے نظم و ضبط کے مابین سازگاری بھی پیدا ہو کہ باہمی تضاد اور تناقص سے نہ صرف انسانی زندگی کا تحریک جمود سے بدل جاتا ہے بلکہ مطلوبہ ضبط و انقیاد کا حصول بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس فریضے کی ادائیگی قانون سازی کے عمل میں اجتہاد کے ذریعے ہوتی ہے۔ اسی سے قوانین

شریعت کو ہر دور کے بدلے ہوئے حالات میں موثر نفاذ کی ضمانت ملتی ہے اسی سے وہ فی الواقع نتیجہ خیز بنتے ہیں اور اسی سے ان کی آفاقیت و ابدیت قائم رہتی ہے۔

## (ii) معاشرتی جہت

ہیت اصلیہ کی روح کو قائم رکھتے ہوئے جب ہیت کذائیہ کے ڈھانچے کو بدلا جاتا ہے تو اس کے سامنے خصوصی تقاضے ہوتے ہیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کے دور مبارک کو دیکھیں کہ وہ دور گلہ بانی کا دور تھا تجارت کا دور تھا پھر معاشرے کو ترقی ملی معاشرے کے موثرات زندگی بدلے۔ جوں جوں معاشرے میں ترقی ہوئی محدود معاشرہ بین الاقوامی معاشرہ بن گیا۔ تہذیب و ثقافت کا باہمی تعامل ہوا۔ مختلف تہذیبیں باہم قریب ہوئیں۔ کئی رسم و رواج ملے، آمد و رفت کے ذرائع بڑھے اور ایک نیا معاشرہ وجود میں آیا۔ اس طرح تجارت بھی بڑھتی گئی۔ اس کے بین الاقوامی روابط بڑھ گئے اس طرح تمام سلطنت میں بھی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ مہاجرین و انصار کے دور میں سرکارِ دو عالم ﷺ نے امیر و نائب بنائے شوریٰ عام و شوریٰ خاص بنائی مگر اسلامی فتوحات کے ساتھ یہی معاشرہ دمشق و ایران تک جا پہنچا اور ۴۲ لاکھ مربع میل کا رقبہ اسلامی سلطنت کا حصہ بن گئے۔ اس طرح کئی معاشرے اور تہذیبیں یکجا ہوئیں۔ اس طرح تبدیلی حالات سے ہیت کذائیہ میں بھی تبدیلیاں آئیں کہ حالات بدل جانے پر پرانے دور کا وضع کردہ ہیت کذائیہ کا ڈھانچہ موثر نہیں رہتا حتیٰ کہ انجام کار غیر موثر اور پھر تقسیم اور آخر میں غیر محترم ہو جاتا ہے اور لوگ اسے بالکل ترک کر دیتے ہیں۔ آج دین، شریعت اور اسلامی قانون کو زندگی پکارتی ہے کہ کاش کوئی اٹھے اور قانون کے تحرک اور نظم میں مطابقت و سازگاری پیدا کر دے اس کا نام اجتہاد ہے۔

## (iii) معاشی جہت

قرآن حکیم کے مطابق شریعت کی ہدایت کا مقصد یہ ہے کہ

فَمَا يَاتِيَنكُمْ مِّنِي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدًى فَلَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ  
 پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو بھی میری ہدایت کی پیروی کرے گا نہ ان پر کوئی خوف (طاری) ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (۳۸:۲)

مقررہ مدت تک کرہ ارضی پر ہر انسان کے دو حق ہیں:

(۱) متاع (۲) مستقر

انہی دو کی وجہ سے انسانیت میں باہمی جنگ و جدال بھی ہوگا۔ یہی آیت فلسفہ تضاد کی بنیاد بھی ہے۔ اس طرح خوف و ہراس اور جنگ و جدال کی صورت میں لوگ خود کو غیر محفوظ تصور کریں گے۔ جن کے حقوق چھن جائیں گے کہ وہ رنج (sorrow) اور جن سے چھٹنا ہوں گے وہ خوف (fear) میں مبتلا ہوں گے اس طرح خوف و ہراس اور رنج و غم (sorrow & fear) کی سوسائٹی وجود میں آئے گی یہ ایک امر واقع ہے کہ اصلاً کوئی معاشرہ اس صورتحال سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ قرآن نے اس کا حل یہ دیا کہ اس کے حل کے لئے شریعت کا قانون اتارا گیا (۳۸:۲) جس کا مقصود یہ ہے کہ خوف و رنج سے آزاد معاشرہ وجود میں لایا جاسکے۔ معاشرے کو موجبات خوف و غم سے پاک کیا جائے وہ تمام عوامل جو عزت، مال و متاع اور زندگی کے لئے خوف کا موجب ہیں ان کا قلع قمع کیا جائے۔

گویا قانون کی ہیت اصلہ کا وظیفہ ہی یہ ٹھہرا کہ جس معاشرے میں قانون پر عمل ہو وہاں معاشرے کو خوف و غم سے نجات مل جائے جس معاشرے میں قانون نافذ کر کے بھی خوف اور غم سے نجات نہ ملے تو گویا مقتضائے شریعت پورا نہ ہو اور تقاضائے شریعت یہ ہوا کہ ہیت کذائیہ پر نظر ثانی کی جائے تاکہ موجبات خوف و غم ختم ہوں اور معاشرہ خوف و غم سے آزاد ہو سکے۔ ہیت کذائیہ کا جزوی تنفیذی ڈھانچہ جہاں موجبات غم ختم نہ کر سکتا ہو وہاں ضرورت ہے کہ اس مقصود شریعت کو پورا کرنے کے لئے پھر سے کتاب و سنت سے

رہنمائی لی جائے کہ از سر نو ہویت کذا سیہ کی تشکیل نو ہو سکے اور معاشرے خوف و غم سے آزاد رہ سکے اس سارے عمل کا نام اجتہاد ہے۔

#### (iv) دینی جہت

زندگی اور قانون کے تقاضے جدا جدا ہیں، زندگی ضروریات کی تکمیل چاہتی ہے جبکہ قانون خلاف ورزی کرنے والے کو سزا دینا چاہتا ہے۔ جب یہ تقاضے باہم متصادم ہو جائیں تو دینی اقدار کی پاسبانی کرتے ہوئے زندگی گزارنے والے کیا کریں؟

مثلاً معاشی زندگی میں تعطل (Economic Deadlock) گوارا نہیں، محتاجی کی زندگی گوارا نہیں کی جاسکتی، قانون کا تقاضا ہے کہ سود وغیرہ حرام ہے اس کی اجازت نہیں۔ یہ غیر اسلامی معیشت کی حرمت پر اصرار کر رہا ہے اور زندگی اپنے معاشی مسئلے کے حل پر اصرار کر رہی ہے وہ کفالت اور ضروریات کی تکمیل کی ضمانت چاہتی ہے اگر ان دو کے درمیان توازن نہ ہو تو زندگی میں لازماً بگاڑ پیدا ہو گا یہ مسئلہ اس وقت حل ہو جاتا ہے جب ہم قرآن و دین کے اساسی طرز عمل اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کو دیکھتے ہیں۔ آقائے صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کو حرام فرمایا مگر قرض حسنہ کا نظام بھی دیا۔

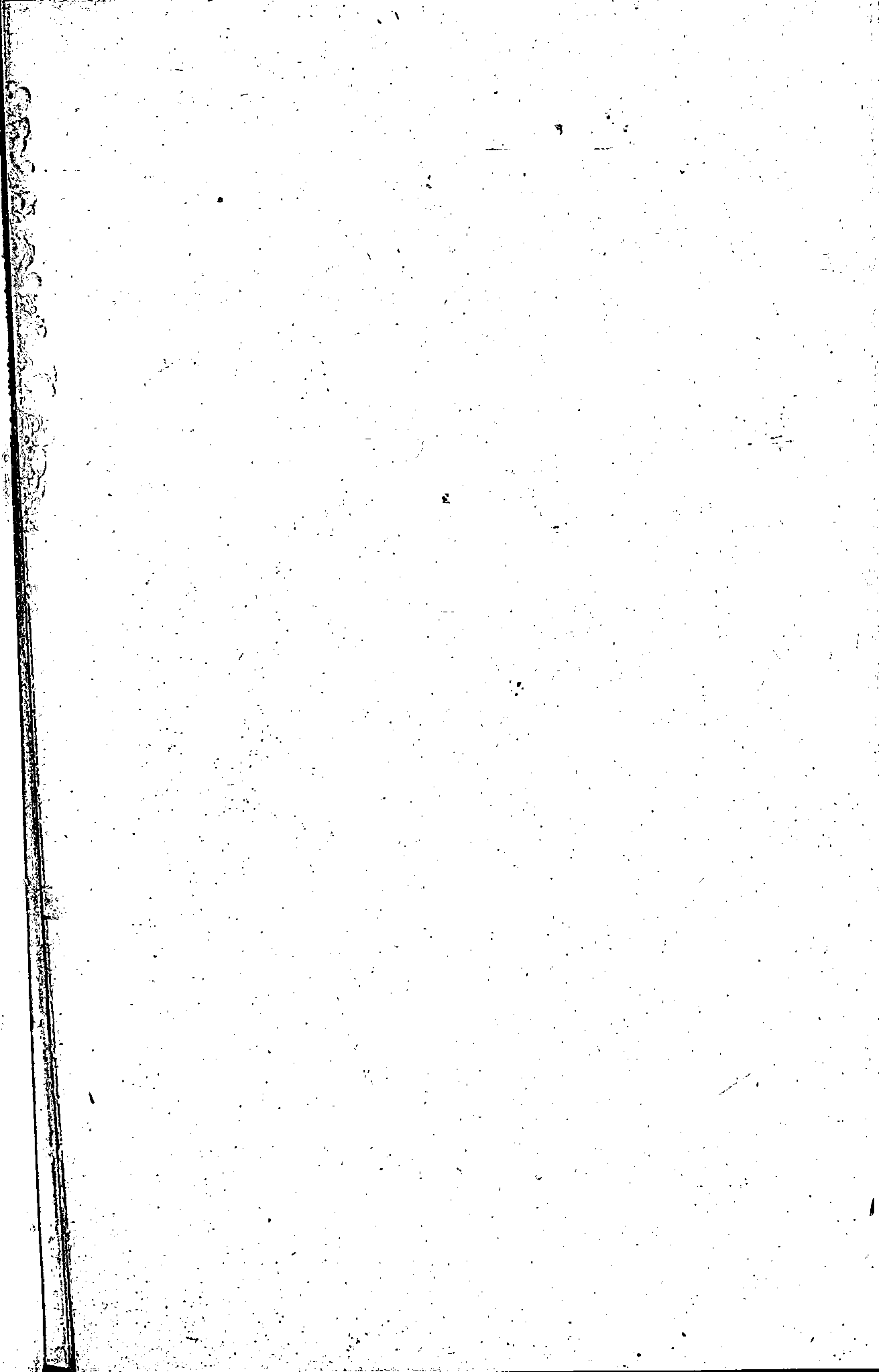
و اقروضوا اللہ قرضاً حسناً اور اللہ کو اچھا قرض دو (کہ خوشدلی

سے اس کی راہ میں خرچ کرو۔ (۲۰:۷۳)

سود بھی ایک طرح کا قرض ہے مگر بدترین قرض، اس کا نعم البدل قرض حسنہ ہے اب اس کے مختلف زاویے ہیں گویا حلال طریقے سے زندگی کے تقاضوں کی کفالت ممکن تھی پھر حرام طریقے کو منع کیا گیا۔ اسلام نے کبھی بھی حلال راستہ دینے سے قبل حرام کو منع نہیں کیا جس سے زندگی کو کوئی معاشی، معاشرتی یا سماجی ضرورت پوری ہو رہی تھی اسے یک لخت بند نہیں کیا گیا۔ یہ اسلام کا زاویہ نگاہ ہے مگر آج فقہ کا زاویہ نگاہ بن گیا ہے کہ چاہے حلال

ذریعہ میسر ہو یا نہ ہو حرام کو بند کر دو نتیجہ لوگ حرام کو چھوڑیں گے نہیں اور حلال کا مذاق اڑے گا جب رزق حلال سے زندہ رہنا ممکن نہ ہو تو رزق حرام سے کیونکر منع کیا جاسکتا ہے اس لئے امت کو دینی اقدار کے دائرے میں رکھنے کے لئے اجتہاد کی ضرورت ہے۔





## حواشی

(باب پنجم)

۱۔ نتیجتاً سازادین چند اختلافی مسائل کے اندر محصور کر دیا گیا۔ اور انہیں جاننے کا نام دین فہمی و دینداری قرار پایا۔ اس کے نتائج آج معاشرے میں فرقہ واریت کی صورت میں ظاہر ہیں کہ ایک مسلک مکتبہ فکر کے لوگ دوسرے مسلک و مکتب فکر کے لوگوں کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں۔ سوچ دین سے اتر کر مسلک و مذہب کے درجے پر آگئی ہے۔

۲۔ دلیل کیا ہے؟ قرآن و حدیث / کتاب و سنت دلیل ہے دلائل اربعہ (قرآن سنت اجماع و قیاس) میں دلائل اصلیہ قرآن و حدیث ہیں۔ آج کوئی کتنا بڑا عالم ہو مقلد ہی ہو گا مجتہد نہیں ہو سکتا گویا وہ کتاب و سنت سے بات ہی نہیں کر سکتا یعنی آج کتاب و سنت سے لا تعلقی کا نام تقلید بن گیا۔ عملاً دیکھیں تو اس طرح خفیت کو دفن کر دیا گیا۔ علماء نے تو تقلید کو عامۃ الناس کے لئے واجب قرار دیا اور اہل علم و فضل کو تحقیق کی ترغیب دی۔ امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے حنفی مذہب کو اپنایا مگر خود وہ مجتہد فی المسائل ہیں۔ انہوں نے خود اس امر کا اعلان کیا کہ میں اب تقلید کے دائرے میں نہیں آتا۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ان کے دور میں اس اعلان پر ان پر بھی کفر کا فتویٰ لگایا

گیا۔ آج فکری جمود و تنزل کا یہ عالم ہے کہ وہ تقلید جو عامی اور جاہل کے لئے تھی اس تصور کو عالم اور محقق کیلئے بھی رائج کر دیا گیا۔ یعنی ان پڑھ پڑھے لکھے ادنیٰ و اعلیٰ مقلد و محقق کا امتیاز مٹا دیا گیا۔ فتاویٰ قاضی خان، فتاویٰ عالمگیری پر ہی مطلق انحصار نے علمی تحقیق کا راستہ بند کر دیا۔ اصل علم تو کتاب و سنت ہے اور باقی تمام علوم اس کے خادم مگر اصل سے تعلق توڑ دیا گیا۔

نوٹ: اس تصور کی وضاحت اس واقعہ سے ہوتی ہے جو مسئلہ دیت پر کچھ علماء اور قائد انقلاب پروفیسر محمد طاہر القادری کے درمیان ہونے والی گفتگو کے صورت میں کراچی میں پیش آیا۔ تقریباً اڑھائی گھنٹے کی نشست میں قبلہ ڈاکٹر صاحب نے مسئلہ دیت پر قرآن و سنت حدیث و اصول فقہ سے دلائل دیئے وہ بالکل نہ تو بولے اور نہ ہی وضاحت طلب کی مگر گفتگو کے اختتام پر ایک سوال کیا۔ کیا آپ مجتہد ہیں یا مقلد؟ جب ڈاکٹر صاحب نے فرمایا میں مقلد ہوں تو انہوں نے یہ کہہ کر گفتگو ختم کر دی کہ آپ کو کتاب و سنت سے گفتگو کرنے کا اختیار ہی نہیں ہے شاید اسی لئے علامہ نے کہا تھا۔

مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے؟  
خانقاہوں میں کہیں لذت اسرار بھی ہے؟  
منزل زاہرواں دور بھی دشوار بھی ہے  
کوئی اس قافلے میں قافلہ سالار بھی ہے؟

(بال جبریل)



یہ رد عمل بھی ذرا اصل نتیجہ ہے تقلید میں شدت پسندی کا جب قرآن کی نص کا منسوخ ہونا بھی حدیث سے مانا جائے کہ قرآن کی نص حدیث سے منسوخ ہو سکتی ہے تو اس کا رد عمل حدیث کی تشریحی حیثیت سے انکار کی صورت میں سامنے آیا۔ تاہم شاہ ولی اللہ نے وراثت کے مسئلے میں حدیث کو قرآن کا نسخ ماننے کی تصحیح کی کہ اس مسئلے میں نسخ حدیث نہیں بلکہ خود قرآن کی ایک آیت 'آیت الموارث' ہے یعنی قرآن ہی قرآن کا نسخ ہوگا۔ حدیث اس کی تبیین ہوگی۔

بقول شاعر

بچا رگی کے ہاتھ سے ہوتا ہے خون دل  
بے دست و پا کو دیدہ بینا نہ چاہیے!

۱۶-۱۱:۹۰

جس طرح انسان کی انفرادی زندگی مختلف مراحل سے گزرتی ہے دور حمل، دور رضاعت، بچپن، جوانی اور بڑھاپا، اب ہر دور کے اپنے تقاضے ہیں۔ ایک دور کے تقاضوں کو دوسرے دور پر لاگو نہیں کیا جاسکتا۔ یعنی ایک بچے کو اس طرح تصور نہیں کیا جاسکتا جس طرح ۴۰ سالہ فرد کو کیا جاتا ہے۔ بصورت دیگر نتیجہ ہلاکت ہوگا۔ اس طرح زندگی کے ہر دور کے تقاضے ہیں جنہیں پورا کرنا ہی زندگی کے تسلسل کی ضمانت ہے۔

تفصیل کیلئے ملاحظہ ہوں۔ اجتہاد اور اس کا دائرہ کار

(از ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ)

ہیئتِ اصلیہ: اس کے مصادر کتاب و سنت ہیں اللہ اور رسول کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں دے سکتا۔ اس سے بنیادی تصور ملتا ہے اور زندگی کو تحریک ملتا ہے۔ یہ قیامت تک برقرار رہے گی یہ خالق حقیقی کا دیا ہوا ضابطہ ہے زندگی جس دور میں بھی داخل ہو جائے یہ نظام اس خوبی کا حامل ہے کہ زندگی کے تحریک کو قائم رکھے اور اس کے تقاضے پورے کرے۔

ہیئتِ کذاسیہ: یہ جزوی تفصیلات اور قوانین کا وہ ڈھانچہ ہے جو زندگی کے تحریک کو جاری رکھنے کیلئے نظم و ضبط مہیا کرتا ہے۔ بدلتے حالات کے مطابق نظم و ضبط مطلوب ہوتا ہے کتاب و سنت کی روشنی میں اس کیلئے ضابطے وضع کیے جاتے ہیں اس لئے Executive/Implimental discipline یعنی تنفیذی نظم پیدا ہوتا ہے۔ یہ ہر دور کی ضروریات کے مطابق وضع کیا جائے گا۔ تاکہ ہیئتِ اصلیہ کے مقصود کا تحفظ ہو۔ یہ حالات کے مخصوص ڈھانچہ / تقاضوں (Set of Circumstances) میں دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر زندگی کے تحریک و نظم میں تصادم پیدا ہو جائے تو مقصد حاصل نہ ہو گا بلکہ زندگی کا تحریک بھی متاثر ہو گا اور معاشرے میں بھی فساد پیدا ہو گا۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اگر نئے دور میں ہیئتِ کذاسیہ کی از سر نو

تشکیل نہ کریں گے تو:

i- زندگی کا تحریک رک جائے گا۔ (واقعہً تو نہ رکے گا مگر ہیت کذا سیہ کی متعین کردہ شکل کا ساتھ نہ دے سکے گی)

ii- نتیجتاً زندگی کا نظم بگڑ جائے گا۔ انار کی، فسق و فجور، انحراف، حق تلفی اور استحصال عام ہو جائے گا۔

iii- نظم اور تحریک میں تصادم اور جنگ شروع ہو جائے گی۔

جمود و تعطل برقرار رکھنے والے ایک طرف اور تحریک کی بقا کی جنگ لڑنے والے دوسری طرف ہو جائیں گے یہی صورت حال آج ہمارے معاشرے کی ہے۔

نظم تب ہی برقرار رہے گا جب تحریک کے ساتھ ساتھ چلے گا۔ اگر نظم نے تحریک کا ساتھ نہ دیا تو یہ ٹوٹے گا۔ ان میں تصادم ہوگا۔

زندگی کی حرکت تو کبھی رکے گی نہیں وہ میسر حالات سے اپنی ضروریات پوری کرے گی نتیجہ یہ ہوگا کہ خطبات اور وعظوں میں نظم اپنانے کیلئے تلقین ہوگی مگر معاشرے میں اسی نظم کو پامال کیا جائے گا۔ اس طرح اللہ کے دین کے ساتھ مذاق ہوگا۔ زندگی اپنے مسائل کے حل کیلئے چیخے گی مگر نظم اس کا ساتھ نہیں دے گا۔ لوگ اس صورت حال میں نظم کے پیچھے نہیں، تحریک یعنی ضروریات زندگی کی کفالت کے پیچھے بھاگیں گے معاشرے میں اسلامی قانون کا احترام، لحاظ اور اعتماد اٹھ جائے گا۔ آخر میں یہی کیفیت دین کے بارے میں ہوگی یہاں قصور دین کا نہیں بلکہ ان لوگوں کا ہے جنہوں

نے ہیئت کذائیہ کی تشکیل نو کرنا تھا لہذا نبی بعدی کا مفہوم یہی ہے کہ ہیئت اصلیہ دائمی ہے اس کا بدل دینے کی ضرورت نہیں اور العلماء ورثہ الانبیاء مفہوم یہ ہے کہ علماء ہیئت کذائیہ مہیا کریں گے۔ اس طرح اسلام جو کہ ابدی دین ہے عملاً کبھی بھی ازکار رفتہ نہیں ہوگا۔ جو ہیئت کذائیہ کی تشکیل نو کی متقاضی ہوئیں۔

اس نکتے کی وضاحت حضرت امام مالکؒ اور امام اعظمؒ کے طریق کا تقابلی مطالعہ کرنے سے ہوتی ہے امام مالک مدینہ پاک میں مقیم تھے۔ جہاں معاشرت، معیشت طرز بود و باش اتنی نہیں بدلی تھی کہ ابھی یہاں اسلام کو آئے ایک صدی بھی نہیں گزری تھی مگر کوفہ جو اسلامی مملکت کا مرکز تھا وہاں حالات بہت تیزی سے بدل رہے تھے۔ یہاں اور بغداد میں یونانی افکار کی یلغار تھی۔ مدینہ طیبہ میں زندگی کی پیچیدگی بہت کم تھی یعنی مقابلتہ دور نبوی اور امام مالک کے دور میں بہت کم تغیر آیا تھا۔ مگر امام اعظم کے علاقے میں زمانی بعد کے کم ہونے کے باوجود مکانی اور حالات کے بعد نے معاملات کو بہت بدل دیا تھا۔ اس لئے امام مالک کو ہیئت کذائیہ بدلنے کی بہت کم ضرورت پڑی مگر امام اعظم کو بہت ضرورت پڑتی تھی۔ آپ کو استحسان، استنباط سے زیادہ کام لینا پڑتا تھا۔ لہذا آپ کو اہل رائے کا طعنہ دیا جاتا تھا۔ اگر امام مالک کے مصادر فقہ دیکھیں تو اس میں قیاس نام کی کوئی چیز نہیں۔ ان کے مصادر قرآن سنت، خبر واحد، عمل صحابہ و عمل اہل مدینہ تھا۔ ان کا انحصار انہیں پر تھا کہ ان کے دیئے ہوئے ہیئت

کذائیہ کا اطلاق اس ماحول میں ممکن تھا مگر جس جگہ امام اعظم تشریف فرماتے وہاں بنیاد تو کتاب و سنت ہی تھی مگر اس بین الاقوامی مرکز پر اہل مدینہ ہی کے عمل سے کس طرح کام چل سکتا تھا۔ لہذا انہیں اجتہاد سے کام لینا پڑتا تھا۔ شریعت کا تیسرا ماخذ اجتہاد ہے۔

i۔ اجتہاد اجتماعی.....اجماع

ii۔ اجتہاد انفرادی.....قیاس

کبھی اجتہاد ضابطے سے بھی مطلوبہ نتائج سامنے نہ آئے تو کتاب و سنت کی روح کو سامنے رکھتے ہوئے استحسان اور عرف سے کام لینا پڑتا تھا گویا ایک ہی زمانے میں Set of circumstances کے بدلنے سے دو مختلف جگہوں پر ہیبت کذائیہ میں کتنی زیادہ تبدیلی آئی۔ جب ایک ہی وقت میں تبدیلی کا یہ عالم ہو تو چودہ صدیاں گزر جانے پر زندگی کے موثرات اور تقاضوں کے بدلنے کا کیا عالم ہوگا۔ جب اس دور میں ہیبت کذائیہ کی تشکیل نو کرنا پڑی تو آج بدرجہ اولیٰ کرنے کی ضرورت ہے نتیجہ سامنے ہے کہ اہل نظم مائل بہ شکست ہیں اور معاشرے میں ان کا احترام، اعتقاد اور انجام کار نظم پر سے عمل اٹھ رہا ہے اس لئے ہر دور میں اس دور کے مخصوص حالات (Set of circumstances) اور اس دور کی مخصوص حکمتوں اور مصلحتوں کو سامنے رکھ کر اصول وضع کئے جائیں گے۔

یہ شرف و امتیاز بھی تحریک منہاج القرآن کی بانی قیادت کو حاصل ہے کہ قائد انقلاب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے فلسفہ تضاد

(جس کے موجد ہونے کے دعویدار سوشلسٹ مفکرین ہیں) براہ راست قرآن حکیم سے اخذ کیا۔ اور اس تضاد کی بنیاد کو بھی متاع (معاشی حقوق) اور مستقر (سیاسی و سماجی حقوق) کی صورت میں براہ راست آیت قرآنی سے اخذ کیا۔

بعضکم لبعض عدوا ولکم فی الارض متاع و مستقرالی  
حین (۳۶:۲)

۱۰۔ نیز اجتہاد کے فقہی تصور کیلئے ملاحظہ ہوں

i۔ معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل

ii۔ اجتہاد اور اس کا دائرہ کار

iii۔ عصر حاضر اور فلسفہ اجتہاد

iv- Philosophy of Ijtehad & Modern World.

از پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ



## باب ششم

وما ارسلنا من رسول الا ليطاع باذن الله (۴: ۶۴)

عمرانی و سماجی فکر میں تغیر





دور زوال میں امت مسلمہ کی زندگی کا عمرانی اور سماجی پہلو بھی تغیرات کی زد میں آیا۔ زندگی کا عمرانی اور سماجی پہلو دراصل حیات اجتماعی کے معاشرتی پہلو سے عبارت ہے۔ حیات اجتماعی کی سطحی ساخت یوں ہے:

معاشرت      معیشت      سیاست

اور یہ تینوں سطحیں باہم یکدگر متعلق اور مربوط ہیں یعنی ایک سطح کا بگاڑ دوسری سطح کو متاثر کرے گا۔ معاشرتی سطح پر دور زوال میں یہ تغیر آیا کہ امت مسلمہ کی عمرانی وحدت دین کی بجائے وطن پرستی بن گئی۔ وطن پرستی نے ہیبت اجتماعی سے جذبہ اخوت کو مفقود کر دیا اور اخوت کی جگہ نسلی تفاخر اور خود پسندی نے لے لی۔ یہ نسلی تفاخر علاقائی اور طبقاتی گروہ بندیوں پر منتج ہوا۔ میدان معاشرت کا یہ بگاڑ معیشت میں بخل، ہوس گیری، لالچ، مفاد پرستی اور اکتناز کا سبب بنا جس کے نتیجے میں میدان سیاست میں ہوس اقتدار قاعدہ و ضابطہ رائج الوقت بن گئی اور اقتدار کے حصول کے لئے جائز و ناجائز کی تمیز اٹھ گئی۔

## دور جدید کی جاہلیت

یہ دور جدید کی جاہلیت ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں انسانیت باہمی افتراق کا شکار ہو رہی ہے۔ اس باہمی افتراق کا اثر امت مسلمہ پر بھی پڑا یہ افتراق دونوعی ہے:

نسلی افتراق      طبقاتی افتراق

## نسلی افتراق

اس سے عربی، عجمی تقسیم اور پھر عرب و عجم کے اندر بھی نسلی و خاندانی تفوق

و تکبر پیدا ہوا۔

## طبقاتی افتراق

اس سے حاکم و محکوم، امیر و غریب اور عیاش و محتاج طبقات وجود میں آئے۔

امت مسلمہ میں یہ افتراق معاشرتی زندگی میں پیدا ہونے والے اس بگاڑ کا نتیجہ ہے جسے قرآن حکیم کی زبان میں درج ذیل چار اصطلاحات سے واضح کیا جاسکتا ہے:

### ۱۔ حمیۃ الجاہلیۃ

(دور جاہلیت کی طرح محدود حمیت و عصیت مثلاً وطنی، علاقائی، نسلی، لسانی

اور طبقاتی اور گروہی عصیتیں) اسی عصیت کے باعث اپنی وفاداریوں اور مفادات کو

محدود پیمانوں پر متعین کرنا خود کو ایک ہمہ گیر وحدت میں منسلک کرنے کی بجائے مختلف

طبقات میں منقسم کر لینا اور ان ہی محدود وفاداریوں کو اپنی معاشرتی کی بنیاد تصور کرنا بلکہ

ان ہی کو وجہ شرف اور بنائے تفاخر قرار دینا حمیۃ الجاہلیۃ ہے اور اسلام اس کو کلیۃً نیست و

نابود کر دینا چاہتا ہے۔

### ۲۔ ظن الجاہلیۃ

(دور جاہلیت کی طرح غیر اسلامی افکار و نظریات اور توہمات و تصورات) وہ

تمام مذہبی، سیاسی، معاشی، معاشرتی و تہذیبی تصورات جو غیر اسلامی فکر سے جنم لیتے

ہیں۔ ظن الجاہلیۃ ہیں۔ ان کی وجہ سے پوری معاشرتی زندگی براہ راست متاثر ہوتی ہے

کیونکہ ہر شعبہ زندگی کسی نہ کسی باقاعدہ تصور اور نظریہ سے تشکیل پاتا ہے اور اسی تصور کے باعث زندگی کے ہر عمل کی صحت و عدم صحت اور نوعیت متعین ہوتی ہے۔

### ۳۔ تبرج الجاہلیۃ

(دور جاہلیت کی طرح نمائش حسن، عریانی، آبرو باختگی اور اظہار جمال کی مختلف صورتیں) نمود و نمائش اور زندگی کے مصنوعی وقار اور حسن و جمال کی خاطر طرح طرح کے فیشن اور بے جا مصارف جو بالخصوص عورتوں کی زیب و زینت کی نذر ہوتے ہیں۔ تبرج الجاہلیۃ کے ضمن میں آتے ہیں ان کی وجہ سے معاشرتی اور عائلی زندگی نہ صرف ناروا بوجھ تلے دب جاتی ہے بلکہ پوری زندگی تصنع اور بناوٹ کی آئینہ دار ہو جاتی ہے۔ سادگی اور حقیقت و اصلیت ناپید ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ ”تبرج“ کی مختلف صورتیں ضروریات زندگی یا تقاضہ ہائے عزت کے طور پر اس طرح ناگزیر ہو جاتی ہیں کہ بالاخر انسان ان کی خرطہ نہ صرف پائی پائی کا محتاج ہو جاتا ہے بلکہ اخلاقی فضائل اور مذہبی اقدار کا بھی دیوالیہ ہو جاتا ہے۔ یہ نمائش معاشرے میں گناہ و معصیت کی زندگی کو بھی رواج دیتی ہے۔

### ۴۔ حکم الجاہلیۃ

(ذولجاہلیت کی طرح غیر اسلامی طاغوتی قوانین) کسی معاشرے کا وہ قانونی ڈھانچہ جو اپنی اصل ماہیت کے لحاظ سے غیر اسلامی ہو اور اخلاقی زندگی کا صحیح تحفظ کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو حکم الجاہلیۃ کہلاتا ہے۔ سوسائٹی کے وہ تمام قوانین جو قرآن و سنت سے انحراف پر مبنی ہوتے ہیں۔ ان کی ناروا پیچیدگیاں اور مخصوص ضابطے انسانی زندگی میں بجائے سہولت و آسائش مہیا کرنے کے دشواریاں پیدا کرتے ہیں اور ان کی ساخت میں انسانی ذہن کے تراشیدہ ہونے کی وجہ سے جو خامیاں پیدا ہوتی غیر

اخلاقی زندگی کو جنم دیتی ہیں۔ اس بگاڑ کی اصلاح بھی حسب ترتیب چار نوعیت کے اقدامات سے ممکن ہے۔ ایک یہ کہ تمام محدود گروہ ہی وفاداریوں اور عصبیتوں کو قانوناً ممنوع قرار دے دیا جائے بلکہ ایسی عصبیتوں کو ہوا دینے کی کوشش کو قومی وحدت اور سالمیت کے خلاف سازش تصور کرتے ہوئے قوت سے دبا دیا جائے اور اس کے برعکس پوری معاشرتی زندگی کو ایک وحدت میں بدلنے کے لئے موثر جدوجہد کی جائے۔

دوسرے یہ کہ تمام غیر اسلامی، منفی اور تخریبی افکار و نظریات کا قلع قمع کیا جائے تاکہ معاشرے کی اجتماعی زندگی نظریاتی خالصیت سے بہرہ ور ہو اور ہر عمل کو صحیح فکر کی رہنمائی حاصل ہو۔

تیسرے یہ کہ سادہ اور باعصمت زندگی کے منافی نمود و نمائش اور تعیش و سفلہ نوازی کی تمام صورتیں یکسر ختم کر دی جائیں بلکہ سادہ زندگی کا نظام قانوناً اس طرح جاری ہو گا کہ کسی کو بھی تبرج یعنی بے جازیب وزینت کی ادنیٰ سے ادنیٰ صورت کی بھی اجازت نہ ہو سکے۔

چوتھے یہ کہ مذکورہ بالا سیاسی، معاشی اور معاشرتی مقاصد کے حصول کے لئے قرآن و سنت پر مبنی نظام قانون نافذ کیا جائے۔ اگر قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں اور طاقتوں کے پیش نظر سرے سے مذکورہ بالا مقاصد ہی نہ ہوں جن کی خاطر قانونی ڈھانچہ بدلنا درکار ہے تو بغیر انقلابی مقاصد اور منصوبہ بندی کے شریعت کے جزوی احکام نافذ کرنے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ مذکورہ بالا بگاڑ چونکہ قومی سطح پر واقع ہوتا ہے اس لئے اس کی اصلاح کی جدوجہد بھی اسی سطح پر ہونی چاہئے اگر ان حقائق کو نظر انداز کر کے نفاذ شریعت کی مخلصانہ کوشش بھی کی جائے تب بھی مطلوبہ منزل کا حصول ممکن نہیں۔

یہ وہ لائحہ عمل ہے جس کے ذریعے قومی نصب العین کا حاصل کرنا نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ ہو سکتا ہے کہ جدوجہد کا آغاز مذکورہ بالا تصور کے مطابق سیاسی انقلاب سے ہو اس کے سیاسی انقلاب کے نتائج کو معاشی انقلاب کے ذریعے محفوظ کیا جائے اور معاشی انقلاب کی تکمیل کے بعد معاشرتی انقلاب کی طرف متوجہ ہو جائے کیونکہ یہ مرحلہ دائمی طور پر جدوجہد جاری رکھنے کا ہے اسی طریق کو اپنا کر ہی مطلوبہ اخلاقی انقلاب پیا ہو سکتا ہے۔

### موثرات حیات کی تبدیلی کا اثر

موثرات حیات کی تبدیلی نے امت مسلمہ کے زاویہ نگاہ کو بدل ڈالا اگرچہ ان کا طرز عمل تو وہی رہا کہ وہ اقدار اسلام کی پابندی میں زندگی گزار رہے ہیں مگر طرز عمل کے پیچھے کار فرما زاویہ نگاہ کے بدل جانے سے وہ اس طرز عمل کی برکات و ثمرات سے محروم رہے نتیجہ عمرانی و سماجی سطح پر زندگی پر لادینیت (Secularism) کا غلبہ ہو گیا چونکہ عملاً زندگی لادینیت کی زد میں چلی گئی تو معاشرے میں اسلامی اقدار حیات کو قانونی تحفظ حاصل نہ رہا۔ معاشرتی سطح پر اخوت کی جگہ نسلی تفاخر اور علاقائی تفوق کے عناصر کے در آنے سے اسلامی معاشرہ کی اساس جو کہ کلمہ طیبہ یعنی توحید و رسالت تھی، اسلامی معاشرہ اس سے محروم ہو گیا اور مطیع و مطاع کا وہ تصور جو شریعت اسلامی کا عطا کردہ تھا وہ <sup>۳</sup> معاشرے سے اٹھ گیا۔ حیات عمرانی کے جملہ شعبوں (معاشرت، معیشت، سیاست، ثقافت وغیرہ) کے تقاضے لادینی نظام سے پورے ہونے کے سبب، مذہب قومی یا ملی معاملہ کی بجائے انفرادی، شخصی، نجی و ذاتی و انفسی معاملہ بن گیا اور حیات عمرانی کی اساس وطن پرستی قرار پائی۔ ہندوستان میں بھی علماء دین اس تغیر کی زد میں آئے اور بیرونی تسلط سے نجات کے حصول کے جوش و خروش

میں ہندو مسلم تشخص کے امتیاز کو نظر انداز کر بیٹھے اور وطن پرستی کے فتنہ کا شکار ہو گئے جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ آنے والے دور میں قیادتِ کلیہٴ جدید تعلیم یافتہ ہاتھوں میں چلی گئی۔ ۴

## فتنہ وطن پرستی اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ

برصغیر میں جب علماء وطن پرستی کے فتنہ کا شکار ہو رہے تھے۔ اقبال نے اس کا ادراک کیا اور اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ملتِ اسلامیہ کی بنیاد وطن نہیں دین اور نسبتِ مصطفوی ہے اقبال نے جا بجا صدا بلند کی۔ "Statesman" میں ۱۰ جون ۱۹۳۵ء کو شائع ہونے والے اپنے ایک خط میں اقبال نے اس امر کی وضاحت کی کہ مسلم ملت کی اساس کیا ہے؟

”اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے جس کی حدود مقرر ہیں یعنی وحدتِ الوہیت پر ایمان، انبیاء پر ایمان اور رسول کریم ﷺ کی ختم رسالت پر ایمان۔ دراصل یہ آخری یقین ہی وہ حقیقت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجہ امتیاز ہے اور اس امر کے لئے فیصلہ کن ہے کہ کوئی فرد یا گروہ ملتِ اسلامیہ میں شامل ہے یا نہیں مثلاً برہمنوں پر یقین رکھتے ہیں اور رسول کریم ﷺ کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں لیکن انہیں ملتِ اسلامیہ میں شمار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ قادیانیوں کی طرح وہ انبیاء کے ذریعہ وحی کے تسلسل پر ایمان رکھتے ہیں اور رسول کریم ﷺ کی ختم نبوت کو نہیں مانتے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی اسلامی فرقہ اس خدا فاصل کو عبور کرنے کی جسارت نہیں کر سکا۔ ایران میں بہائیوں نے ختم نبوت کے اصول کو صریحاً جھٹلایا لیکن ساتھ انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ الگ جماعت ہیں اور مسلمانوں میں شامل نہیں ہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ اسلام بحیثیتِ دین کے خدا کی طرف سے ظاہر ہوا لیکن اسلام بحیثیتِ سوسائٹی یا

ملت کے رسول کریم ﷺ کی شخصیت کا مرہون منت ہے۔ میری رائے میں قادیانیوں کے سامنے صرف دو راستے ہیں یا وہ بہائیوں کی تقلید کریں یا پھر ختم نبوت کی تاویلوں کو چھوڑ کر اس اصول کو اس کے پورے مفہوم کے ساتھ قبول کر لیں۔ ان کی جدید تاویلیں محض اس غرض سے ہیں کہ ان کا شمار حلقہ اسلام میں ہوتا کہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ سکیں۔“

اس حوالے سے اقبال کی فکری خدمات کا تفصیلی تذکرہ مقدمہ میں گزر چکا ہے۔ خود تحریک پاکستان مسلمانان برصغیر کے ضمیر کی اس آواز کی غماز ہے کہ ہندو غلبہ کے تحت مسلم تشخص کے مٹ جانے کا خدشہ ہی مسلمانان برصغیر کو ایک الگ وطن کے مطالبے پر لے آیا۔

### عمرانی و سماجی فکر میں تغیر کا سبب

امت مسلمہ اس عظیم تغیر کا شکار کیوں ہوئی؟ تاریخ گواہ ہے کہ مغربی اقوام نے مسلمانوں پر تسلط حاصل کرتے ہی استعماری نظام لاگو کر کے شرعی نظام کو ختم کر دیا جو مسلم معاشرے کے لئے عمرانی اساس و وحدت کا کردار ادا کر رہا تھا۔ جب عملی زندگی میں تقاضائے حیات لادینی نظام سے پورے ہونے لگے تو زندگی میں دین صرف عبادات کے دائرے تک محدود ہو کر رہ گیا۔ عبادات اور معاملات میں اس خلیج نے عبود اور معبود میں موجود اخلاص باللہ کے چراغ کو گل کر دیا۔ اخلاص باللہ کے معدوم ہونے سے مسلم معاشرے کی اپنی اساس سے عصبيت بھی زائل ہو گئی۔ حیات اجتماعی کی اپنی اساس سے عصبيت کے زائل ہونے کا نتیجہ اس کے افتراق نسل و علاقہ کی شکل میں سامنے آیا۔

دین دور عروج میں (قانون کلام و تصوف کی شکل میں) مسلمانوں کے لئے

زندگی کی قوت و حرارت کا باعث تھا۔ دور زوال میں دینیت و لادینیت کی تفریق کے بعد مسلمان زندگی کی قوت و حرارت سے محرومی کا شکار ہو گئے جب جدید الحادی اشتراکیت اپنے نظریات کی بناء پر قوت و ولولے کے نئے سرچشموں کا اعلان کر رہی تھی۔ دور جدید کے مسلمان ممالک (ترکی، مصر، ایران) کا قوت و حرارت کے نئے سرچشموں کے حصول کے لئے زمین پیوندی، حب الوطنی، قوم پرستی، رنگ و نسل سے وابستگی کی طرف مائل ہونا ایک قدرتی امر تھا۔

اس عمرانی و سماجی تغیر کی وجہ سے اصلاح احوال کے راستے مسدود ہو گئے کیونکہ:

- ۱۔ کلمہ طیبہ کی جگہ وطن پرستی اور علاقائی عصبیتیں عمرانی وحدت قرار پائیں۔
- ۲۔ مذہب صرف نجات اخروی کا ذریعہ بن گیا۔
- ۳۔ مذہبی قیادتوں نے عملاً لادینیت سے سازگاری اختیار کر لی۔
- ۴۔ معاشی مفادات کا تحفظ دین فروشی سے مربوط ہو گیا۔
- ۵۔ نتیجہ معاشی طور پر مقتدر طبقوں (سلطان جائز) کے خلاف صدائے حق بلند کرنا بند ہو گیا۔

## تدارک کا منہاج

ان موانعات کے تدارک کے لئے ضروری ہے کہ حیات عمرانی کی ترقی کے منہاج کو سمجھا جائے جو درج ذیل تین مراحل سے عبارت ہے:

- ۱۔ انسانی شخصیت کی نشوونما
- ۲۔ ہیئت عمرانی کی (اعلیٰ اقدار کی استواری کے ساتھ) تکمیل
- ۳۔ ماحول کی تسخیر



مگر آج دو مراحل کو نظر انداز کر کے جب صرف آخری مرحلہ کو رو بہ عمل کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں تو اس کا نتیجہ تخریب کی صورت میں سامنے آیا۔ جس کا سبب وہ خوف ہے جس میں مغرب کو سپنگلر (Oswald Spengler) 'رسل (Bertrand Russel) اور ٹوائن بی (Toynbee) نے یہ کہہ کر بتلا کر دیا ہے کہ مغربی تہذیب تباہی کی منازل طے کر رہی ہے اور مٹ کر رہے گی مگر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عمرانی حیات کی بقا اس طرح ہی ممکن ہے کہ مادی حیات کو اخلاقی حیات کے تابع کیا جائے۔ عمرانی وجود کے باطن اور ظاہر میں وحدت اور ہم آہنگی پیدا کی جائے بائیں طور کہ

- ۱۔ عمرانی وجود کے ظاہر کے ارتقاء کے جوش میں باطن کو نظر انداز نہ کیا جائے۔
- ۲۔ عمرانی وجود کے باطن کو اس طور ترقی دی جائے کہ وہ ظاہر کو متاثر کرے اور اس کے لئے تعمیر اور مثبت سمت کا تعین کرے۔
- ۳۔ عمرانی وجود کے ظاہر کی تمام تبدیلی باطن کے تحت ہو۔

ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ  
يُغَيِّرُوا أَمَّا بِأَنفُسِهِمْ  
بیشک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں  
بدلتا یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے آپ  
میں خود تبدیلی پیدا کر ڈالیں (۱۱:۱۳)

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ آیت متذکرہ میں تغیر ایجابی اور سلبی دونوں پہلوؤں کو محیط ہے۔ جب حیات عمرانی اور سماجی وجود کو تغیرات کے اثر سے پاک کر کے ایک مثالی شکل کے لئے جستجو کی جائے تو قرآن حکیم کی روشنی میں ایک مثالی معاشرے کے درج ذیل خصائص سامنے آتے ہیں:

۱۔ وحدت نسل انسانی اور شرف و تکریم انسانیت کے ایسے تصور پر مبنی ہوں جس سے محدود گروہی 'لسانی' علاقائی اور طبقاتی عصبیتیں معدوم ہو سکیں۔

۲۔ اس کی بنائے استحکام حضرت محمد ﷺ کی ذات اقدس سے ایسی غیر مشروط اور مخلصانہ دائمی وفاداری ہو کہ شرک فی النبوة کا کوئی شائبہ باقی نہ رہے۔

۳۔ اس کے افراد اس طرح روحانی الذہن ہوں کہ ان کی تمام تر جدوجہد میں محرک عمل رضائے الہی کی جستجو اور اساس عمل مطالبہ حقوق کی بجائے ایتائے حقوق ہو تاکہ معاشرے کا کوئی فرد بھی محرومی کا شکار نہ ہونے پائے۔

۴۔ اس کی جدوجہد کا رخ یہ ہو کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی تمام داخلی اور خارجی موجبات خوف و غم سے محفوظ ہو جائے۔ اور

۵۔ وہ بین الاقوامی سطح پر غلبہ حق کی خاطر داخلی اور خارجی محاذوں پر تمام باطل طاغوتی، استحصالی اور منافقانہ قوتوں کے خلاف غیر مصالحانہ انقلابی جنگ فیصلہ کن مرحلہ تک جاری رکھ سکے۔

### ہیئت عمرانی کی تشکیل نو کی ضرورت

جب ان اوصاف کے حامل مثالی معاشرے کے قیام کے لئے امت مسلمہ روبہ عمل ہو گئی تو اسے اپنی ہیئت عمرانی کی تشکیل نو کے لئے قرآن حکیم سے ہدایت لینی ہوگی یعنی ہیئت عمرانی کی وہ تمام بنیادی اکائیاں جن سے سماجی وجود ظہور پذیر ہوتا ہے اس کے بارے میں اپنے زاویہ نگاہ کو Quranize کرنا ہوگا اور اپنے دور زوال کے Chronic تصورات کو Quranic تصورات سے بدلنا ہوگا۔ حیات عمرانی کے حوالے سے فرد اور جماعت پر مشتمل درج ذیل اکائیاں سامنے آتی ہیں:

(۱) خاندان (۲) مسجد

## (۱) خاندان

خاندان حیات عمرانی کی وہ بنیادی اکائی ہے جو زوجین کے درمیان نکاح کے ذریعے ایک معاہدے کی حیثیت سے وجود میں آتا ہے جو جہاں ایک طرف حیات اجتماعی کی بنیاد ہے تو دوسری طرف اس کے تسلسل و بقائے نسل کا ذریعہ بھی۔

خاندان کی بنیاد یعنی زوجین کے باہمی تعلق اور حقوق و فرائض اور ان کے باہمی رویہ کے ضوابط کی تفصیلات کو قرآن حکیم نے درج ذیل آیت میں اختصار کے باوجود انتہائی بلیغ انداز میں بیان کر دیا ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ  
وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی  
پوشاک ہو (۱۸۷:۲)

اس آیت مبارکہ میں درج ذیل نکات قابل غور ہیں:

- ۱۔ زوجین کو ایک دوسرے کا لباس کہہ کر باہمی ذمہ داریوں کا احساس دلایا گیا ہے۔
- ۲۔ زوجہ کے لباس ہونے کے ذکر کو مقدم کر کے شوہر کو خاندان کی اکائی کے قائم رکھنے اور اس کی بقاء کے حوالے سے اساسی ذمہ داریوں کو بیان کر دیا گیا ہے۔
- ۳۔ لفظ لباس کا استعمال حیاتی و جمالیاتی ورثہ (اقدار و روایات) کے لئے خاندان کی اہمیت اور اس کے بقا و تسلسل کی سبیل کو بھی بیان کر دیا گیا ہے۔

اس حوالے سے قرآن کی کئی دوسری آیات بھی حیات عمرانی میں خاندان کی اہمیت کے کئی پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہیں۔ خطبہ نکاح جو کہ زوجین کے مابین ازدواجی زندگی کے معاہدے کی بنیاد ہے وہ بھی خاندان کی اہمیت اور اس کے قواعد و ضوابط کا احاطہ کرتا ہے۔

الحمد والثناء لله تعالى الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و  
نعوذ به من شرور انفسنا و سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل و  
من يضلله فلا هادي له و قال تبارك اسمه و تعالى ذكره: وهو الذي  
خلق من الماء بشرا فجعله نسبا و صهرا و كان ربك قديرا. فامر الله  
يجرى الى قضائه؛ ولكل قضاء قدر؛ ولكل قدر اجل؛ يمحو الله ما  
يشاء و يثبت و عنده ام الكتاب. الشهادتان اشهد ان لا اله الا الله  
و حده لا شريك له و اشهد ان سيدنا و مولانا محمداً عبده و رسوله.  
الصلوة والسلام على سيدنا رسول الله.

اللهم صل على سيدنا و مولانا محمد و على آله و صحبه  
بالغدو الاصال اللهم سلم على سيدنا و مولانا محمد و على آله و  
صحبه بعدد النساء و الرجال اللهم بارك على سيدنا و مولانا محمد و  
على آله و صحبه بعد الخلق و الرمال.

### الايات القرآنية

يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن الا و انتم  
مسلمون. يا ايها الناس اتقوا ربكم الذي خلقكم من نفس احدة و خلق  
منها زوجها و بث منها رجالا كثيرا و نساء و اتقوا الله الذي تساءلون  
به و الارحام. ان الله كان عليكم رقيبا.

☆ واتوا اليتيمى اموالهم ولا تبدلوا الخبيث بالطيب ولا تاكلوا  
اموالهم الى اموالكم انه كان حوبا كبيرا.

☆ وان خفتم الا تقسطوا في اليتيمى فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلث وربع فان خفتم الا تعدلوا فواحدة او ما ملكت ايما نكم ذلك ادنى الا تعولوا!

☆ ومن آيته ان خلق لكم من انفسكم ازواجاً لتسكنوا اليها وجعل بينكم مودة ورحمةً ان في ذلك لآيات لقوم يتفكرون

### الاحاديث النبوية

قال سيدنا رسول الله ﷺ: يا معشر الشباب! من استطاع منكم الباءة فليتزوج، فانه اغض للبصر واحصن للفرج

☆ وقال عليه الصلوة والسلام: الدنيا متاع، و خير متاعها المرأة الصالحة

☆ وقال عليه الصلوة والسلام: النكاح من سنتي، فمن لم يعمل بسنتي فليس مني

☆ وقال عليه الصلوة والسلام: تنكح المرأة لا ربع لما لها ولحسبها ولجما لها ولدينها، فاظفر بذات الدين

☆ وقال عليه الصلوة والسلام: ما اكرمهن الا كريم وما اهانهن الا لئيم

☆ وقال عليه الصلوة والسلام: تزوجوا ولا تطلقوا، وقال: ابغض الحلال الى الله الطلاق، وقال: ان الله لا يحب الذواقين ولا الذواقات

☆ ومن حق الزوجة على احدنا ان تطعمها و تكسوها و ان لا تضرب و جهها ولا تقبحها

☆ وقال عليه الصلوة والسلام: اكمل المؤمنين ايماناً احسنهم خلقاً و خياركم خياركم لنسائهم و قال انا خيركم لاهلي

☆ ياايها الدين امنوا اتقوا الله و قولوا قولاً سديداً. يصلح لكم اعمالكم و يغفر لكم ذنوبكم و من يطع الله و رسوله فقد فاز فوزاً عظيماً

خطبہ نکاح کے مشمولات سے ہی ظاہر ہے کہ معاشرتی زندگی کی اساس یعنی خاندان کی تشکیل کے روز اول سے ہی اس کے عناصر ترکیبی زن و شوہر کو اس تعلیم اور رہنمائی سے آگاہ کیا جا رہا ہے جس پر ان کے آنے والی زندگی میں ان کے خاندان کے استحکام کا دار و مدار ہے اس حوالے سے خطبہ نکاح خاندانی زندگی کے اساسی معاہدہ عمرانی میں داخل ہونے والوں کو بتاتا ہے کہ

۱۔ سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔ بندوں کو چاہئے کہ اس سے مدد معافی اور اپنے نفوس کے شر سے پناہ کے طالب رہیں کہ ہدایت یابی اور ترک گمراہی کی نعمت اس کی بارگاہ سے ہی عطا ہو سکتی ہے۔

۲۔ تخلیق انسانیت اور پھر بنی نوع انسان میں نسب اور خاندان کا قائم کرنا اور بنی نوع انسان کے طبیعت و مزاج میں ان رشتوں کا لحاظ و وقار رکھ دینا رب ذوالجلال کی نعمت ہے بندوں کو چاہئے کہ وہ اس نعمت کی حرمت کا لحاظ رکھیں۔

۳۔ اس نعمت کی عطا یگی پر بندوں کو اپنی خاندانی زندگی کا سنگ بنیاد ”شہادتان“ یعنی توحید و رسالت کی ایمانی و عملی گواہی پر رکھنا چاہے تاکہ آنے والی زندگی میں اس

گو اہی کا فیضان ان کی زندگی میں جاری و ساری رہے۔

۴۔ رب ذوالجلال کا انسانیت کو نفس واحدہ سے تخلیق فرمانا اور پھر مرد و زن کی صورت میں ان کو پھیلا دینا کہ نسل نوع انسانی کی بقا و تسلسل کا باعث ہو اس امر کا متقاضی ہے کہ اس خالق کے احکام کی پیروی جو کہ تقویٰ سے عبارت ہے کو زندگی کا ضابطہ بنایا جائے اور ایسا عملی ضابطہ کہ موت بھی اسی ضابطہ پر آئے۔

۵۔ نکاح کے معاملے میں اگرچہ مردوں کو ایک سے زائد نکاح کی اجازت دی گئی ہے مگر انہیں اس بات کا پابند بھی کیا گیا ہے کہ وہ عدل کا دامن نہ چھوڑیں ورنہ

فان خفتم الا تعدلوا فواحدة

اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو

گے تو ایک ہی نکاح کرو۔

کیونکہ ترک عدل خاندانی ڈھانچے کو منتشر کر دے گا اور اس کی استحکام کی اساس کو ختم کر دے گا۔

۶۔ مردوں کو ”قوام“ ہونے کے ناطے عورتوں سے حسن سلوک کا پابند کیا گیا ہے۔

۷۔ احادیث مبارکہ میں بھی ان تعلیمات پر زور دیا گیا ہے خصوصاً خاندانی ادارے کے دوام اور استحکام پر زور دیا گیا ہے اور اس کی شکستگی کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔

طلاق جو خاندان کے ادارے کے اختتام کی صورت ہے اسے حلال امور میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ گردانا گیا ہے۔ طلاق کا یہ تعارف کروا کر اس امر کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ اس اساسی معاہدہ عمرانی کے فریقین حتی الامکان خاندان کے دوام استمرار اور استحکام کے لئے کوشاں رہیں کیونکہ ایک مثالی کاندان ہی مثالی معاشرے کی اساس ہے اور مثالی معاشرہ ہی مثالی قوم کی اساس ہے۔

مسجد اسلامی معاشرے میں دوسری اکائی ہے جو ہیئت اجتماعی کی عملی صورت کا اظہار ہے۔ ماضی میں مسجد کا کردار دینی دنیاوی دونوں معاملات میں ایک جیسا رہا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ایک مجلہ میں بھی مسلم معاشرے کی مرکزیت کی علامت مسجد ہے۔ عیدین کی شکل میں شہر و ملک میں بھی مسجد ہی ہیئت عمرانی کے اجتماعی اظہار کا ذریعہ ہے اور ارضی سطح پر بھی بیت اللہ کی شکل میں مسجد ہی پوری امت مسلمہ کو ایک مرکز پر رکھنے کا واسطہ ہے نہ صرف بین المسلمین بلکہ بین الاقوامی اور عالمی سطح پر بھی اس تصور کو ہی اجاگر کیا گیا ہے جس پر آج تک بہت کم غور کیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جعلت لی الارض مسجداً و  
 طهوراً  
 میرے لئے زمین کو مسجد اور پاکیزہ بنایا  
 گیا ہے۔

(صحیح بخاری شریف)

اس حدیث مبارکہ کی فقہی اہمیت سے ماسوا انقلابی فکر کے حوالے سے بھی اہمیت ہے کہ اگر امت مسلمہ اس بنیادی حقیقت کا ادراک کر لے کہ کرہ ارض کو اس کے رسول ﷺ کے لئے مسجد بنایا گیا ہے کہ تو کوئی وجہ نہیں کہ مقصود بعثت محمدی ﷺ کے لئے سراپا عمل نہ بن جائے۔ آج معاشرے میں مسجد کے اس کردار کے احیاء کے لئے براہ راست قرآن حکیم سے رہنمائی لینا ہوگی، ارشاد ربانی ہے:

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنَ آمَنَ  
 بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ أَقَامَ  
 الصَّلَاةَ وَ آتَى الزَّكَاةَ وَ لَمْ  
 اللہ کی مسجدیں صرف وہی آباد کر سکتا  
 ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان  
 لایا اور اس نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا



يَخْشَى إِلَّا اللَّهَ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَن يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ۝  
 کی اور اللہ کے سوا (کسی سے) نہ ڈرا۔  
 سو امید ہے کہ یہی لوگ ہدایت پانے  
 والوں میں ہو جائیں گے۔ (۱۸:۹)

اس آیت مبارکہ میں ان بنیادی تعلیمات کو بیان کیا گیا ہے کہ:

۱۔ مساجد کی تعمیر مسلم معاشرے میں اللہ رسالت اور آخرت پر اہل ایمان کے  
 ایمان کی پختگی کا باعث ہونی چاہئے۔

۲۔ مساجد اقامت صلوٰۃ وایتائے زکوٰۃ کے نظام کامرکز ہونی چاہئیں۔

۳۔ مساجد سے سلطان جائز کے خلاف اعلان حق بلند ہونا چاہئے۔

۴۔ مذکورہ بالا لائحہ عمل پر عمل ہی مساجد کے مرکز شد و ہدایت ہونے کی ضمانت

فراہم گا مگر دور زوال میں جہاں ہمارے معاشرے کی دیگر اقدار و موثرات تغیر

پذیر ہوئے وہاں مساجد کا کردار بھی بدل گیا۔ آج مساجد تفرقہ بازی، مسلک

پرستی اور عبادات کی رسمی ادائیگی کامرکز ہو کر رہ گئیں حالانکہ اس رویہ اور طرز

عمل کو اگلی آیت میں لا یستون عند اللہ (۱۹:۹) کہہ کر مسترد کیا جا رہا ہے۔

کہاں قرآن کا بیان کردہ مساجد کا عظیم انقلابی کردار اور کہاں آج زوال زدہ

مسلم معاشرے کی حالت

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

(۳) مدرسہ

مسلم ہیئت اجتماعی کی یہ اکائی مکتب، سکول، کالج اور جامعات پر مشتمل ہے

اس کا بنیادی وظیفہ نسل نو کی فکری، ذہنی اور تعلیمی تربیت کرنا ہے۔ اس کا تفصیلی تذکرہ

”تعلیمی و تربیتی فکر میں تغیر“ کے ذیل میں آرہا ہے تاہم یہاں اتنا بیان کیا جاتا ہے کہ مسلم ہیئت اجتماعی میں مکتب و مدرسہ کا کردار تزکیہ، تعمیر کردار اور تعلیم کتاب و حکمت پر مشتمل ہونا چاہئے۔ ارشادِ ربانی ہے:

کَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ  
يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَ  
يُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ  
يُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا  
تَعْلَمُونَ ۝

(۱۵۱:۲)

اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہیں  
میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم پر  
ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور  
تمہیں (نفساً و قلباً) پاک صاف کرتا  
ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے  
اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں  
وہ (اسرار معرفت و حقیقت) سکھاتا  
ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

یہ آیہ مبارکہ جہاں چہارگانہ فرائض نبوت کو بیان کر رہی ہے وہاں مسلم  
ہیئت عمرانی میں تعلیمی و تربیتی نظام کے خدوخال بھی دے رہی ہے کہ مسلم  
معاشرے میں مدرسہ کا کردار ایسا ہو کہ

۱۔ مدرسہ آیات الہی (قرآن حکیم) اور صاحب آیات الہی (ذات نبی ﷺ) کے  
ساتھ طلبہ کے تعلق کو پختہ کرے۔

۲۔ مدرسہ تدریس ہی نہیں تعمیر و تشکیل کردار کا فریضہ بھی سرانجام دے۔

۳۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ حکمت سے بھی طلبہ کو بہرہ ور کرے۔

۴۔ مدرسہ طلبہ میں ان دیکھے حقائق کی تلاش و دریافت کا جذبہ پیدا کرے۔ آج

قرآنی رہنمائی میں مدرسہ کا کردار متعین کر کے ہی نظام تعلیم کی بد آموزی (Mis-education) اور تخریبی تاثیر کو ختم کیا جاسکتا ہے۔

(۴) ریاست

اسلامی معاشرہ جب سیاسی طور پر منظم ہو گا تو ریاست وجود میں آئے گی۔ اسلامی ریاست میں مطاع (Super Ordinate) اور مطیع (Sub Ordinate) کا تصور غیر اسلامی ریاست کے تصور سے کلیہً مختلف ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ  
بِإِذْنِ اللَّهِ

اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم کی اطاعت کی جائے۔ (۶۴: ۴)

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ

جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا (۸۰: ۴)

گویا اسلامی معاشرے میں مطاع ذات نبوت ہوگی۔ یہ امر قابل توجہ ہے کہ مطاع رب ذوالجلال کی ذات کو نہیں بنایا گیا کیونکہ مطاع نامشہود معاہدہ عمرانی کا فریق نہیں بن سکتا۔ توحید و رسالت کا تقاضہ یہ ہے کہ عبادت خالصہ اللہ کی کی جائے اور اطاعت خالصہ رسول اللہ ﷺ کی کی جائے کہ رسول ﷺ کی اطاعت ہی اطاعت ربانی ہے۔ اسلامی ریاست میں مطاع و مطیع کا مذکورہ معاہدہ عمرانی عملاً پیدا کر کے ہی:

۱۔ معاشرے سے ہوس اقتدار اور مطالبہ حقوق کے ظالمانہ نظام کی بیخ کنی ممکن ہے۔  
۲۔ ایتائے حقوق کو محرک عمل بنا کر اسلامی معاشرے میں حقوق و فرائض کا تصادم رفع کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ جمہوریت کے منفی اثرات (جو اقتدار کلیہً عوام کو منتقل کرنے سے ظہور پذیر

ہیں) کا قلع قمع ممکن ہے۔

۴۔ معاشرے میں توحید و رسالت کے التباس سے پیدا شدہ مذہبی فرقہ بندی کی راہیں مسدود ہو سکتی ہیں۔

قرآن و سنت سے ماخوذ عمرانی و سماجی فکر کی بنیاد پر ریاست کی تشکیل نو سے ریاست نہ صرف قومی سطح پر قرآن کے بیان کردہ نصب العین کے حصول کا ذریعہ بنے گی بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی حصول نصب العین کے لئے ایک مرحلہ کا کردار ادا کرے گی۔ قرآنی ہدایت کے درج ذیل تین مدارج ہیں:

انفرادی      قومی      بین الاقوامی

قرآنی ہدایت اور حیات انسانی کی انفرادی سطح

قرآن حکیم اپنی نعمت ہدایت سے ہر فرد کو متمتع کرتا ہے ارشاد ربانی ہے:

إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ . فَمَنْ شَاءَ  
اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝  
(۱۹: ۷۳)  
بے شک یہ (قرآن تو) نصیحت ہے۔  
پھر (اب) جو چاہے اپنے رب کی  
طرف (ہدایت کا) راستہ اختیار کر لے  
(یعنی رسول پر ایمان لے آئے اور ان  
کا مطیع ہو جائے۔)

قرآنی ہدایت اور حیات انسانی کی قومی سطح

جس طرح انسانی زندگی اجتماعیت اور قومیت کے بغیر اپنے مقاصد حاصل نہیں کر سکتی اس طرح اسلام بھی اجتماعیت اور قومیت کے بغیر اپنا مذہبی و ملی تشخص بحال نہیں رکھ سکتا۔ حیات انسانی اور نظام اسلام کے لئے اجتماعیت اور قومیت کے

ناگزیر ہونے کی بنا پر قرآن مجید نے قومی زندگی کی سطح پر ہدایت مہیا کرنے کا فریضہ بھی انجام دیا ہے ارشاد ربانی ہے:

وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ

اور بے شک یہ (قرآن) آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے

(۴۲: ۴۴)

باعث (شرف و) نصیحت ہے (کیونکہ

تا قیام قیامت راہ ہدایت کا یہ شرف

آپ ہی کی امت سے وابستہ رہے گا)

قرآنی ہدایت اور حیات انسانی کی بین الاقوامی سطح

قرآن مجید نے اپنی ہدایت کا دائرہ صرف ملت اسلامیہ تک ہی محصور نہیں رکھا بلکہ یہ عالم انسانیت کی دیگر اقوام و ملل کے لئے بھی صحیفہ ہدایت ہے تاکہ انسانی زندگی عالمی سطح پر بین الاقوامی تعلقات میں بھی ہدایت ربانی سے محروم نہ رہے ارشاد ربانی ہے:

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ

آپ فرمادیتے تھے (اے لوگو) میں تم سے

اس ہدایت کی فراہمی پر کوئی اجرت

(۹۰: ۶)

نہیں مانگتا یہ تو صرف جہان والوں

کے لیے نصیحت ہے۔

قرآن مجید نے بین الاقوامی سطح پر تعاون و عدم تعاون، صلح و جنگ اور معاہدات و معاملات کی نسبت جو احکام صادر فرمائے ہیں وہ اسی پہلوئے ہدایت کے متضمنات ہیں۔ غرضیکہ آج عمرانی و سماجی سطح پر دور زوال سے نکلنے کے لئے براہ راست قرآن حکیم سے معاشرتی زندگی کی اصلاح پذیری کا منہاج اخذ کرنا ہوگا اور اس کی روشنی

میں کلمہ طیبہ کو اساس بنا کر مسلم معاشرے کی تشکیل نو کرنا ہوگی تاکہ آج کا مسلم ذہن وطن پرستی، نسلی، طبقاتی و علاقائی تقاضا اور زمین پیوندی کی عملاً نفی کرے اور امت مسلمہ کی اس عمرانی و سماجی وحدت پر اس کا اعتماد بحال ہو جسے قرآن حکیم نے یوں بیان کیا ہے:

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہاری موت صرف اسی حال پر آئے کہ تم مسلمان ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ

(۱۰۲:۳)

(اللہ نے ان کو مسلمان فرمایا ہے) اللہ نے تمہارا نام (بھی) اگلی کتابوں اور اس (قرآن پاک) میں مسلمان رکھا ہے (تم جانتے ہو یہ کیوں ہے اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے رسول اللہ ﷺ تک ایک گھر ایک قبلہ ایک دین قرار دیا جائے) تاکہ رسول تم پر گواہ ہو (تمہارا نگران حال ہو)

هُوَ سَمَّكُمْ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَ فِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ

(۷۸:۲۲)



## حواشی

(باب ششم)

۱۔ حالانکہ معاشرہ میں عمرانی وحدت دین اور ذات نبوی ﷺ سے متعلق ہوگی۔ اور یہ رشتہ باقی تمام رشتوں پر غالب ہوگا۔ جس طرح بیعت عقبہ ثانیہ کے وقت

آقا ﷺ نے اہل مدینہ سے فرمایا:

دمی دمکم و عرضی عرضکم انا منکم و انتم منی۔

۲۔ جو تھا نا خوب بتدریج وہی خواب ہوا

کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

(اقبال)

۳۔ اس معاشرے میں مطاع مطلق ذات نبوت ﷺ اور مطیع ہمت ہوگی۔ جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی بنیاد پر قائم ہونے والے معاہدہ عمرانی پر اپنے عمل سے کار بند رہے گی۔

۴۔ ملت اسلامیہ کا بنیادی تشخص ذات نبوت ﷺ سے تعلق پر ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نظام مصطفیٰ از ڈاکٹر محمد طاہر القادری۔

فتنہ وطنیت کی طرف اقبال نے یوں اشارہ کیا:-

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے  
جو پیرھن ہے اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے

یہ بت کہ تراشیدہ تہذیب نوی ہے  
 غارت گر کاشانہ دین نبوی ہے  
 بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے  
 اسلام تیرا دلیں ہے تو مصطفوی ہے  
 (وطنیت: بانگ درا)

مسلم دنیا وطنیت پرستی کے سحر میں کس حد تک گرفتار ہوئی۔ اس امر  
 کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ آج عالم عرب کے ممالک کے  
 نام عرب متحدات، المملکتہ السعودیہ، دیگر ان کے اسلامی تشخص کے  
 بجائے علاقائی تشخص کو ظاہر کر رہے ہیں۔

یہی المیہ آج افغانستان کو درپیش ہے۔ گو ساری جدوجہد دین کے  
 عنوان کے تحت ہو رہی ہے مگر افغانستان میں فارسی پشتو کی تقسیم  
 افغانستان کی جماعتوں میں باہمی آویزش کی بنیادی وجہ ہے یہ نتیجہ  
 دینی تشخص کی بجائے علاقائی و نسلی تشخص کو فوقیت دینے کا۔

آج حالت بایں جار سید کہ علماء کی اگر سرمایہ دار، جابر، مستبد حکمران  
 صرف کسی نوع کی سرپرستی کر دیں وہ ان کی اس سرپرستی کو دینی کام  
 کہتے نہیں تھکتے۔ جب فکری و ذہنی زوال کا یہ عالم ہو تو دین کے لیے  
 باطل کے سامنے صدائے احتجاج کون بلند کرے گا۔

(انٹرویو قائد انقلاب ڈاکٹر محمد طاہر القادری ندائے ملت: دسمبر ۱۹۸۰ء  
 شمارہ نمبر ۲۵، ۲۶)

قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی



۹۔ کہ نعمت اور عذاب دونوں کے تبدیل ہونے میں قوم کے انفس کا

تغیر involve ہوتا ہے۔ (۱۳:۱۱ اور ۸:۵۳)

۱۰۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔

اسلامی فلسفہ زندگی ص: ۲۳۹۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۱۱۔ منہاج الخطبات۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۱۲۔ منہاج القرآن۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی





## باب ہفتم

ان الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بانفسهم (۱۳:۱۱)

تہذیبی و ثقافتی فکر میں تغیر



امت مسلمہ کے مختلف شعبہ ہائے حیات میں رونما ہونے والے تغیرات نے مسلمانوں کے اذہان و قلوب کو غلامی و محکومی کا شکار کر دیا۔ جس سے ان کا زندگی اور اس کے حقائق کے بارے میں زاویہ نگاہ بدل گیا۔ بقول اقبالؒ

جو تھا نا خوب بتدریج وہی خوب ہوا

غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

اس طرح دیگر شعبہ ہائے حیات کی طرح ثقافت بھی استعماری اثرات کے تحت آگئی جب ان اثرات کے تحت موثرات حیات یعنی معاشرت، معیشت اور سیاست بدل گئے تو اس کے اثرات ثقافتی زندگی پر بھی نظر آنے لگے۔ یعنی دینی اقدار کی پابندی سے ثقافت اور تہذیب کی رو آزاد ہو گئی اور لادینی معیارات ہی مسلم تہذیب و ثقافت کے سامنے دکش اور دلفریب نظر آنے لگے۔ قبل اس کے کہ تہذیب و ثقافت میں رونما ہونے والے تغیرات کا جائزہ لیا جائے اس امر کی وضاحت کی جاتی ہے کہ تہذیب و ثقافت سے کیا مراد ہے؟

کلچر کیا ہے؟

کلچر اصلاً جرمن زبان کا پرانا لفظ Kulture ہے۔ اس میں بونے اور کاٹنے کے مفہوم پائے جاتے ہیں۔ Agriculture اس میں سے نکلا ہے۔ اس کے معنی میں کوئی چیز بونا، اسکو اگانا اور پھر اس کو کاٹنے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس تصور کو سامنے رکھ کر تمثیل میں اگر Culture اور Agriculture کو سامنے رکھیں تو یہ مفہوم مزید واضح

ہو جاتا ہے۔ ذراعت میں ہل چلا کر پہلے زمین ہموار کرتے ہیں پھر اس میں بیج بوتے ہیں پانی دیتے ہیں، تپش مہیا کرتے ہیں، دیکھ بھال کرتے ہیں پھر وہ فصل اگ آتی ہے۔ جب وہ اگ کر پک جاتی ہے، پھر کاٹتے ہیں۔ جیسا بیج بوتے ہیں، جہاں جہاں بیج بویا جاتا ہے، ویسی ہی فصل ہر طرف نکلتی ہے۔ گندم بوئی گندم نکلی گلاب بویا گلاب نکلا، چاول بوئے چاول نکلے یعنی بیج بوتے ہیں تو اس سے ساری کی ساری فصل میں ایک ہم آہنگی ہوتی ہے جس کو کاٹ کر پھل حاصل کرتے ہیں۔ بعینہ کلچر میں انسانی دلوں اور ذہنوں کی زمین میں عقائد و نظریات کے بیج بو کر عمل اور ماحول کا پانی دیکر کردار کی فصل کاٹتے ہیں۔ زمین قلب کو لا الہ کی ضرب سے ہموار کرتے ہیں تاکہ باطل نظریات صاف ہوں۔ لا الہ کی ضرب لگے اور قلب و روح میں حق کو نمونے۔

دلوں کی زمین میں ایمان باللہ، ایمان بالرسالت، ایمان بالاخرت کے بیج بو کر پھر ان کو معاشرہ، گھر اور تعلیمی تربیت گاہ میں نیک اعمال اور اچھی تعلیم و تربیت کا ماحول دیتے ہیں جب ہر طرف سے اس کو نشوونما کا سامان ملتا ہے تو اس سے اچھے کردار کی فصل اگتی ہے۔

بیج چونکہ ایک ہی بویا گیا اس لئے خواہ سوسائٹی تعلیمی اداروں کی شکل میں ابھرے، خواہ دفاتروں کی شکل میں اگے، خواہ تجارت کی منڈیوں اور شعر و شاعری کی شکل میں فصل اگے، خواہ وہ ڈاکٹرز اور انجینئرز کی شکل میں اگے اور محکوموں، حاکموں اور سیاستدانوں کی شکل میں اگے، یہ سارے مختلف کھیت ہیں جو ایک جیسے ماحول اور بیج سے اگتے ہیں۔ کیونکہ مختلف ماحول میں بیج یکساں دیا جاتا ہے۔ مختلف بیج یکساں ماحول میں آجاتے ہیں تو ان کے اندر اندرونی ہم آہنگی (Internal Symmetry) ہوتی ہے زندگی کے ہر شعبہ میں ایک بنیادی یکسانیت پائی جاتی ہے کام جدا جدا ہونے کے باوجود

اصولی قدریں مشترک ہیں۔ ہر شعبہ زندگی کا آدمی کام جدا جدا کر رہا ہے، مگر چونکہ بیچ ایک تھا جو ہر ایک کے اندر پایا جاتا ہے۔ اس کردار کی جھلک ایک جیسی نظر آئے گی۔ جب ایک جیسا اجتماعی رویہ (Uniform Pattern of Behaviour) ایک اجتماعی کردار بن کر معاشرے میں ابھرتا ہے تو اس کو ثقافت (Culture) کہتے ہیں۔ ہم ٹی وی پر جو کلچر دیکھتے ہیں، ہمارے ماہرین کلچر اور ثقافت الحماؤپن تھیٹرز میں کلچر کا جو نمونہ پیش کرتے ہیں جہالت اور ظلم کی انتہا ہے۔ اس میں کلچر کا تصور سرے سے ہی نہیں ہے اسلامی معاشرے میں کلچر کا مفہوم کیا ہے؟ کلچر تو ایک ایسا اجتماعی طرز بود و باش، ایک ایسے اجتماعی عمل اور اجتماعی کردار کا مختلف جہتوں میں ایک ایسا مظاہرہ ہے کہ جسے دیکھ کر سارے مظاہرے ایک ملت اور قوم ہونے کی نشاندہی کریں۔ اس کو کلچر کہتے ہیں اس کلچر سے علم ترقی پاتا ہے جوں جوں ثقافت فروغ پاتی ہے پھر وہ علم کے کئی اور راستے نکالتی ہے۔

## ثقافت کے تین نمونے

۱۔ تخیلی ثقافت (Ideational Culture)

۲۔ حسی ثقافت (Sensate Culture)

۳۔ مثالی ثقافت (Idealistic Culture)

ثقافت کے ان نمونوں کے تین پہلو ہوں گے:

۱۔ فلسفیانہ پہلو (Philosophical Aspect)

۲۔ انضباطی و اطلاقی پہلو (Orientational Aspect)

۳۔ انتقادی پہلو (Evaluational Aspect)

تخیلی ثقافت میں فلسفیانہ پہلو (Philosophical Aspect) کار فرما

ہوتا ہے۔ یہ تخیلات کی نشوونما کرتی ہے۔ یہ فلسفیانہ پہلو ہے جو نظریات اور تصورات سے بحث کرتا ہے۔ یہ ثقافت ان سوالات کا جواب دیتی ہے کہ علم کیا ہے؟ کیسے ممکن ہے؟ علم کی ماہیت اصلی کیا ہے؟ علم کا اعلیٰ نصب العین کیا ہے؟ کلچر کا یہ پہلو صرف ”کیا ہے؟“ سے بحث کرتا ہے۔ تخیلی ثقافت صرف توجیہ، تنظیم اور تعلیل سے بحث کرتی ہے۔

ثقافت کا دوسرا نمونہ انضباطی اور اطلاقی پہلو (Orientational Aspect) کا حامل ہوتا ہے۔ اور تیسرا نمونہ انتقادی پہلو (Evaluational Aspect) کا۔ یہ تین نمونے ہر کلچر کے اندر ہوتے ہیں۔ یونان، بابل، نینوا کی یونانی تہذیبیں تخیلی ثقافت (Ideational Culture) تھیں۔ ایران، روم، مغرب کی مادی ثقافتیں حسی ثقافتیں (Sensate Culture) ہیں۔ جبکہ اسلامی ثقافت مثالی ثقافت (Idealistic Culture) ہے۔ کسی بھی ثقافت کے فلسفیانہ پہلو سے علم وجود میں آتا ہے۔ اطلاقی اور انضباطی پہلو علم کے اعلیٰ نصب العین کے حصول کا نظام، طریقہ اور لائحہ عمل بتاتا ہے۔ اس مقصد کو کس طرح حاصل کیا جائے اس کے لئے ایسے عمرانی ادارے اور نظام بنتے ہیں جو حصول نصب العین کو ممکن بنائیں۔ اسی عمل کو منضبط اور منظم کرنے کے لئے ہیئت عمرانی کی تکمیل ہوتی ہے۔ سماجی زندگی (Social Life) کو مکمل کیا جاتا ہے اس کے تحت ثقافت کی نشوونما ہوتی ہے یہ ضابطہ اداروں کے عمل کو منضبط اور جاری رکھنے کا ایک نظام دیتا ہے اور شرائط وضع کرتا ہے۔ اس نظام کے تحت عمرانی ادارات کے عمل کے ذریعے عمرانی فضائل کو محفوظ کیا جاتا ہے یعنی قانون بنتا ہے اقدار محفوظ ہوتی ہیں۔ قتل و غارت لوٹ مار، ظلم استحصال ختم ہوتا ہے اقدار قائم ہوتی ہے اخلاق ترقی پذیر ہوتا ہے معاشرے میں عمرانی قدریں بنتی اور



محفوظ ہوتی ہیں یہ سب اطلاقی پہلو کے حوالے سے ہوتا ہے۔

عمرانی فضائل کی حفاظت جو اطلاقی پہلو کے ذریعے ہو رہی ہے یہ عمل اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک موثرات زندگی (Forces of Life) میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو۔ وسائل کی پیداوار، سرمایہ و دولت کی تقسیم، تخلیق جہاں سے سرمایہ دارانہ جاگیر دازانہ اور استحصالی نظام وجود میں آتے ہیں۔ غریب غریب ترا میرا میرا ہوتا چلا جاتا ہے۔ استحصال بددیانتی، لوٹ مار، لا قانونیت، قتل و غارت پیدا ہو جاتی ہے۔ زندگی حرام پر چلنے لگتی ہے اور حلال غیر موثر ہو جاتا ہے اس طرح جب موثرات زندگی مختل ہو جاتے ہیں۔ زندگی چونکہ متحرک ہے لہذا اسکا تحرک اور ارتقاء جاری رہتا ہے۔ حالات جب غلط سمت میں بڑھتے ہیں تو غلط سمت میں بھی تحرک جاری رہتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ موثرات زندگی میں تغیر رونما ہونے کے باعث عمرانی اداروں اور ارکان کا منضبط عمل غیر موثر ہو جاتا ہے ہم اس وقت اسی مقام پر کھڑے ہیں۔

آج عمرانی ادارے، نظام اور قانون موجود ہیں۔ مگر موثرات زندگی اتنے تباہ و برباد کر دیئے گئے ہیں کہ نظام، قانون اور ادارے موجود ہونے کے باوجود غیر موثر ہو گئے ہیں۔ حاکم طاقتور مگر نظام اور قانون کمزور ہو گیا ہے اب سارے موثرات زندگی بدل گئے ہیں۔ اب لوگوں کے کام حلال طریق سے نہیں حرام طریق سے ہو رہے ہیں۔ لہذا نیکی کی بات کرنے والا غیر موثر ہے اور بری بات کرنے والا موثر ہے۔ جب معاشرہ یہاں تک جا پہنچے تو اس وقت جو عمرانی فضائل اور اداراتی قدریں موجود تھیں ان کو محفوظ کرنے کے لئے جو ثقافتی، علمی اور سماجی ضابطہ وضع کیا گیا تھا اب معاشرہ میں تبدیلی لانے کے لئے وہ ضابطہ اور ڈھانچہ موثر نہیں رہتا۔ چونکہ اب وہی ضابطہ غیر موثر بنا دیا گیا ہے موثرات زندگی بدل گئے ہیں ایسی صورت حال میں زندگی کی اخلاقی

اقدار، قانونی، انسانی اقدار محفوظ کرنا مسئلہ نہیں ہوتا۔ محفوظ تو اسے کیا جاتا ہے جو بچ گئی ہو اور موجود ہو۔ لیکن جو چیزیں ختم کر دی گئی ہوں انہیں محفوظ کیا کرنا ہے، اب اس سطح پر ضرورت ان اقدار کو پھر سے زندہ کرنے کی ہوتی ہے۔ ان تصورات حیات کو پھر سے زندہ کرنا، ان عمرانی فضائل کو پھر سے تخلیق (Create) کرنا۔ یہ حفاظت (Protection and Preservation) کا نہیں احیاء (Revival and Recreation) کا عمل ہوتا ہے۔ ضروریات احیاء و تخلیق کے لئے ثقافت کا انضباطی پہلو جو نصب العین کو حاصل کرنے کے لئے بنایا گیا تھا اس کے لیے جو ذرائع اختیار کئے گئے تھے۔ اب ان کا پھر سے از سر نو جائزہ لینے کی ضرورت ہوتی ہے کہ بدلے ہوئے حالات (New Set of Circumstances) اور موثرات زندگی میں انضباطی پہلو کا پھر سے جائزہ لے کر نیا لائحہ عمل وضع کیا جائے۔ لائحہ عمل اور نظام کے اندر نئے بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر بنیادی تبدیلیاں لائی جائیں نیا نظام اور ڈھانچہ وضع کیا جائے۔ انقلاب کے ذریعے اس پورے نظام کو اس کے ڈھانچوں، منصوبہ بندیوں، طریقہ کار حکمت عملیوں کو بدلا جاتا ہے۔ تاکہ اس کے نفاذ سے مطلوبہ نتائج پیدا ہوں۔ پھر قانون نافذ ہوتا کہ وہ ان کی حفاظت کر سکے۔ یہ تبدیلی ثقافت کا انتقادی پہلو ہے جس میں اطلاقی پہلو کا از سر نو جائزہ لے کر نظام کو بدل کر نیا لائحہ عمل وضع کیا جائے اور نئے ضوابط اور قواعد وضع کیے جائیں ڈھانچے کو بدل دیں یہ تبدیلی اگر علم اور قانون کے باب میں ہو تو اجتہاد کہلاتی ہے اور یہ اجتماعی زندگی اور معاشرے کے نظام کے باب میں ہو تو اسے انقلاب کہتے ہیں۔

## انتقال تہذیب

ملی و قومی تہذیب کا ورثہ آئندہ نسلوں کو کس طرح منتقل ہوگا؟ اس حوالے

سے تہذیب و تمدن اور ثقافت کا تعلق سمجھنے کی ضرورت ہے۔

تہذیب و تمدن اور ثقافت تین چیزیں ہیں 'تہذیب پہلا درجہ' ثقافت دوسرا درجہ اور تمدن تیسرا درجہ ہے۔ جب عقائد، نظریات، تصورات کو ایک آئیڈیالوجی تک پھیلا دیا جائے اور وہ آئیڈیالوجی علم و فکر اور عمل میں ایک جھلک کے طور پر نظر آئے اس کو تہذیب کہتے ہیں۔ تہذیب کا مطلب صاف کرنا ہے، پاک کرنا، ہذب یہذب سے ہے، یعنی برائی کی چیزوں سے چھان بین کرنا، اور پاکیزہ خیالات، عقائد اور نظریات کو ایک عمل کی شکل میں ترقی دینا تہذیب ہے۔ جب زندگی کو ادارات کی شکل میں منظم کر کے اس میں فکر کا بیج بویا جاتا ہے تو اس سے معاشرتی زندگی میں ایک ہم آہنگی (Uniform Pattern of Behaviour) بن جاتا ہے تو اس کو ہر میدان میں ثقافت کہتے ہیں۔ جب ثقافت معاشرے اور ارد گرد کے معاشروں پر ٹھوس اثرات تاریخ میں رقم کر جاتی ہے تو اس کو تمدن کہا جاتا ہے۔ تمدن مدن سے ہے۔ یعنی جس سے پورا معاشرہ اور پوری ریاست اسی طرز پر استوار ہو جاتی ہے۔ تمدن افراد یا صرف معاشرے کا نہیں بلکہ پورے کا پورا نظام مدنی یعنی نظام معاشرت، نظام سیاست، نظام معیشت اور نظام سلطنت ہے۔ اس سارے کے اوپر جب وہ ثقافت چھا جاتی ہے تو وہ تمدن بن جاتا ہے۔ یعنی یہ زیادہ ٹھوس (Solid) اور منظم (Systematic & Disciplined) شکل ہے۔

تمدن ثقافت سے نکلتا ہے۔ ثقافت تہذیب سے نکلتی ہے اور تہذیب چھانٹی کرنے کا نام ہے۔ آج تمدنی ورثہ کے تعین میں ہم سے غلطی ہو رہی ہے کہ ہم بغیر چھانٹی کے جو کچھ الابلا مل رہا ہے اس کو آگے منتقل کر رہے ہیں۔ چونکہ یہ خرابی جو ہو رہی ہے یہ آج کا تمدن ہے۔ دس پندرہ بیس یا پچاس سال بعد جب اس تمدنی ورثہ کو

منتقل کریں گے۔ تو وہ ان نقائص کے ساتھ آگے منتقل ہو گا ڈرامے جن میں اکثر لغو چیزیں ہوتی ہیں لغو فلمیں، لغو ناچ گانے، فحاشی و عریانی کے پروگرام اور عجب سے میلے جن میں بود و باش کا ایک رنگ تو نظر آئے مگر یہ کہ وہ معاشرے کا نظریاتی تمدن آشکار نہ ہو۔ اس قسم کی ساری چیزیں ملا کر معاشرے میں الابلہ، نیکیوں اور بدیوں کا مرکب، التباسات، ابہامات، فحاشی، عریانی اور نظریات کا تضاد، اقدار کے تباہ ہونے کے سارے نظارے کو تمدن بنا کر تاریخ میں لے آئیں گے۔ تو اس طرح جب پورے دور کے حالات کو آگے منتقل کر دیں گے چونکہ چھانٹی نہیں ہوگی تو جو کچھ الابلہ آگے منتقل ہو گا ہو تمدن کا غلط ورثہ منتقل ہوتا چلا جائے گا۔

تمدنی ورثہ کے منتقل کرنے، تفویض کرنے اور ترسیل کرنے میں نظام تعلیم کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ تہذیب کے کام پر محنت کرنے، جب آگے منتقل کرے تو تمیز (Differentiate) کرے کہ یہ تمدن ہے اور یہ علاقائی اثرات تھے۔ یا یہ فلاں دور کے منفی اثرات تھے۔ حدیث ایک ذخیرہ ہے۔ علم، ایمان اور اسلام کا ہمارا ایک ذخیرہ علم ہے اس میں صحیح احادیث بھی ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ بعض لوگوں نے اسلام کے لٹریچر کو میلا کرنے، ابہام پیدا کرنے اور اسلام کی تعلیمات کی ثقافت کو مشکوک کرنے کے لئے غلط نیت سے موضوع حدیثیں گھڑیں اور داخل کر دیں۔ اب کتابوں میں وہ بھی درج ہیں۔ موضوعات بھی ہیں، ضعیف بھی ہیں، مرسل بھی ہیں، صحیح بھی ہیں، حسن بھی ہیں۔ جب حدیث میں سارا کچھ جمع ہو گیا تو اصول حدیث کا فن وضع کیا گیا اور اصول حدیث کے فن میں اسماء الرجال کا فن وضع کیا گیا کہ جن لوگوں سے جو بیان ہوا ان کے پورے کردار اور سیرت (Sketch & Life History) کو کھنگالا گیا۔ کچھ تو روایتی اصولوں کی بناء پر رد کر دی گئیں۔ یہ عمل

تہذیب فن تھا۔ حدیث کے لئے بنیادی اصول یہ تھے جو حدیث یہ چیزیں بیان کرے وہ تو حدیث نبوی ہو سکتی ہے اور جو ان موضوعات کو بیان کرے وہ حضور ﷺ کا مزاج ثبوت، تعلیمات عامہ، قرآن، سنت نبوی سیرت طیبہ اور اسلام کے عمومی مزاج کا ملا کر بنیادی تعلیمات کا ایک پورا خاکہ ہے جو آدمی ان پر حاوی ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ حدیث حضور اکرم کا ارشاد مبارک نہیں ہو سکتا۔ وہ تلاش کرے گا تو یقیناً روایت میں کہیں کمی نظر آجائے گی تو کچھ روایتاً اور کچھ درایتاً تہذیب فن اور تہذیب علم ہو اس طرح انہوں نے موضوع، ابا طیل اور منکرات کو ایک طرف کر دیا اور صحیح، حسن، مقبول اور ضعیف کو ایک طرف کر دیا۔ مسائل کے استنباط پر ثقافت اور علم کی جو عمارت کھڑی کی گئی اور جو تمدن بنایا گیا اس کے لئے وہ چیزیں لی گئیں جو تہذیب کے بعد ان کے پاس درست ثابت ہوئیں باقی کو چھانٹی کرتے چلے گئے تمدنی ورثہ کو تقسیم کرنے کے لئے نظام تعلیم کے اندر بھی ایک اصول تہذیب کو ہونا چاہیے۔ جہاں تہذیب، تمدن اور ثقافت کا مطالعہ کرتے ہیں وہاں ایک مضمون (Subject) اصول تہذیب کا ہو جس کا وجود ہی کوئی نہیں ہے ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنے تہذیب، ثقافت اور تمدن کو پاک کریں اور اس کی منتقلی درست ہو اس کے لئے اصول حدیث، اصول تفسیر اور اصول فقہ کی طرح ان میں اصول تہذیب کا ایک ضابطہ ہو۔ جو یہ چھانٹی کرے کہ کیا ہماری تہذیب ہے اور کیا کیا علاقائی تہذیب کے پیش نظر مسلمانوں کی تہذیب میں چیزیں در کر آئیں اور شادی میں مہندی، تیل ہندوانہ تہذیب کے تصورات ہیں۔ بعض علاقوں میں لوگ پتھر، چھری یا کوئی لوہا ہاتھ میں رکھتے ہیں کہ اثر نہ ہو جائے۔ یہ ہندوانہ تہذیب کے توہمات ہیں۔ علی ہذا الاقیاس بے شمار ایسی لغویات اور ابا طیل ہیں جن کا پس منظر ہندوانہ عقائد ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ ہم سب سے پہلے یہ تعین کریں کہ ہم

مسلم امہ ہیں اور ہماری تہذیب تاریخ اسلام سے متعلق ہوگی۔ پہلی بات یہ متعین ہو اس کا سرچشمہ اسلام اور اسلامی تعلیمات ہوں گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام مشرق سے مغرب تک دنیا کے ہزار ہا ممالک اور خطوں تک پھیلا تو جہاں مسلمان جا کے بسے۔ اپنی معاشرتی، سماجی، مذہبی اور ثقافتی زندگی میں وہاں کے مقامی اثرات نے بھی دخل کیا کچھ مقامی اثرات تو وہ ہیں جو اسلام کے لیے قابل قبول تھے جن کو اسلام نے بطور اسلام کے قبول کیا۔ عرف، عادت، کسٹم اسلام کے اندر یہ تصورات موجود ہیں۔

اسلام نے قوانین اور احکام میں بھی بعض چیزیں بحال رکھیں۔ جو چیزیں وہاں کے ہندو، عیسائی، سکھ، غیر مسلم اور توہم پرستانہ معاشرتی میلاپ کی وجہ سے وہاں در آئیں انہیں اسلام نے قبول نہیں کیا۔ ثقافت اور تمدن کو منتقل کرنے والوں نے تہذیب کا کام صحیح طور پر نہیں کیا چھانٹی نہیں کی کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے۔ اگر علاقائی اثرات کے حوالے سے کسی تہذیب کا تجزیہ کیا جائے تو یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ یہ ان مذاہب یا ملکوں یا علاقوں کے رسم اور رواج تھے۔ اور یہ ان کے عقائد و نظریات پر مبنی تھے۔ تہذیب میں اس طرح جو تطہیر ہوگی تو یہاں تہذیب کے مقام پر دو الگ رخ ہو جائیں گے ایک رخ صرف علاقائی، سماجی یا معاشرتی تاریخ کے مطالعے کا بن جائے گا۔ ایک مسلم تہذیب کی تاریخ کا مضمون بن جائے گا۔ یہ نہیں کہ ہندوستان میں ہم نے ہزار سال گزارے تو ہزار سال میں جو کچھ ہر صدی کے اندر آیا اس کو مسلم تہذیب تصور کریں، چونکہ مغل حکمران رہے، سلاطین حکمران رہے، خاندان غلاماں رہا اور فلاں کا دور رہا اس دور میں جو کچھ ملا اس کو اسلامی تہذیب کے طور پر منتقل کیا گیا۔ یہاں سے غلطی ہوئی۔ حکومت مسلمانوں کی رہی مگر حکومت کا نام

تہذیب نہیں۔ اس کے اندر سماجی رسوم، رواج، عقائد، معاشرتی حالات بہت ساری چیزیں داخل ہوتی ہیں۔ نظریات داخل ہوتے ہیں۔ یہاں امتیاز کرنے کا نام اصول تہذیب ہے۔ جو فن یہ کام کرے گا وہ اصول تہذیب ہوگا۔ مختلف مقامی مذاہب کے اثرات ان کے اپنے عقائد، نظریات اور ان کی بنیاد پر جنم لینے والی معاشرتی طرز زندگی کے تاریخی مطالعے کا باب الگ ہوگا۔ مسلم تہذیب کا ارتقاء الگ۔ عباسی دور میں بھی اس زاویے سے لیں گے۔ امیہ دور میں بھی اس زاویے سے سپین اور ایران میں بھی اسی زاویے سے پاکستان، ہندوستان میں جہاں بھی مطالعہ کریں گے تو اسی حوالے سے کریں گے۔ جب اصول تہذیب کے تحت تطہیر کر کے چلیں گے پھر یہ دو عنوانات بن جائیں گے۔ اس طرح ثقافت کی تقسیم، اسلامی تمدن کے فہم اور تعین اور اس کے ورثے کی منتقلی میں آسانی پیدا ہوگی۔ اس کے لئے ایک نئے مضمون اور نئے فن کا اضافہ کرنے کی ضرورت ہے اور وہ مضمون ”اصول تہذیب“ کہلائے گا۔

### مسلم ثقافت کا ماضی اور حال

اگر ہم مسلم تہذیب و ثقافت کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت الم شرح ہوتی ہے کہ اسلام نے ہی مادی اعتبار سے دنیا کو وہ تہذیب سکھائی جو نہ صرف تابناک روایات کی امین تھی بلکہ موجودہ مغربی علمی فتوحات کی بنیاد بھی ہے۔ اور آج بھی اسلام ہی وہ قوت ہے جو اخلاقی اعتبار سے ایک صحت مند اور عمرانی اعتبار سے ایک مستحکم اور معاشی اعتبار سے ایک عادلانہ تہذیب پیدا کر سکتا ہے۔ اور اسے برقرار رکھنے کی اہلیت بھی رکھتا ہے۔

مگر اخلاقی اور ذہنی شکست خوردگی نے امت مسلمہ سے وہ اخلاقی ولولہ اور کردار کی قوت مدافعت چھین لی ہے جو امت کو جذبہ تغلب عطا کر سکے۔ اس کا مداوا

اسوہ حسنہ کی پیرونی میں مضمحل ہے جس کی گواہی تاریخ اسلام سے ملتی ہے۔ مختلف تہذیبوں اور تمدنوں کی تاریخ سے واضح ہے کہ ایک تہذیب دوسری کے لئے چیلنج رہی ہے۔ اور ان کے مابین موجود تضاد ہی کی وجہ سے ایک مفکر نے ریاست کی تعریف یوں کی ہے کہ

”ریاست وہ ہیئت اجتماعی ہے جسے اپنی بقاء اور توسیع کے لئے دوسری ریاستوں سے صلح اور جنگ کرنے کا اختیار حاصل ہو۔“<sup>۲</sup>

تہذیبوں کی یہی آویزش ہمیں تاریخ کے روزاول سے نظر آتی ہے۔ تاریخ اسلام میں بھی مخالف تہذیبوں اور تمدنوں کی طرف سے اسلام کو اس طرح کی مخالفت اور مقابلے کا سامنا رہا۔ یہود کی اسی نفسیات کو بیان کرتے ہوئے قرآن حکیم میں ارشاد ربانی ہے: <sup>۳</sup>، <sup>۴</sup>

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا  
النَّصْرِيُّ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنْ  
هُدَىٰ اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ ط  
اور یہود و نصاریٰ آپ سے (اسوقت  
تک) ہرگز خوش نہیں ہوں گے جب  
تک آپ ان کے مذہب کی پیروی  
اختیار نہ کر لیں، آپ فرمادیں کہ بیشک  
اللہ کی (عطا کردہ) ہدایت ہی (حقیقی)

(۱۲۰:۲)

ہدایت ہے

مسلم تہذیب و ثقافت پر باطل کا سہ جہتی حملہ

تہذیبوں کی اس باہمی کشاکش میں تغیرات کیوں رونما ہوتے ہیں منجملہ دیگر اسباب کے ایک سبب فرد اور معاشرہ کی جمالیاتی طلب بھی ہے۔ جب ترقی پذیر انسانی معاشرے میں بدلتی اقدار کے ساتھ زندگی کے معیارات بدلتے ہیں تو افراد معاشرے



کے جمالیاتی شعور کو نئی تشکیاں مل جاتی ہیں۔ جس کی تشفی وہ اپنے مروجہ ثقافتی و تہذیبی ڈھانچے میں نہیں پاتے تو اس تشنگی اور احساس محرومی کے ازالہ کے لئے وہ غالب رائج تہذیب و ثقافت کے اثرات قبول کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ آج باطل کی طرف سے افراد معاشرے کی دوات ایمان و عمل پر درج ذیل تین محاذوں سے حملے ہو رہے ہیں جو ذہنا اور عملاً اپنی تہذیب و ثقافت سے دست کشی پر منتج ہو رہے ہیں:-

۱۔ نظریاتی حملہ (Ideological Attack)

۲۔ ثقافتی حملہ (Cultural Attack)

۳۔ جذباتی حملہ (Emotional Attack)

اب اس اجمال کی تفصیل قدرے شرح و بسط کے ساتھ بیان کی جاتی ہے:-

### ۱۔ نظریاتی حملہ (Ideological Attack)

نظریاتی حملہ عامۃً المسلمین کو بالعموم اور مسلمانوں کی نوجوان نسل کو بالخصوص ذہنی و فکری طور پر اسلام سے متنفر کرنے اور اس سے باغی بنانے کے لئے باطل افکار و نظریات اور باطل فلسفوں سے لیس ہو کر کیا جا رہا ہے مادی فلسفوں اور افکار کی یہ یلغار مغرب سے بھی آرہی ہے اور اشتراکی دنیا سے بھی اور اس کا شکار نوجوان نسل الحاد اور مادہ پرستی کے چنگل میں گرفتار ہو کر مذہب سے دور جا رہی ہے اور دینی تعلیمات پر ان کا اعتماد متزلزل ہو تا جا رہا ہے یہ نوجوان جب کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر پہنچتے ہیں اور ان کا بالغ ذہن مغربی اور اشتراکی فلسفوں اور نظریات کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ دینی تعلیمات سے بے بہرہ ہو کر مادہ پرستانہ باطل نظریات و افکار کی بھول بھلیوں اور تشکیک کی وادیوں میں کھو جاتے ہیں اور نتیجتاً ان کے اعتقادات کی بنیادیں متزلزل ہو جاتی ہیں۔ ایمان بالغیب، آخرت، نبوت و رسالت کے قرآنی تصورات اس کے

ذہنوں کی خام تختی سے دھندلے ہو کر مٹنے لگتے ہیں یہاں تک کہ اللہ سے ان کا اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ آج کے نام نہاد روشن خیال نوجوان کا ذہن (الاماشاء اللہ) فکری، نظریاتی اور اعتقادی خلفشار میں مبتلا ہو کر قرآن و حدیث کی بات پر کان نہیں دھرتا اور وہ اسے محض ڈھکوسلے سمجھنے لگتا ہے۔ ہمارے مشاہدے میں صبح و شام ایسے نوجوان آتے ہیں جو انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے اندرونی اضطراب اور ہیجان کو کھول کر بیان کرتے ہیں قرآن حدیث پر ایمان کا تصور تو دور کی بات ہے وہ مغربی اور اشتراکی فکر سے مرعوب ہو کر اسلام کے معاشی، اقتصادی، تہذیبی، ثقافتی، قانونی، آئینی و دستوری تصورات اور اسلامی اخلاقیات کو آج کے دور میں دور از کار اور ناقابل عمل سمجھنے لگتے ہیں یہ سب کچھ اس نظریاتی یلغار کے نتیجے میں رونما ہو رہا ہے جو اسلام دشمن باطل قوتیں سوچے سمجھے منصوبوں کے تحت اہل اسلام کے قلب و باطن پر کر رہی ہیں۔

## ۲۔ ثقافتی حملہ (Cultural Attack)

دوسرا حملہ مغرب کی تہذیب و ثقافت کی یلغار کی صورت میں شد و مد سے کیا جا رہا ہے مادی تہذیب کے تغلب کے تحت معاشی اور سماجی تصورات زندگی بدل رہے ہیں جس کے زیر اثر اخلاقی، عائلی، سماجی اور معاشرتی قدریں ناپید ہوتی جا رہی ہیں۔ فحاشی، عریانی اور سفلیہ پروری نے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ ہمارے بزرگ اور عمر رسیدہ لوگ جو پچاس ساٹھ کے پیٹے میں ہیں یا اس سے زیادہ عمر کے ہیں اس بات سے بخوبی آشنا ہیں کہ ان کے دور میں شرم و حیا اور آداب و حفظ مراتب کا جو قرینہ تھا آج اس کا عشر عشر بھی نہیں ملتا۔ یہ تو خیر دور کی بات ہے ہم چالیس سال کے لگ بھگ اگر اپنے بچپن اور لڑکپن کے دور کا آج سے موازنہ کریں تو زمین آسمان کا فرق نظر آتا ہے ہمارے بچپن میں محلے کے بچے ہم عمر بچیوں کے

ساتھ آزادانہ گلی کوچوں میں کھیلتے تھے اور والدین کو کبھی کوئی فکر دامن گیر نہیں ہوتی تھی۔ مگر اب معاملے کی بساط یکسر الٹ چکی ہے بچوں کے اخلاق ناقابل تعین حد تک بگڑ چکے ہیں اور ان کی حیا و عفت پر زمانے کی ہوانے گہری پر چھائیاں ڈال دی ہیں۔

مادی تہذیب کا حملہ اس قدر شدید ہے کہ تمام تر ثقافتی تہذیبی اور سماجی اقدار پامال ہو چکی ہیں اور عربیانی کا سیلاب گھروں کی چار دیواری کے اندر جا پہنچا ہے اور معاملہ اس حد تک دگرگوں ہو گیا ہے کہ بیٹیاں باپ دادا اور بزرگوں کے سامنے سر ڈھانپنا تو درکنار کرعریاں اور بے حجاب گھومنے پھرنے میں ذرہ بھر عار محسوس نہیں کرتیں اور اگر کوئی روکے تو ترکی بہ ترکی جواب دیتی ہیں کہ اس میں برائی کی کیا بات ہے یہ تو عام رواج ہے۔ لباس کا معاملہ تو اپنی جگہ سوچ کا رخ بدل کر رہ گیا ہے۔ مغربی تہذیب و ثقافت کی یلغار نے تمام معاشرتی قدروں اور فکر کے زاویوں کو ایک خطرناک اور جدید (Modern) رخ اور جہت دے دی ہے۔ نتیجتاً شریعت کی گرفت کمزور پڑی تو ہماری زندگی سے اسلامیت یوں رخصت ہوئی کہ ہم محض نام کے مسلمان رہ گئے اور ہمارا اسلامی تشخص ہماری مسلمانی پر بقول اقبال یوں نوحہ خواں ہو گیا۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود

یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرما میں یہود

ہماری تہذیبی اور تمدنی زندگی پر ثقافتی حملے نے وہ گل کھلائے ہیں کہ عملاً اسلام سے ہمارا کوئی علاقہ نہیں رہا اور ہم محض رسماً مسلمان رہ گئے۔ اعتقاد کی حد تک تو قرآن و حدیث پر ہمارا ایمان ہے مگر عملی زندگی میں مسلمانی کا دور تک کوئی نشان نہیں ملتا۔

### ۳۔ جذباتی حملہ (Emotional Attack)

عصر حاضر میں یہ تیسرا اور خطرناک ترین حملہ نفسانی اور شہوانی راستوں سے وارد ہوا۔ نوجوان نسل جن میں بعض بوڑھے بھی شامل ہیں بد قسمتی سے شہوت رانی اور نفس پرستی کے مشاغل میں بری طرح گرفتار ہیں۔ اسلامی ممالک میں شراب نوشی اور رقص و سرود کی محفلیں معمول کی بات بن گئی ہیں۔ نائٹ کلبیں اور بدکاری کے اڈے وجود میں آگئے۔ اس دور کا بدترین یورپی تحفہ ننگی فلموں کی صورت میں ہمارے معاشرے میں دن بدن پھیل رہا ہے۔ گھروں ہو ٹلوں اور منی سینما کے علاوہ تمام سینما گھروں میں ننگی فلموں نے عام لوگوں کی اخلاقیات پر کاری ضرب لگائی پڑھی لکھی اور ان پڑھ نوجوان نسل بلا امتیاز جنس اس بدترین محزب اخلاق سیلاب میں بہ رہی ہے۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور وی سی آر کے ذریعے محزب اخلاق گانوں اور حیا باختہ پروگراموں کے بے محابا سیلاب حکومتی سرپرستی میں گھروں کے اندر بیٹوں اور بیٹیوں کی حیا اور عفت و پاکیزگی کو بہائے لئے جارہا ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ باہر شرافت کے جھوٹے لبادے اوڑھنے والے اپنے گھروں میں ہونے والی خرافات سے بے پرواہ ہو کر لا تعلقی اور بے حسی کا انداز اپنائے ہوئے ہیں۔ کتنی بڑی منافقت ہے کہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے والے اور چہروں پر زہد و پرہیزگاری کا لیبل چسپاں کرنے والے ہگیار ہوئیں میلاد پاک اور دیگر صدقات و خیرات کا اہتمام کرنے والے (الاماشاء اللہ) اپنی درون خانہ زندگی سے آنکھیں موندے ہوئے ہیں۔ ان کے پردے کے پیچھے ذرا جھانک کر دیکھو تو وہ بقول حافظ شیرازی

چوں بخلوت می روند کار دیگر می کنند

کی تصویر نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے بہت سے علماء اور مبلغین (الاماشاء اللہ)

ماشاء اللہ) کی گھریلو زندگیوں کھلے تضاد اور نفاق کا شکار نظر آتی ہیں۔ ایسے میں

چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

کے مصداق ہماشما کے ایمان و اسلام کا اللہ ہی حافظ ہے۔ ان سے کوئی پوچھے

تو وہ کہتے ہیں کہ کیا کریں؟ بیوی بچوں کے سامنے کوئی پیش نہیں۔ وہ کب ہمارا کہا مانتے ہیں۔ یہ دور ہی ایسا ہے معاشرہ ہی خراب ہو گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ہم معاشرے کو قصور وار کیوں ٹھہراتے ہیں؟ یہ معاشرہ ہم جیسے افراد سے

مل کر تو بنتا ہے۔ اگر ہم انفرادی اصلاح پر توجہ نہیں دیں گے تو معاشرہ کس طرح صالح ہوگا؟ ملک کے ایسے سربراہ مردوں کو چاہئے کہ وہ اپنی مردانگی کو خیر باد کہہ کر گھر سے باہر نکل جائیں۔ اگر نئی نسل اپنی مانی کرنا چاہتی ہے تو انہیں اٹھا کر باہر پھینک دیں

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

والدین یا سرپرست اگر سچے ہیں تو وہ اولاد کو ان خرافات کے لئے پیسے اور مال

کیوں دیتے ہیں؟ لیکن ان کی کنٹ حجتی انہیں اپنا قصور ماننے پر آمادہ نہیں کرنے دیتی۔

الغرض جذباتیت کے حملے نے گھر گھر بدکاری کے اڈے کھول دیئے ہیں جس کے نتیجے

میں نوجوان نسل بلا تیز مردوزن عیاشی، سفلہ نوازی اور بد اخلاقی کی نذر ہو رہی ہے۔

مذکورہ بالا تین سطحوں پر ہونے والے حملوں نے ایمان کی بنیادیں ہلا کر رکھ

دی ہیں۔

سہ جہتی حملہ کے بنیادی اسباب

ان مذکورہ بالا تین جہات سے حملوں کے تدارک کی فکر کرنے سے پہلے

انسانی شعور کے حوالے سے ذیل میں ان تین بنیادی اسباب کا تذکرہ ضروری ہے جو

نفسیاتی سطح پر کار فرما ہوتے ہیں۔

ا۔ ادراک (Perception)

ب۔ ارادہ (Intention)

ج۔ جذبہ (Emotion)

قدرت کے نظام تخلیق میں یہ تینوں سطحیں ہر ذی شعور میں ودیعت کی گئی ہیں۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ کسی بھی شخص کی شعوری زندگی میں ان سطحوں میں سے ایک نہ ایک سطح غالب ہوتی ہے۔ جبکہ دوسری مغلوب۔ مثال کے طور پر ایک شخص میں ادراک کا پہلو غالب ہے تو دوسرے میں ارادے اور تیسرے میں جذبے کا پہلو نمایاں ہوگا۔

ادراک (Perception) کا معنی سادہ الفاظ میں جاننا ہے۔

ارادہ (Intention) کا معنی عام فہم ہے جذبہ (Emotion) انسانی فطرت کا جزو لاینفک ہے جس کا تعلق انسان کے باطن میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں خوف، نفرت اور محبت سے ہوتا ہے۔

اب فرداً فرداً انسانی شعور کی ان تینوں سطحوں کا قدرے تفصیل کے ساتھ

ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔ ادراک

بعض لوگوں کی شعوری زندگی میں 'جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ ادراک کا

پہلو غالب ہوتا ہے۔ ان میں جستجو کرنے کا مادہ اور صلاحیت دوسروں کی نسبت زیادہ

ہوتی ہے۔ روز مرہ زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض بچوں کی طبیعت میں

تجسس (Curiosity) کا مادہ غالب ہوتا ہے۔ انہیں کوئی کھلونا دیں تو انہیں کھیلنے کے

نسبت سے زیادہ دلچسپی یہ جاننے میں ہوگی کہ اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں جس کے لئے اکثر اوقات اسے کھولنے اور جوڑنے میں دلچسپی لیتے ہیں۔

آج کے دور میں نوجوانوں کے اندر جستجو کرنے اور کریدنے کا عنصر پہلے زمانے کی نسبت کہیں زیادہ ہے۔ پچھلے زمانے میں والدین کوئی بات کہتے تو اولاد بے چوں و چراں مان لیتی تھی لیکن آج ایسی بات نہیں ہے سائنسی تحقیقات نے مشاہدات کی اس قدر ترغیب دی ہے کہ سنی سنائی کی کوئی حیثیت نہیں رہی۔ بچے ہر بات پر مطمئن ہونا چاہتے ہیں۔ اور جب تک انہیں دلیل سے قائل نہ کیا جائے وہ آسانی سے ماننے والے نہیں۔ زمانے کے تغیرات طبائع انسانی پر جو اثرات مرتب کرتے ہیں انہیں انسانی ذہن اپنے ذاتی مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر قبول کرتا ہے۔ کسی نوجوان کو کوئی بات سمجھائیں تو وہ سوال کرے گا کہ اگر ایسا نہ ہو تو پھر کیا ہوگا۔ وہ بات کی تہہ میں جائے بغیر اسے ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہوگا۔

بچے جب جوان ہو کر بلوغت کو پہنچتے ہیں تو نئے نئے علوم و فنون اور افکار و نظریات کے مطالعے سے ان کے ذہن کے درپہی وا ہو جاتے ہیں۔ اور وہ مختلف ادیان و نظریات عالم، عیسائیت، یہودیت، ہندومت، اشتراکیت، جدید فلسفہ، الوہیت، مادیت، تصویریت اور لادینیت وغیرہ کے ساتھ ساتھ اسلام اور سائنس کا تقابلی مطالعہ بھی کریں گے۔ اب اگر خدا نخواستہ ان کے ایمان کا پہلو کمزور ہو تو دوسرے نظریات و عقائد کی تیز آندھی ان کی اعتقادی جڑیں اکھاڑ کر رکھ دے گی ہر بات کو کریدنے کی عادت ان کو پہلے تشکیک کی طرف لے جائے گی اور وہ قرآن و سنت کے احکامات کو اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھنے لگیں گے۔

## ب۔ ارادہ

بعض انسانی طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں جن کی شعوری زندگی پر ارادے کا پہلو غالب ہوتا ہے۔ ان کی شخصیت ایسی ہوتی ہے کہ وہ کچھ کر گزرنا چاہتے ہیں۔ وہ خالی نعروں سے خوش نہیں ہوتے بلکہ عملی میدان میں کچھ کام کرنے کے متمنی ہوتے ہیں۔ ان میں ہر قسم کے افراد، جماعتیں اور تنظیمیں شامل ہیں۔

اس وقت کئی مثالیں پیش نظر ہیں یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ قانون کے منصب پر فائز حضرات اسٹیج پر قانون کی پالادستی پر زمین و آسمان کے قلابے ملاتے اور جمہوریت کے بلند بانگ دعوے کرتے نظر آتے ہیں۔ مگر چیمبر میں ان کی عملی زندگی کے اندر جھانک کر دیکھو تو ان کی قانون اور جمہوریت پسندی کا سارا طلسم ٹوٹا دکھائی دے گا۔ عملی زندگی میں انفرادی یا اجتماعی سطح پر ہم سب کا حال تقریباً ایسا ہو چکا ہے۔ کوئی بھی طبقہ لے لیجئے خواہ اس کا تعلق محکمہ تعلیم، طب اور انجینئرنگ کے پیشوں سے ہو یا کسی بھی اور پیشے سے، اہل علم و دانش میں سے الاماثناء اللہ کسی کے بھی پاس جا کر باتیں سنو تو یوں محسوس ہوگا۔ جیسے وہ سارے مسئلے آن واحد میں حل کر دے گا۔ اس کی گفتگو سے اصول پرستی اور نظریات کے بلند و بالا ایوان سر اٹھاتے نظر آئیں گے مگر عملی زندگی میں سوائے کاہلی، سستی اور بے عملی کے اور کسی کی جھلک دکھائی نہ دے گی۔ ماسوائے چند مستثنیات کے جو علمائے حق اور علمائے ربانیین ہیں۔ محراب و منبر پر فائز ان حضرات کا حال بھی دوسروں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ ہمیں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اگر ان کا حال ایسا نہ ہوتا تو اتنی تعداد میں لوگ مسجدوں سے گریز پانہ ہوتے۔ صورت حال یہ ہے کہ خطبہ جمعہ کی دوسری اذان بلند ہوتی ہے تو لوگ مسجدوں کی طرف لپکتے ہیں۔ کوئی خطیب کی تقریر سننا گوارا نہیں کرتا۔ ہمارے علماء کی



اس بے وقاری کا کیا سبب ہے؟ عام لوگ اور بالخصوص نوجوان دین سے کیوں بے بہرہ ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کا تجزیہ کیا جائے تو اپنے گریبانوں میں جھانکنے کی بجائے قصور وارد دوسروں کو ہی ٹھہرایا جائے گا۔ اس معاشرے میں ہر شخص کی سوچ یہی ہے کہ اس کے علاوہ ہر دوسرا قصور وار ہے اور وہ خود بے قصور ہے۔ اہل اقتدار کی سوچ یہی ہے کہ جو شخص اقتدار میں ہے وہ محبت الوطن ہے اور اپوزیشن میں ہر شخص ملک دشمن ہے یہی اپوزیشن راتوں رات اقتدار میں آکر محبت الوطن بن جاتی ہے اور اقتدار سے محروم ہونے والے وطن دشمن قرار دیئے جاتے ہیں۔ سیاست میں ان دو اصطلاحوں کے سوا اور کوئی تیسری اصطلاح مزوج نہیں۔

انتہا پسندی، بے اعتمادی اور بدگمانی کا یہ رویہ ہر حلقے اور ہر طبقے میں پایا جاتا ہے۔ خواہ اس کا تعلق اہل مذہب، اہل سیاست یا اہل معیشت سے ہو۔ وہ لوگ جن میں ارادے کا پہلو بہمہ وجوہ غالب ہوتا ہے۔ جب یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام کا نام تو بہت لیا جاتا ہے مگر عملاً ہوتا کچھ بھی نہیں تو وہ بدگمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

قول و فعل کا تضاد ہمیں ہر جگہ نظر آ رہا ہے۔ واعظین کرام مسجدوں میں اسلامی تعلیمات کی تبلیغ کرتے ہیں مگر گھریلو زندگی میں ان کے کردار پر اس اسلامیت کی کوئی چھاپ نظر نہیں آتی جس کے وہ مبلغ ہیں اس سے نوجوان نسل باغی ہو کر مغربی تہذیب و ثقافت کی دلدادہ ہوتی جا رہی ہے۔ سوسائٹی کا ڈھانچہ رفتہ رفتہ مغربی طرز زندگی اور بود و باش پر اٹھایا جا رہا ہے جس سے اسلامی تہذیب، ثقافت تحقیر کا نشانہ بن رہے ہیں۔ نوبت یہاں تک آگئی ہے کہ داڑھی رکھنے والے کو اجڈ، گنوار اور ملا کہہ کر حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اور لوگ باوجود تعلیم، روزگار اور شکل و صورت کے داڑھی رکھنے والے کو رشتہ دینے سے اجتناب کرتے ہیں۔ موجودہ تہذیب و ثقافت نے

تجدد (Modernism) کے نام پر اسلامی اعمال کی عزت ختم کر کے رکھ دی ہے جن پر چلنے والوں کو پس ماندہ (Backward) سمجھا جاتا ہے۔ مغربی ثقافتی یلغار نے فی الواقع ہمارے مذہبی ثقافتی ڈھانچے کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔

### ج۔ جذبہ

اسلام پر تیسرا حملہ جذباتی محاذ پر کیا جا رہا ہے۔ بعض لوگوں کی شعوری زندگی پر جذباتی پہلو غالب ہوتا ہے جس سے طبیعت کے اندر حسن، طبعی، حسن پسندی اور حسن پرستی کا پیدا ہو جانا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ جن طبیعتوں میں یہ بنیادی عنصر موجود ہو وہ قلب و نظر اور دماغ میں سرشاری اور کیف و سرور کا نشہ چاہتی ہیں۔ مادی تہذیب کے زیر اثر جذباتی یلغار نے شہوانی اور نفسیاتی تسکین کے لئے جگہ جگہ اڑے کھول رکھے ہیں۔ رقص و سرود اور نوشا نوشی کی محفلیں برپا ہوتی ہیں۔ نائٹ کلبوں اور سینما گھروں میں جسمانی ذہنی اور دماغی تعیشات کے سامان فراہم کئے جاتے ہیں۔ جن کی طرف مذہب سے بیگانہ نوجوان دیوانہ وار لپکتے ہیں۔ ہر فرد اپنے پسندیدہ نشے کو حاصل کرنے کے لئے بیتاب نظر آتا ہے۔ نوجوان نسل جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو کر کشاں کشاں نفسانی اور شہوانی خواہشات کے نشوں کی اسیر ہوتی جا رہی ہے۔

انسانی شعور کی مذکورہ بالا تین سطحوں پر اسلام دشمن باطل قوتیں پوری شدت سے حملہ آور ہو رہی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے خلاف دفاع کے لئے تمام ممکنہ وسائل پورے شد و مد سے بروئے کار لائے جائیں۔

اس کشاکش باہمی میں مسلم تہذیب و ثقافت کی بقاء کا راز حضور اکرم ﷺ سے ایسی خالص وفاداری میں ہے جس میں شرک فی النبوت کا شائبہ نہ ہو۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ  
فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ  
(اے حبیب!) آپ فرمادیں اگر تم اللہ  
سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی  
کرو تب اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا  
(۳۱: ۳)

اس بنیادی حقیقت کو اس حدیث میں مزید واضح کیا گیا ہے:-

لا یومن احدکم حتی یکون  
هو اہ تبعالما جئت بہ  
تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک  
مومن نہیں ہو سکتا جب تک اسکی  
آرزو، جو کچھ میں لایا ہوں، اس کی  
پیروی کرنا نہ ہو جائے۔  
(حدیث)

حدیث مبارکہ میں ہواہ کا لفظ نفس کی گہرائیوں کی اطاعت کی طرف اشارہ  
ہے جہاں سے تہذیب و ثقافت کے رجحانات اور ان کے داعیات پیدا ہوتے ہیں۔  
اسلامی تہذیب و ثقافت کے بارے میں غلط فہمیاں اور التباسات پیدا کرنے  
میں مستشرقین نے بھی پورا کردار ادا کیا۔ حالانکہ مغرب تہذیب کے کھوکھلے پن کا  
اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ انسانی تہذیب کی چار ہزار سالہ تاریخ میں گزشتہ  
ڈیڑھ سو برس سے انسانیت جدید مغربی تصورات کے زیر اثر آئی ہے۔ اس سے پہلے  
تمام نوع انسانی کے ذہن پر مشرقی تصورات کی حکومت تھی۔ جب سے حیات انسانی  
اور اس کی جدوجہد مغربی تصورات کے زیر اثر آئی ہے اس وقت سے آج تک مجموعی  
ہلاکت جو انسان کیلئے پیدا ہوئی ہے اس سے کہیں زیادہ ہے جتنی اس ڈیڑھ سو برس کے  
علاوہ بقیہ چار ہزار سال میں ہوئی۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کے حوالے سے تحقیق  
کرنے والے مستشرقین کے پانچ گروہ ہیں۔

## اسلامی تہذیب و ثقافت اور مستشرقین

۱۔ وہ لوگ جن کا نقطہ نظر خالص علمی تھا۔ وہ تہذیب و ثقافت کو بحیثیت مظہر نفس اجتماعی لیتے تھے۔ ان کے نزدیک اسلام بھی نینوا، بابل، مصر اور ہند کی مٹی ہوئی تہذیبوں کی طرح ہے۔ ان کے نزدیک موضوع کلام اسلامی تہذیب و ثقافت کے اسباب عروج و زوال ہیں۔ اور اس کی توجیہ انہوں نے میکانی اصول علمیت (Hypothesis of Mechanical Causation) سے کی۔ کہ اسلامی تہذیب Pre-Islamic Culture کا نتیجہ تھی۔ اس طرح انہوں نے معاشرت و ادب کو جاہلیت کا اثر، فلسفہ و حکمت کو یونانی افکار سے ماخوذ، فقہ و قانون شریعت کو رومن لاء یا یہودیت اور اخلاق و تصوف کو مسیحیت سے ماخوذ قرار دیا۔

۲۔ دوسرا گروہ مسیحی مبلغین کا تھا۔ جنہوں نے اسلام کے خلاف محاذ کھول رکھا تھا۔ ولیم میور کے بقول جب مسیحوں کو صلیبی جنگوں میں شکست ہوئی تو انہوں نے محسوس کیا کہ اسلام مسیحیت کے مستقبل کی راہ میں موثر رکاوٹ ہے۔ اسلام کو ناقابل قبول ثابت کرنے کی جب تک کوشش نہ کی جائے۔ مسیحیت مقبول نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ مسیحی مبلغین نے اسلام کا مطالعہ اس نظر سے شروع کیا کہ اس کے خلاف نفرت پھیلانی جائے۔ اور اس کے تمام ثقافتی فضائل کو ماقبل تہذیبوں کا اثر قرار دیا جائے اور ثابت کیا جائے کہ اسلام کا اپنا کچھ بھی نہیں۔ انہوں نے سب کچھ یہودیت و عیسائیت سے لیا ہے۔

۳۔ مستشرقین کا تیسرا گروہ ان یہودیوں پر مشتمل ہے جنہوں نے یہودیت کی

تجدید کی خاطر عبرانی کا مطالعہ شروع کیا۔ تو ان پر واضح ہوا کہ عبرانی کے میدان میں بھی مسلمانوں نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ جو اب انہوں نے اسلام کو اسکے اصل ماخذ سے جاننے کا تہیہ کر لیا اور عربی زبان و ادب میں مہارت حاصل کر کے اسلام کا مطالعہ شروع کیا۔ اب انہوں نے صیہونی مفاد کے ساتھ اسلامی عقائد، تصورات، اسلامی شخصیات، قانون، روایات اور اسلامی تحریکات کا مطالعہ اس انداز سے پیش کیا کہ اس سے تنقیص کا پہلو نکلے۔ یعنی جب اس گروہ کا کوئی مستشرق صدیق اکبر کی تعریف کرتا ہے تو آنحضرت ﷺ کی تنقیص کرنے کے لئے اس طرح جب وہ امام غزالی کی علمی و فکری عظمت کو بیان کرتا ہے تو بھی اس کا مقصود یہی ہوتا ہے۔

مستشرقین کا چوتھا گروہ استعمار پرستی کے نمائندوں پر مشتمل ہے۔ جو سمجھتا ہے کہ استعمار کے مستقبل کے عزائم کی راہ میں مسلم دنیا کا کاٹ بن سکتی ہے۔ ان کی تمام تر تحقیق و مطالعہ کا مقصود یہ ہے کہ اسلام کا مطالعہ کر کے اسے اس انداز سے پیش کیا جائے کہ مسلمانوں کا ماضی چاہے جتنا بھی تابناک ہو مگر ان کا مستقبل مغربی اقوام کے سہارے کے بغیر تاریک رہے گا۔

مستشرقین کا یہ گروہ آج کل مغرب کی جامعات (میک گل، پرنسٹن، کیمبرج، آکسفورڈ اور واشنگٹن وغیرہ) میں مصروف تحقیق ہے۔ اسلامی تہذیب و ثقافت پر انکی تحقیق کا مقصود یہ ہے کہ قیادت تو مسیحیت کے ہاتھ سے نہ نکلے مگر دوسرے محاذوں مثلاً اشتراکیت پر مسلمانوں کی اپنی موافقت میں کٹوانے کی تدبیر دریافت کی جاسکے۔

## جدید مسلم ذہن پر مستشرقین کا اثر

جدید مسلم ذہن دو نوعی انداز سے مستشرقین کے کام سے متاثر ہو رہا ہے۔ ایک تو اس کی تمام تعلیم و تحقیق اور مطالعہ کا انحصار مستشرقین کے ہی کام پر ہے جو کہ تعصب و عناد کے خمیر سے وجود میں آیا ہے اور اسے اپنے اصل ماخذ تک رسائی حاصل نہیں۔ دوسرے زوال زدہ مذہبی ذہن کی دینی و مذہبی تعبیرات نے بھی اس کے اپنی تہذیب و ثقافت پر اعتماد کو متزلزل کر دیا ہے کہ غلبہ دین حق کا وعدہ دور نبوت ہی کے لئے تھا۔ جو قرونی اولیٰ میں پورا ہو چکا۔

## تدارک کا منہاج

ان تمام تر معاندانہ پراپیگنڈوں کا موثر تدارک تب ہی ہو سکے گا جب ہم اسلام کو ایک کامل تہذیب کے طور پر پیش کریں گے۔ کہ اسلام ایک مثالی ثقافت (Idealistic Culture) دیتا ہے۔ جس میں اقدار و اعمال، معیشت و اخلاق باہم مربوط ہیں۔ اور معاشرے کو حسی اور تخیلی کلچر کے خانوں میں بانٹ کر دیکھنا دراصل اسلامی تہذیب کے کل کو ٹکڑوں میں منقسم کرنا ہے۔ جو بدست خود ایک تخریبی اقدام ہے کیونکہ کسی ایک پہلو کا معاشرے پر غلبہ افراد معاشرہ کے افراط و تفریط میں مبتلا ہونے کا باعث ہوگا۔ آج ثقافت کے نام پر معاشرے کو حسی کلچر کے جس سیلاب کی نذر کیا جا رہا ہے اس کے اثرات ہمارے سامنے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نمونہ ثقافت حسی اور تخیلی ثقافت سے قطعاً مختلف ہے بلکہ اسلامی نمونہ ثقافت ایک ایسا تہذیبی اور تمدنی کل ہے جو ان مسائل کا حل دیتا ہے کہ:-

۱۔ تعلق باللہ (انفرادیت) اور عمرانی تقاضوں (اجتماعیت) میں ہم آہنگی کیونکر

ہوگی؟

- ۲۔ اخلاق و معیشت باہم کس طرح مربوط ہیں؟
- ۳۔ انفرادی و اجتماعی حقوق کا تضاد و تصادم کس طرح رفع ہوگا؟
- ۴۔ دین و سیاست کی حدود امتیاز و وحدت کیا ہیں؟
- ۵۔ ہدایت مبنی بروحی کی کار آفرینی معاشرے میں کس طرح جاری رہے گی؟

مسلم معاشرے کے لیے لمحہ فکریہ

مغرب کی ثقافتی یلغار نے دو حوالوں سے مسلم معاشرے کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے:-

۱۔ اگر مغربی علمی ترقی کی بنیاد مسلم علمی و ثقافتی ورثہ ہے تو ہمیں مغربی تہذیب کے رد و قبول میں محتاط رویہ اختیار کرنا ہوگا۔ یعنی مغربی تہذیب کو کلیتہً رد کرنے کی بجائے اسکے ان عناصر کو قبول کرنا ہی ہوگا جو ہمیں ہمارے ثقافتی ورثہ پر اعتماد عطا کرے۔

۲۔ جدید علمی ترقی سے مذہبی فکر کی تشکیل جدید کی معاونت کے لئے علوم اور مذہب میں موجود مسائل کے جوابات میں تصادم اور تضاد کو رفع کرنا ہوگا۔

جب مسلم معاشرے کا اپنی ثقافت پر اعتماد بحال ہو جائے تو اسے اپنی ثقافت کو نئی نسل کو منتقل کرنے کا سامان کرنا ہوگا۔ ثقافت معمول بہ دین سے پیدا ہونے والے فضائل پر مشتمل ہے۔ یہ فضائل ایک ورثے کی حیثیت رکھتے ہیں جو پرانی نسل نئی نسل کو منتقل کرتی ہے۔ انتقال ثقافت تین مدارج میں ہوتا ہے:-

۱۔ تحصیل (Reception)

۲۔ تفصیل (Manipulation)

## ۳۔ تفویض (Transmission)

ان تینوں مدارج کی تکمیل کے لئے مذہبی واردات کے حصول کی جدوجہد کرنا ہوگی تاکہ تینوں مدارج پر ثقافتی ورثہ کو عقیدہ و عمل کے نظام کی مابعد الطبعیاتی اساس میسر آسکے۔ گویا ہمیں اپنی مثالی ثقافت کو حقیقت بنانے کے لئے روحانیت اور اخلاق کو سیاست اور معیشت سے مربوط کرنا ہوگا۔ جو انفرادی اور اجتماعی زندگی میں استحکام کا باعث بنے گا۔ یہ علم بالوحی سے میسر آنے والی ہدایت کی پیروی سے ہی ممکن ہے جو قوموں کو عروج عطا کرتا ہے اور اسکی ٹخلاف ورزی سے قومیں زوال میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ (ضمیمہ نمبر ۵)

آج عالمی منظر نامے میں مسلم دنیا کے موثر کردار نہ ہونے کے باوجود باطل طاغوت اور استعمار کی طرف سے مسلم دنیا کے خلاف تعصب و عداوت اس بات کا ثبوت ہے کہ امت مسلمہ آج بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ اگر ہم اپنی غایت کے حوالے سے ایک تصور پیدا کریں اور کتاب اللہ سے رجوع کریں تو کلمۃ اللہ ہی العلیا کے وعدے کے تحت اس حقیقت کو پھر سے دہرایا جاسکتا ہے کہ آج بھی صرف ہم ہی ایک زندہ حقیقت ہیں۔





## حواشی

(باب ہفتم)

- ۱- منہاج القرآن: ۱۹۲۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی
- ۲- منہاج القرآن: ۵۸۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی
- ۳- یہود و نصاریٰ کی اسی ذہنی نفسیات کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:  
ولن ترضیٰ عنک الیہود ولا النصارى حتى تتبع ملتہم قل  
ان ہدی اللہ هو الہدی (۱۲۰:۲)
- دیگر قرآنی مقامات:- ۱۰۹:۲، ۹۹:۳، ۵۹:۵، ۶۹:۳، ۷۲
- ۴- ہندوستانی کانگریس رہنما سونیا گاندھی کا بیان ریکارڈ پر ہے۔ کہ انہوں نے پاکستانیوں کو اپنی ثقافتی یلغار سے مفتوح کر لیا ہے۔ اب صرف نام کا پاکستان رہ گیا ہے۔
- ۵- آج ہمارے یہ رجحان چل نکلا ہے کہ دینی اقدار سے آزادی کو آزاد خیالی، ترقی پسندی اور پابندی کو رجعت پسندی یا قدامت پرستی کہا جا رہا ہے۔ کیونکہ میڈیا کے ذریعے سے مغربی کلچر کی فوقیت کا نسل نو تک ابلاغ ہو رہا ہے۔ نتیجہ یہ کہ ہم اپنی تہذیب چھوڑ رہے ہیں اور اغیار کی تہذیب کو اعلیٰ وارفع اور ترقی یافتہ سمجھ کر قبول کر رہے ہیں۔
- ۶- قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل: ۸۴۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی
- ۷- قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل: ۱۰۸۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

اس کا ثبوت ہمارے ہاں کا الیکٹرانک میڈیا ہے۔ سلور سکرین کی حالت ہی ناقابل بیان ہے۔ کوئی سنجیدہ ذہن کا فرد سلور سکرین سے تفریح حاصل کرنا قابل اطمینان نہیں سمجھے گا۔ رہا ٹیلی ویژن تو وہاں پر بھی سطحیت بے مقصدیت اور ہوس و نمود و نمائش کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ دینی اور لادینی پروگراموں کا تقابل کریں۔ تو دینی پروگرام کا شمار معیار و مقدار دونوں حوالوں سے نہیں ہوگا۔ رہے دوسرے پروگرام ان کا حال بھی ہمارے قومی ثقافتی تقاضوں سے میل نہیں کھاتا حالانکہ ان تمام تر پروگراموں کو وقتی تفریحی ضروریات پورا کرنے کے ساتھ ساتھ اس قرآنی ضابطے کا پابند کرنے کی ضرورت ہے:-

فاقصص القصص لعلہم یتفکرون۔ (۱۷۶:۷)

اشتہارات جو ہمارے ٹی وی میڈیا کا اہم جزو ہیں وہ بھی ہمارے ابلاغ کی سطحیت کے بزبان خود گواہ ہیں۔ کہ معیار اور صارف کی ضروریات کا لحاظ رکھنے کی بجائے نمود نسواں کا سہارا لیکر صارف کے جذبات و مال کے استحصال کا ذریعہ ہیں۔

معاشرے میں میڈیا کے کردار کو جاندار اور با مقصد بنانے کے حوالے سے عالیجاہ عزت بیگون کا یہ تبصرہ بڑا قابل غور ہے:-

"Religion talks about soul, art about character, and that is nothing but two ways of expressing the same idea. Religion turns to the soul and art tries to

reach it, to bring it before our eyes."

(Islam between East & West by Alija Ali-Izetbegovic)

یعنی فن و ثقافت کو دینی اقدار سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے پھر یہی اثر ہماری ادبیات پر بھی ہے کہ قیام پاکستان کے بعد مقصدیت کے فقدان نے ادب کی تلاش مقصد کے لیے کئی تحریکوں نے جنم لیا۔ چونکہ ان کی اساس ملی ثقافتی ورثے میں نہ تھی وہ کما حقہ پنپ بھی نہ سکیں گوانہوں نے اپنے حیطہ کے اندر تاثیر ضرور چھوڑی۔ آج ادبیات کو بھی ایسا با مقصد لائحہ عمل اپنانے کی ضرورت ہے کہ:

مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے  
یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا؟  
شاعر کی نوا ہو کہ معنی کا نفس ہو  
جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا؟  
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں تو میں  
جو ضرب نکلیسی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا؟

(اقبال)

قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل۔ ۱۰۸ اڈاکٹر برہان احمد فاروقی  
کہ قومی زندگی کی بقا اسی سے وابستہ ہے۔ مغربی معاشرہ کی مثال  
ہمارے سامنے ہے۔ انہوں نے اسلامی اصول معیشت کے ایک نکتے  
نفع بخشی کو اپنایا ہے جسے قرآن حکیم یوں بیان کرتا ہے۔

فاما الذبد فيذهب جفاء و اما ما ينفع الناس فيمكث في  
الارض كذلك يضرب الله الامثال۔ (۱۳: ۱۷)

مغربی معاشرے کے اسی باہمی نفع بخشی کے عمل نے انہیں عالمی سطح پر بھی  
ثقافتی و تہذیبی تفوق دیا ہوا ہے۔



## باب ہشتم

انما يعمر مسجد الله من امن بالله واليوم الآخر و اقام الصلوة و اتى  
الزكوة و لم يخش الا الله فعسى اولئك ان يكونوا من المهتدين ۝

(۱۸:۹)

دینی و مذہبی فکر میں تغیر



دور زوال کے اثرات کے تحت جب موثرات حیات میں تبدیلی آئی اور زندگی کا ہر پہلو متغیر ہوا تو دینی اور مذہبی فکر میں بھی تغیر رونما ہوا۔ اس وقت امت مسلمہ کی دینی و مذہبی زندگی پر درج ذیل چار پہلوؤں سے حملے ہو رہے ہیں۔

- ۱- مادیت کا حملہ
- ۲- اشراقیت کا حملہ
- ۳- متنہیت کا حملہ
- ۴- معرضیت کا حملہ

### پہلا حملہ: مادیت

اس حملے سے مسلمانوں کے اذہان و قلوب کو مادیت کی لپیٹ میں لایا جا رہا ہے اور ان کے دل و دماغ کو لبھانے کی کوشش کی جا رہی ہے تاکہ مغربی تہذیب کی کشش اور چکا چوند سے ان کے اعتقاد و اعتماد کو اس درجہ متزلزل کر دیا جائے کہ وہ اسلام کی روحانی اقدار سے برگشتہ ہو جائیں۔

### مادیت سے جنم لینے والے فتنے

مادیت کی بے پناہ یلغار نے ملت اسلامیہ کو چار مختلف فتنوں سے دوچار کر دیا

ہے۔

حکم الجاہلیہ

ظن الجاہلیہ

پہلا فتنہ

دوسرا فتنہ

تبرج الجاهلية

حمية الجاهلية

تیسرا فتنہ

چوتھا فتنہ

## حکم الجاهلية

اس سے مراد مادیت کا وہ فتنہ ہے جس کی زد میں آکر مسلمان ریاستیں نام تو اسلام کا لیتی ہیں لیکن عملاً حکم الحاکمین کے عطا کردہ نظام اور قانون شریعت کے نفاذ کی بجائے مغرب سے مستعار بے خدا نظام رائج کرنے کو ترجیح دے رہی ہیں اور احکام الہیہ کو بہانوں سے پس پشت ڈال کر مغربی قوانین کے عملدرآمد میں مادی ترقی کی ضمانت تلاش کی جا رہی ہے اور اس طرح امت مسلمہ کو شریعت کے فیوض و برکات سے محروم رکھا جا رہا ہے۔

## ظن الجاهلية

اس سے مراد مادیت کا وہ فتنہ ہے جس میں مبتلا ہو کر افراد امت مسلمہ کا تعلیم یافتہ طبقہ اسلامی فکر و فلسفہ سے منہ موڑ کر مغربی افکار کا دلدادہ ہوتا جا رہا ہے۔ نتیجتاً کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے طلباء الا ماشاء اللہ مغربی فلسفے، سیکولر ازم اور لادینی نظریات کا مطالعہ تو نام نہاد ترقی پسندی اور روشن خیالی کے زعم میں بڑے شوق و شغف سے کرتے ہیں لیکن اسلامی افکار کے حیات بخش سرچشمے سے متمتع ہونے کی انہیں توفیق ہی نصیب نہیں ہوتی۔

## تبرج الجاهلية

مادیت کا تیسرا فتنہ درحقیقت مغربی تہذیب کی یلغار کا نتیجہ ہے جس کی زیر



اثر اعلیٰ اسلامی روایات اور شرم و حیا کی آفاقی اقدار بری طرح پامال ہو رہی ہیں۔ مغربی تہذیب کی ظاہری چمکا چوند اور ملمع کاری سے متاثر ہو کر ہماری مائیں، بہنیں اور بیٹیاں عصمت و عفت کے اسلامی تصور سے بیگانہ ہو کر خود کو مغربی قانون کے قالب میں ڈھال رہی ہیں جس کے نتیجے میں مغربی آرائش جمال اور حسن غازہ پرور کی رو میں بہہ کر شرم و حیا کے جوہر سے تہی مایہ نسوانیت شمع خانہ بننے کی بجائے رونق محفل بن کر رہ گئی ہے اور عصمت و عفت کا اسلامی تصور قصہ پارینہ بن کر رہ گیا ہے۔

### حمیة الجاهلیة

چوتھا فتنہ مادیت حمیة الجاهلیة ہے جو ان قبائلی، گروہی، علاقائی اور صوبائی تعصبات و مفادات کو فروغ دے رہا ہے جنہیں کم کرنے کے لئے اسلام آیا تھا۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے آخری خطبے میں یہ ارشاد فرمایا کہ

کل شیء من امر الجاهلیة تحت  
 آج کے دن جاہلیت کے تمام  
 قدمی موضوع  
 تصورات میں نے اپنے قدموں تلے  
 روند ڈالے ہیں۔

دور جاہلیت کی جھوٹی عصبتوں اور حمیتوں کو اپنے پاؤں تلے کچل ڈالا تھا اور نسلیت، قبائلیت، علاقائیت و لسانیت کے سارے بت پاش پاش کر دیئے تھے۔ بد قسمتی سے آج اسلامی حمیت و غیرت خوابیدہ ہے جبکہ جھوٹی اور محدود عصبتیں پھر سے سراٹھانے لگی ہیں۔ امت مسلمہ کی وحدت کا شیرازہ انتشار و افتراق کی ہواؤں میں ہر طرف بکھرتا دکھائی دے رہا ہے۔

## دوسرا حملہ: اشراقیت

جہاں مادیت کے حملے سے ملت بیضا کو اسلام کے روحانی پہلو سے محروم کیا جا رہا ہے وہاں اشراقی فتنے کے ذریعے نقلی و مصنوعی روحانیت کے نام پر سادہ لوح مسلمانوں کو منہاج شریعت سے دور رکھنے کے جتن کئے جا رہے ہیں۔ شریعت اور طریقت میں دوئی اور بعد پیدا کر کے ظاہری احکام شریعت سے یہ کہہ کر پہلو تہی کی جا رہی ہے کہ دین کی اصل تو باطن ہے جسے ظاہری شریعت سے کوئی علاقہ نہیں۔ اشراقیت کے حملے کے ذریعے اطاعت و اتباع احکام الہی اور شریعت مطہرہ کی پیروی کے تصور کو پس پشت ڈالا جا رہا ہے اور آزاد خیالی و آزاد روی کے نام پر ایک مصنوعی اور کھوکھلی روحانیت کو رواج دیا جا رہا ہے جس کے ذریعے اس تصور کو فروغ دیا جا رہا ہے کہ اصل راہ تو طریقت و باطنیت کی راہ ہے اور منزل تک رسائی حاصل کرنے کے لئے شرعی احکام کی کوئی ضرورت و حاجت نہیں۔

## تیسرا حملہ: متنیت

اسلام کے قالب پر ہونے والا تیسرا حملہ متنیت کا ہے جس نے امت مسلمہ کے اندر طرح طرح کے فتنوں کو جنم دیا ہے۔ ان میں ایک بہت بڑا فتنہ جھوٹی نبوت کا ہے۔ امت کو بظاہر بے یار و مددگار اور بے سہارا دیکھ کر مختلف افراد جھوٹی نبوت، مجددیت اور قیادت کے دعویدار بن کر سامنے آئے ہیں اور انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر کے ان کے ایمان و اسلام کو غارت کر دیا ہے۔ یہ حملہ پہلے دو تہیوں کی نسبت کہیں خطرناک اور متاع ایمان کے لئے تباہ کن ہے۔ اس کے ذریعے ملت اسلامیہ کو اس کے مرکز وحدت سے بیگانہ کر کے اس کی وفاداریوں کو تقسیم کیا جا رہا ہے۔

## چوتھا حملہ: معرضیت

اسلام کے خلاف چوتھا حملہ معرضیت کا ہے جس کے زیر اثر اسلام کے نام پر افراد امت کو بانی اسلام سے دور لے جایا جا رہا ہے اور ان کے دلوں میں بھڑکنے والی عشق مصطفیٰ ﷺ کی چنگاری کو بجھانے کے جتن کئے جا رہے ہیں یعنی بقول اقبال

یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا  
روح محمد اس کے بدن سے نکال دو  
فکر عرب کو دے کر فرنگی تخیلات  
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک سینوں میں محبت رسول ﷺ کی حرارت اور تب و تاب باقی رہتی ہے۔ امت کے اجتماعی احوال و اعمال چاہے کتنے ہی دگرگوں کیوں نہ ہو جائیں ان کی متاع رفتہ پر بہار آسکتی ہے اور راکھ میں دبی ہوئی ایمان کی چنگاری نسبت مصطفیٰ ﷺ سے بھڑک کر شعلہ جوالہ بن سکتی ہے لیکن اگر خدا نخواستہ امت کی اپنے نبی ﷺ کے ساتھ یہ نسبت کمزور پڑ جائے اور معاذ اللہ آپ ﷺ کی ذات سے عشق و محبت کو شخصیت پرستی اور فرسودہ خیالی پر محمول کیا جانے لگے تو اس کو دائمی شکست سے دوچار ہونے سے نہیں روکا جاسکتا اور مستقبل میں اس کا اپنے اہیاء کی نسبت یقین یکسر متزلزل ہو جاتا ہے اور رزم گاہ حیات میں اس کا دوبارہ غلبہ حاصل کرنا

اس خیال است و مجال است و جنوں  
والی بات بن کر رہ جاتا ہے۔

یہاں یہ بات واضح طور پر ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ امت مسلمہ کے قلب و جگر پر کئے جانے والے مذکورہ چاروں حملوں کا مقصد فقط ایک ہے کہ نسبت رسالت کی اساس کو اس درجہ کمزور و مضحل کر دیا جائے کہ امت کا اپنے نبی ﷺ کے ساتھ تعلق اور نااطہ محض برائے نام رہ جائے۔ ان حملوں کا آغاز برطانوی استعمار اور مغربی سامراجی طاقتوں نے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت کر دیا تھا تاکہ مختلف حربوں سے امت کو عشق و محبت مصطفیٰ ﷺ کے مرکز سے ہٹا کر اس کی اساسی نسبت کو کمزور کر دیا جائے جس سے وہ ایمان کی حرارت اور زندگی کی رمتق حاصل کرتی ہے اور جس سے سرشار ہو کر وہ اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ فرنگی حیلہ گروں نے سوچا کہ جب اس امت کا تعلق اپنے مرکز سے جہاں سے اسے زندگی مل رہی ہے ٹوٹ گیا تو اس پر ایک نہ ختم ہونے والی ابدی موت طاری ہو جائے گی۔

### طاغوتی یلغار کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تغیرات

دور حاضر کی طاغوتی یلغار کے نتیجے میں دینی اور مذہبی فکر میں درج ذیل تغیرات پیدا ہو گئے۔

۱- جب دین عملاً آخرت کا معاملہ رہ گیا اور اس کا زندگی کے عملی معاملات سے کوئی علاقہ نہ رہا تو اسکے نتیجے میں عقیدہ وہم (Myth) اور عبادات رسوم (Ritual) رہ گئیں اور مذہب عملی زندگی میں اس درجہ پر آگیا جس پر آج دوسرے آسمانی مذاہب ہیں۔

۲- علم بالوحی اور علم زائیدہ کا امتیاز مٹ گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عقلی اور نقلی علوم قرآنی علوم پر غالب آگئے اور قرآن سے براہ راست ہدایت اخذ کرنے کی بجائے

تمام تر توانائیاں قرآن کے معاون علوم سے اخذ ہدایت پر صرف ہونے لگیں۔  
 ۳- ان متغیر حالات میں دین اور محتویات دین کو خود ساختہ تصورات سے سمجھا جانے لگا۔ تکمیل دین اور ختم نبوت کی اصطلاحات جو کہ امت مسلمہ کی عمرانی ثقافتی اور علمی و قومی وحدت و تشخص کا نشان تھیں، کے مفاہیم اتنے مسخ ہو گئے کہ ان کی عملی تاثیر اور روح و طائفہ مذہبی سے نکل گئے۔ اندریں حالات:-

### الف- تکمیل دین

تکمیل دین کا قرآنی تصور جو الیوم اکملت لکم دینکم..... الخ میں بیان کیا گیا تھا وہ تکمیل فقہ رہ گیا۔ جب تکمیل دین کا مفہوم تکمیل فقہ لیا گیا تو وظائف قانون کے پس منظر میں موجود وہ حقیقت نظروں سے اوجھل ہو گئی جس کے تحفظ کے لئے قانون کو قوت نافذہ دی جاتی تھی کیونکہ جب تک اسلام ایک مقتدر قوت رہا اور اسلامی قانون کو قوت نافذہ میسر رہی تو دور اولیٰ کی قائم اسلامی اقدار حیات بھی جاری و ساری رہیں مگر جو نہیں قانون سے قوت نافذہ چھنی وہ اقدار حیات کی حفاظت سے عاجز ہو گیا کیونکہ قانون تو زندہ اقدار حیات کا ہی تحفظ کر سکتا تھا، مردہ اقدار حیات کو پھر سے زندہ کرنا رائج الوقت قانون نہ وظیفہ تھا نہ اس کے بس کا روگ لے۔

### ب- ختم نبوت

تکمیل دین اور ختم نبوت کے مفاہیم کے حوالے سے مذہبی ذہن اس الیے کا شکار ہو گیا کہ اسے اس حقیقت کا ادراک نہ رہا کہ ختم الانبیاء ﷺ نے خاتم الوحی (قرآن) کے ذریعے ایسا صحیفہ عطا فرما دیا جس نے بنی نوع انسان کو ہمیشہ کے لئے نئی بعث کی احتیاج سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اس حقیقت کو ختم نبوت اور تکمیل دین کے مضمرات کو سمجھنے سے ہی واضح کیا جاسکتا ہے کہ قرآن ہی وہ ہدایت دیتا ہے جو انجام کار

غلبہ حق اور شکست باطل پر منبج ہوتی ہے اور قرآن کی شان ابدیت ہی اسے صحف  
ما سبق سے بے نیاز کرتی ہے۔

### ج۔ توحید

توحید کا عقیدہ ایک سطح پر تو ایک تصور اور مذہبی مسلمہ ہے مگر درحقیقت یہ  
ایک ایسی حقیقت ہے جس کی عملی افادیت تب ہی سامنے آسکتی ہے جب محسوسات  
سے اس کی سازگاری و باہمی ربط استوار کیا جائے۔ جب انفرادی سطح پر اس کا عملی اطلاق  
کیا جائے گا تو یہ ارتقائے ذات کا باعث بنے گا۔ بقول علامہ اقبالؒ

اسی سے ٹوٹ سکتا تھا یہ طلسم رنگ بو  
یہی توحید تھی جسے نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا  
تا نہ رمز لا الہ آید بدست  
بند غیر اللہ انتواں شکست

جب اجتماعی سطح پر اس کا عملی اطلاق کیا جائے گا تو محسوس حقائق کی شکل میں  
اس کا نتیجہ سامنے آئے گا کہ نوع کو انسان ایک وحدت قرار دیا جائے۔ نوع انسان کو  
وحدت قرار دینے سے ہی بنی نوع انسان کے لئے حال و مستقبل کی تخریب کی بجائے  
تعمیر کا راستہ کھل سکتا ہے۔ اسی طرح جب انفرادی و اجتماعی زندگی کو نامی وحدت کے  
طور پر لیا جائے گا جس میں اخلاقی و معاشی کے درمیان جوابی اضافی مستضافی ربط کو  
تسلیم کیا جا چکا ہو تو تب ہی انفرادی و اجتماعی سطح پر مثالی ثقافت (Idealistic  
Culture) کی تشکیل کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے گا مگر دور زوال کے اثرات نے  
توحید کو اس ملت آفریں منصب سے اتار کر مجادلوں اور مناظروں کا موضوع بنا دیا۔<sup>۳</sup>

۳۔ نزول قرآن کی غایت کو نہ سمجھنے کی بناء پر شرع و منہاج کافر ق مٹ گیا۔ ہم

شرع پر تو قائم ہیں مگر اس کی نتیجہ خیزی کے لئے منہاج سے بے نیاز ہو گئے حالانکہ قرآن حکیم ان دونوں کے باہمی ربط و تعلق کو بیان کر رہا ہے۔

لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَ هُمْ نَعْمَ لِي فِي شَيْءٍ مِّنْهُ لَئِن لَّمْ يَلْمِزْكَ مَا كُنْتَ عَلَيْهِ غَالِبًا  
 لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَ هُمْ نَعْمَ لِي فِي شَيْءٍ مِّنْهُ لَئِن لَّمْ يَلْمِزْكَ مَا كُنْتَ عَلَيْهِ غَالِبًا  
 شریعت اور کشادہ راہ عمل بنائی۔

(۳۸:۵)

۵- قرآن حکیم کو صحف ماسبق پر عملاً قیاس کرنے سے مسلم معاشرے میں مذہبی ذہن اور جدید ذہن کے مابین ایک تیسرا طبقہ وجود میں گایا جو مذہبی ذہن اور جدید ذہن کے درمیان تطبیق پیدا کرنے اور معذرت کو شانہ ہم آہنگی پیدا کر کے حصول اقتدار کی راہ ہموار کرنے میں مصروف ہے۔

۶- جب ہمہ گیر زوال کے نتیجے میں مذہب کے انفرادی سطح تک محدود ہو جانے سے 'معاشرتی اقتدار مذہب سے چھین گیا اور دوسری طرف جب مذہبی ذہن قرآن سے ولولہ انگیزی اور نتیجہ خیزی کی زندگی کشید کرنے سے محروم رہا تو مذہبی وعظ بھی بے اثر ہو گیا کیونکہ آج کے وعظ کے ساتھ نہ قوت نافذہ کی شان و شوکت ہے نہ بصیرت و حکمت کا نور اور نہ ہی یقین و ایمان کی قوت۔ جب زندگی کے تقاضے فقہی احکام سے انحراف کر کے پور ہو رہے ہوں تو عذاب کا ڈر کب تک عامۃ الناس کو راہ ہدایت پر استقامت دے گا۔ زندگی کے گونا گوں مسائل نے عام آدمی سے حضور قلب چھین لیا۔ خارج میں غلبہ باطل کے مشاہدہ نے قوانین شریعت سے انحراف پر مجبور کیا، نتیجہ یہ نکلا کہ دینی اور لادینی علمبرداروں کے درمیان بے یقینی اور یقین کی آویزش شروع ہو گئی جس میں انجام کار مذہبی ذہن پر ہی مزید زد پڑی کہ اسے اپنی بے یقینی میں اضافے کے علاوہ کچھ نہ ملا کیونکہ آج کا مبلغ جن فقہی احکام کا پرچار کر رہا ہے ان سے

انحراف کئے بغیر زندگی کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے حالانکہ دعوت و تبلیغ کی بے  
تاثیری اس وقت ختم ہو سکے گی جب ہم دعوت و تبلیغ کے لئے راہ راست قرآن سے  
رہنمائی لیں گے۔

## قرآنی نظام دعوت

قرآن حکیم کی روشنی میں دعوت کا موثر نظام برپا کرنے کے لئے ضروری  
ہے کہ:-

۱- دعوت کے لئے ایسی جماعت مصروف عمل ہو جو معروف کے فروغ اور  
منکر کے استیصال کے اصول پر کار بند ہو۔ ارشاد ربانی ہے کہ

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى  
الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ  
يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ  
اور تم میں سے ایسے لوگوں کی ایک  
جماعت ضرور ہونی چاہیے جو لوگوں کو  
نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم  
دیں اور برائی سے روکیں (۱۰۴:۳)

۲- دعوت میں صرف موضوع دعوت ہی نہیں بلکہ دعوت کا طریقہ کار بھی  
ملحوظ خاطر رہے۔ دعوت کے طریقہ کار میں قرآن حکیم کی روشنی میں ضروری ہے کہ  
الف- دعوت حکمت، موعظہ حسنہ اور جدال احسن پر مشتمل ہو۔  
قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے۔

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَ  
الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ  
بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ  
(اے رسول معظم) آپ اپنے رب کی  
راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے  
ساتھ بلائیے اور ان سے بحث (بھی)  
ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو (۱۲۵:۱۶)



ب۔ دعوت میں ایسی بصیرت کار فرما ہونی چاہئے جو نتیجتاً زندگی کو کلیۃً ”الی اللہ“ کی راہ پر ڈال دے۔ قرآن کریم میں ہے:

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ  
عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي

(اے حبیب مکرم) فرمادیجئے یہی  
میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا  
ہوں پوری بصیرت پر (قائم) ہو۔ میں  
(بھی) اور وہ شخص بھی جس نے میری  
اتباع کی“ (۱۰۸:۱۲)

ج۔ دعوت مومنانہ یقین سے مملو ہونی چاہئے۔ دعوت میں یقین کی اہمیت کیا ہے؟ اس کا اندازہ تب ہی ہو سکتا ہے جب آج کے واعظانہ وما علینا الا البلاغ کو پیغمبرانہ وما علینا الا البلاغ کی روشنی میں دیکھا جائے۔

اس کی تفصیل باب ”دعوت اور اس کی اہمیت“ میں آرہی ہے۔

د۔ مذہبی تغیر اور مذہب کے انفرادی، شخصی، نجی اور انفسی حد تک سمٹ جانے سے اخلاق و معیشت کا باہمی، جوانی، وجوبی تعلق بھی معدوم ہو گیا جس کا دو نوعی اثر معاشرے پر مرتب ہوا:-

الف۔ معیشت کو اخلاقی پابندیوں سے رہائی مل گئی، کالے دھن اور ناجائز کمائی کو قانونی تحفظ مل گیا۔

معیشت کو اخلاقی ضوابط سے آزاد کر دینے سے معاشرے کا تزکیہ کے نور سے محروم ہو جانا لابدی ہو گیا کیونکہ بندہ اور خدا کے درمیان بعد کی خلیج کو تزکیہ کا ربط ہی پاٹ سکتا ہے اس لئے کہ تزکیہ دو شرائط سے عبارت ہے۔ مقصود بعثت محمدی ﷺ کو اپنانے (الصف: ۹) اور مال راہ خدا میں خرچ کرنے (اللیل: ۱۷-۱۲۰، الشمس: ۹، الاعلیٰ:

(۱۴) سے تاکہ دوسروں کا معاشی تعطل دور ہو سکے۔

ب۔ مذہب جب زندگی کی حقیقت محسوس کی بجائے مجرد حقیقت میں بدلا تو وہ نتائج جو قرآن حکیم نے دنیا میں پیدا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا آج کے مذہبی ذہن نے انہیں آخرت پر اٹھا دیا۔ اعمال اور نتائج کے باہمی ربط و تعلق کو قرآن نے بطور اصول اور قانون کے بیان کیا ہے بایں طور کہ :-

i۔ دنیوی زندگی میں قانون الہی سے انحراف زوال و ذلت پر منتج ہوگا۔

بَلِّغْ فَهَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمُ  
الْفٰسِقُونَ ۝

یہ پیغام حق ہے (سن لو کہ) اب وہی  
غارت ہوں گے جو نافرمان ہیں

۳۵:۳۶ کے

ii۔ اخلاص باللہ و عناد باللہ کا انعام و انتقام آخرت میں مرتب ہو کر رہے گا۔

فَاصْبِرْ اِنَّ الْعٰقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

پس آپ صبر کریں بیشک بہتر انجام

(۲۹:۱۱) کے پر ہیزگاروں ہی کے لیے ہے

iii۔ اگر قبل از مرگ توبہ کی جائے تو مغفرت سے نوازا جائے گا۔

فَاٰخِذْنٰهُمْ بِالْبِاسِ وَالضَّرَآءِ

پھر ہم نے ان کو تنگدستی اور تکلیف کے

ذریعے پکڑ لیا تاکہ وہ (عجز و نیاز کے

۲۲:۶) کے ساتھ گڑ گڑائیں۔

مگر آج کے مذہبی ذہن نے مذکورہ تینوں نتائج کو آخرت پر ملتوی کر دیا اور اس طرح خود کو نتیجہ خیزی کے بارگراں سے سبکدوش کر لیا اور اس امر سے مستغنی ہو گیا کہ مذکورہ نتائج کے نہ پیدا ہونے پر وہ آخرت میں ہی نتیجہ خیزی پر کفایت نہ کرے بلکہ اپنی اصلاح احوال کی طرف متوجہ ہو اور نتیجہ خیزی کے لئے مطلوبہ تقاضے پورے

کر کے قرآن کے وعدہ کی زندہ تصویر بنے۔

۸- آج کے مذہبی ذہن کے قرآن سے اخذ ہدایت میں یہ موانع حائل ہیں۔

## قرآن سے اخذ ہدایت کے موانع

- i- قرآن حکیم کو صرف قانون کا ماخذ ہی سمجھا جا رہا ہے۔
- ii- موثرات حیات کے بدل جانے کے باوجود اصلاح کا کوئی طریقہ قرآن حکیم سے طلب نہیں کیا جا رہا۔
- iii- قرآن کے محفوظ ہونے کے باوجود انسانی زائیدہ علوم پر اس کا عملی تفوق پیدا نہیں کیا جاسکا۔
- iv- کتاب و سنت اور پھر خود کتاب کے دیئے ہوئے تصورات مسخ ہو گئے ہیں۔
- v- زوال کی توجیہ تاریخی منطقی نتیجہ اور اللہ کی بے نیازی سے کی جا رہی ہے۔
- vi- قرآن کو صحف ماقبل پر قیاس کیا جانے لگا۔
- vii- قرآن کی حجت من بعد الرسل ہونے سے (عملاً) یقین اٹھ گیا۔
- ۹- قرآن و حدیث کی تدریس کے طریق کار میں بھی اس تغیر کا اثر و نما ہوا، عالم اسلام میں دینی علوم کی تعلیم کے ادارے کام کر رہے ہیں مگر قرآن حکیم براہ راست مطالعہ کے لئے کہیں بھی داخل نصاب نہیں۔ اس کی جگہ دیگر تفسیری اور زائیدہ علوم پڑائے جا رہے ہیں۔
- اسی طرح حدیث بھی دینی درسگاہوں میں داخل نصاب ہے مگر اس کی تدریس فقط اپنے فقہی موقف کی تائید و سند تلاش کرنے کے لئے ہے۔ اس سلبی طریق تدریس نے نسل نو کو جوہر اخلاق سے محروم رکھا۔
- ۱۰- مذہبی تغیر کا اثر تصوف پر بھی مرتب ہوا کیونکہ جب مذہب عملی زندگی سے

منقطع ہو کر صرف نجی باطنی اور انفرادی معاملہ بن گیا تو محرکات عمل میں اخلاص باللہ کی احتیاج ختم ہو گئی۔ اخلاص باللہ سے بے نیازی نے حضور قلب اور تزکیہ و تصفیہ کی اہمیت کو کم کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے  
وہی آب و گل ایراں وہی تبریز ہے ساقی  
-۱۱- دینی فکر میں اختلال کا بنیاد کی سبب آج کے مذہبی ذہن کا فکری جمود ہے جو  
متغیر اقدار کو بھی مستقل اقدار منوانے پر مصر ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

آئین نور سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا  
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں  
فکر و عمل کا اختلال تب ہی رفع ہو گا جب ہر مرحلہ ارتقاء پر متغیر اقدار کو  
از سر نو اقدار کاملہ سے ہم آہنگ کیا جاتا رہے گا۔ چونکہ آج کا مذہبی ذہن اس وظیفہ کی  
ادائیگی سے معذور ہے سوا سے قرآن سے بے یقینی کے سوا کچھ نہیں مل رہا۔ اللہ  
مذہبی و دینی تغیر کی اس زوال پذیر حالت سے نکلنے کی سبیل یہی ہے کہ آج  
مقصود بعثت نبوی ﷺ کو حاصل کرنے کی نتیجہ خیزی کی ضامن ہدایت قرآن سے اخذ  
کی جائے جس کی بنیاد پر مذہب کے اس مسخ شدہ تصور سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے  
کہ

”بے جان عقائد، مردہ رسوم، فرقہ پرستانہ آرزوئیں اور مفاد پرستانہ گروہ بندیاں ہی  
پیغمبرانہ راہ حق پرستی ہیں اور متحد ہونا کفر ہے اور دینی حمیت کا اظہار فرقہ پرستانہ  
منافرت میں ضروری ہے۔“ - اللہ



## حواشی

### (باب ہشتم)

۱۔ آج کا مذہبی ذہن کس حد تک بدل چکا ہے اور اسلام کے عملی و تنفیذی احیاء سے کتنا مایوس ہے اسکا اندازہ دور حاضر کے ایک ممتاز عالم دین اور ایک بڑے دینی تعلیمی ادارے کے سربراہ کے پاکستان اسلامی نظام اور کشمیر جیسے اہم معاملات پر خیالات سے ہوتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ندائے ملت لاہور شمارہ ۳۸: دسمبر ۹۸ء

۲۔ قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل: ۳۰۹۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

۳۔ آج امت مسلمہ میں فرقہ بندی کی بنیاد اکثر و بیشتر توحید ہی ہے۔ شرک سے پرہیز اور توحید کے فروغ کے نام پر ملت کا وجود لخت لخت ہو رہا ہے۔ اور افراط و تفریط کا یہ عالم کہ ایک طرف مقام انبیاء و اولیاء کی حرمت ملحوظ نہیں رہی تو دوسری طرف غوث الاعظمؒ اور داتا گنج بخشؒ کے القابات بھی رب ذوالجلال کے لیے استعمال کیئے جانے لگے۔

۴۔ معروف و منکر کے قرآنی تصور کے لیے ملاحظہ ہو۔ کتاب ہذا کا باب ۱۲ حاشیہ نمبر ۱

۵۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ قرآنی فلسفہ تبلیغ: ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۶۔ حذیہ کہ جب فیڈرل شریعت کورٹ (FSC) نے سود کی ممانعت اور بلا سود بنکاری کا نظام جاری کرنے کا فیصلہ دیا تو اسلام کے نام پر وجود میں آنے والی مملکت ”پاکستان“ کی نام نہاد اسلامی جمہوری

حکومت نے اسکے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی!

انا لله و انا اليه راجعون۔

دیگر مقامات

۷۔

۲۰۹:۲۶، ۱۱:۱۱، ۷:۹۶، ۷:۲۰، ۲۹:۳، ۷:۲۸

دیگر مقامات

۸۔

۷:۱۲۸، ۲۰:۱۳۲، ۲۸:۸۳

دیگر مقامات:

۹۔

۱۵:۲۹، ۷:۹۶، ۷:۱۲

منہاج القرآن: ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

۱۰۔

پاکستان کا مطالبہ بھی اس لیے کیا گیا تھا کہ ایک ایسا خطہ زمین حاصل کیا جاسکے جہاں اسلام کی اقدار کا عملی اظہار (Practical Demonstration) ممکن ہو اقبال نے تصور پاکستان پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔

۱۱۔

”لہذا ثابت ہوا کہ ہندوستان میں ایک متوازن اور ہم آہنگ قوم کے نشوونما کی طرح مختلف ملتوں کا وجود ناگزیر ہے۔ مغربی ممالک کی طرح ہندوستان کی یہ حالت نہیں کہ اس میں ایک ہی قوم آباد ہو، وہ ایک ہی نسل سے تعلق رکھتی ہو اور اس کی زبان بھی ایک ہو۔“

ہندوستان مختلف اقوام کا وطن ہے جن کی نسل، زبان، مذہب سب ایک دوسرے سے الگ ہیں ان کے اعمال و افعال میں وہ احساس پیدا ہی نہیں ہو سکتا جو ایک ہی نسل کے مختلف افراد میں موجود رہتا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو ہندوستان بھی تو کوئی واحد لجنس قوم نہیں

پس یہ امر کسی طرح نامناسب نہیں کہ مختلف ملتوں کے وجود کا خیال کئے بغیر ہندوستان کے اندر ایک اسلامی ہندوستان قائم کریں۔ میری رائے میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی قراردادوں سے اسی بلند نصب العین کا اظہار ہوتا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ مختلف ملتوں کے وجود کو فنا کئے بغیر ان سے ایک متوافق اور ہم آہنگ قوم تیار کی جائے تاکہ وہ آسانی کے ساتھ اپنی ان صلاحیتوں کو جو ان کے اندر مضمر ہیں عمل میں لاسکیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ اجتماع ان تمام مطالبات کی جو اس قرارداد میں موجود ہیں۔ نہایت شد و مد سے تائید کرے گا۔ ذاتی طور پر تو میں ان مطالبات سے بھی ایک قدم آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے۔ خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری حاصل کرے، خواہ اسکے باہر۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ مستقبل میں اسکے قیام کی ضرورت پڑے گی۔ اس تجویز کو نہرو کمیٹی میں بھی پیش کیا گیا تھا، لیکن اراکین مجلس نے انہیں اس بناء پر روک دیا کہ اگر اس قسم کی کوئی ریاست قائم ہوئی تو اس کا رقبہ اس قدر وسیع ہوگا کہ اس کا انتظام کرنا دشوار ہو جائے گا۔ بے شک اگر رقبہ کا لحاظ کیا جائے تو اراکین مجلس کا یہ خیال صحیح ہے لیکن آبادی پر نظر کی جائے تو اس ریاست کے باشندوں کی تعداد اس وقت کے بعض ہندوستانی صوبوں سے بھی کم ہوگی۔ غالباً قسمت انبالہ یا اس قسم کے دوسرے اضلاع کو الگ کر دینے سے جن میں ہندو آبادی کا غلبہ ہے اس کی وسعت اور انتظامی مشکلات میں اور بھی کمی ہو جائے گی۔ پھر

ان اضلاع کی علیحدگی سے غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کہیں زیادہ محفوظ ہو جائیں گے۔ اس تجویز کو سن کر نہ انگریز کو پریشان ہونا چاہیے نہ ہندوؤں کو۔ ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقہ میں اپنی مرکزیت قائم کر سکے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے اس زندہ اور جاندار طبقہ کی مرکزیت کی بدولت جس نے دولت برطانیہ کی نا انصافیوں کے باوجود فوج اور پولیس میں شریک ہو کر انگریزوں کو اس قابل بنایا ہے کہ وہ اس ملک پر اپنی حکومت قائم رکھیں، ہندوستان کا مسئلہ حل ہو جائے گا، بلکہ اس سے خود مسلمانوں کے احساسات ذمہ داری قوی ہو جائیں گے اور ان کا جذبہ حب الوطنی بڑھ جائے گا۔ اگر شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو اس امر کا موقع دیا گیا کہ وہ ہندوستان کے جسد سیاسی کے اندر رہ کر اپنے نشوونما ارتقاء میں آزاد قدم اٹھا سکیں تو وہ تمام بیرونی حملوں کے خلاف خواہ وہ حملہ بزور قوت ہو یا بزور خیالات ہندوستان کے بہترین محافظ ثابت ہوں گے۔ پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی ۵۶ فی صدی ہے، لیکن ہندوستان کی پوری فوج میں ہمارا حصہ ۸۴ فی صدی ہے اور اگر عساکر ہند کی کل تعداد میں سے ان ۱۹ ہزار گورکھوں کو جو نیپال کی آزاد ریاست سے بھرتی کئے جاتے ہیں نکال دیا جائے تو مسلمانوں کی تعداد ۶۲ فی صدی ہو جائے گی، حالانکہ اس اندازہ میں وہ چھ ہزار جنگجو شامل نہیں ہیں جو بلوچستان اور صوبہ سرحد سے ہی بھرتی کئے جاتے ہیں۔



اس سے آپ ان تمام صلاحیتوں کا باآسانی اندازہ کر سکیں گے جو شمال مغربی ہندوستان کی مسلم آبادی میں موجود ہیں اور جن کی بدولت وہ تمام ہندوستان کو غیر ملکی چیرہ دستوں سے محفوظ و مامون رکھ سکتی ہیں، رائٹ آنریبل مسٹر سری نو اس شاستری کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا مطالبہ کہ شمال مغربی سرحد کے ساتھ مل کر خود مختار اسلامی ریاستیں قائم کی جائیں، ان کی اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ اگر ضرورت پیش آئے تو حکومت ہند پر زور ڈالا جاسکے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ مسلمانان ہندوستان کے دل میں اس قسم کا کوئی جذبہ موجود نہیں ہے۔ ان کا مدعا صرف اس قدر ہے کہ وہ اپنی ترقی کی راہ میں آزادی کے ساتھ قدم بڑھائیں، لیکن اس مرکزی حکومت کے ماتحت ممکن نہ ہوگا جسے قوم پسند ہندو اور باب سیاست محض اسلئے قائم کرنا چاہتے ہیں کہ دوسری ملتوں پر ہمیشہ کے لیے ان کا غلبہ ہو جائے۔ بہر حال ہندوؤں کے دل میں اس قسم کا خدشہ نہیں ہونا چاہیے کہ آزاد اسلامی ریاستوں کے قیام سے ایک طرح کی مذہبی حکومت قائم ہو جائے گی۔ میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ اسلام میں مذہب کا مفہوم کیا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام کوئی کلیسائی نظام نہیں۔ بلکہ یہ ایک ریاست ہے جس کا اظہار روسو سے بھی کہیں پیشتر ایک ایسے وجود میں ہوا جو عقد اجتماعی کا پابند ہو۔ ریاست اسلامی کا انحصار ایک اخلاقی نصب العین پر ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان شجر و حجر کی طرح کسی خاص زمین سے وابستہ نہیں، بلکہ وہ ایک روحانی ہستی ہے جو ایک اجتماعی ترکیب میں حصہ لیتا ہے اور اس کے ایک زندہ

جزو کی حیثیت سے چند فرائض اور حقوق کا مالک ہے۔ اسلامی ریاست کی نوعیت کا اندازہ ٹائمز آف انڈیا کے اس افتتاحیہ سے کیا جاسکتا ہے جس میں لکھا ہے کہ قدیم ہندوستان میں ریاست کا یہ فرض تھا کہ سود کے متعلق قوانین بنائے، لیکن باوجود اس کے کہ اسلام میں سود لینا حرام ہے، اسلامی حکومت نے شرح سود پر کوئی پابندیاں عائد نہیں کیں۔ میں صرف ہندوستان اور اسلام کے فلاح و بہبود کے خیال سے ایک منظم اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ اس سے ہندوستان کے اندر توازن قوت کی بدولت امن و امان قائم ہو جائیگا۔ اور اسلام کو اس امر کا موقع ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی شہنشاہیت کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب و تمدن شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے۔ اسی سے نہ صرف ان کے صحیح معانی کی تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانہ حال کی روح سے بھی قریب تر ہو جائیں گے۔“

(مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الہ آباد ۱۹۳۰ء سے علامہ

اقبال کا صدارتی خطاب)

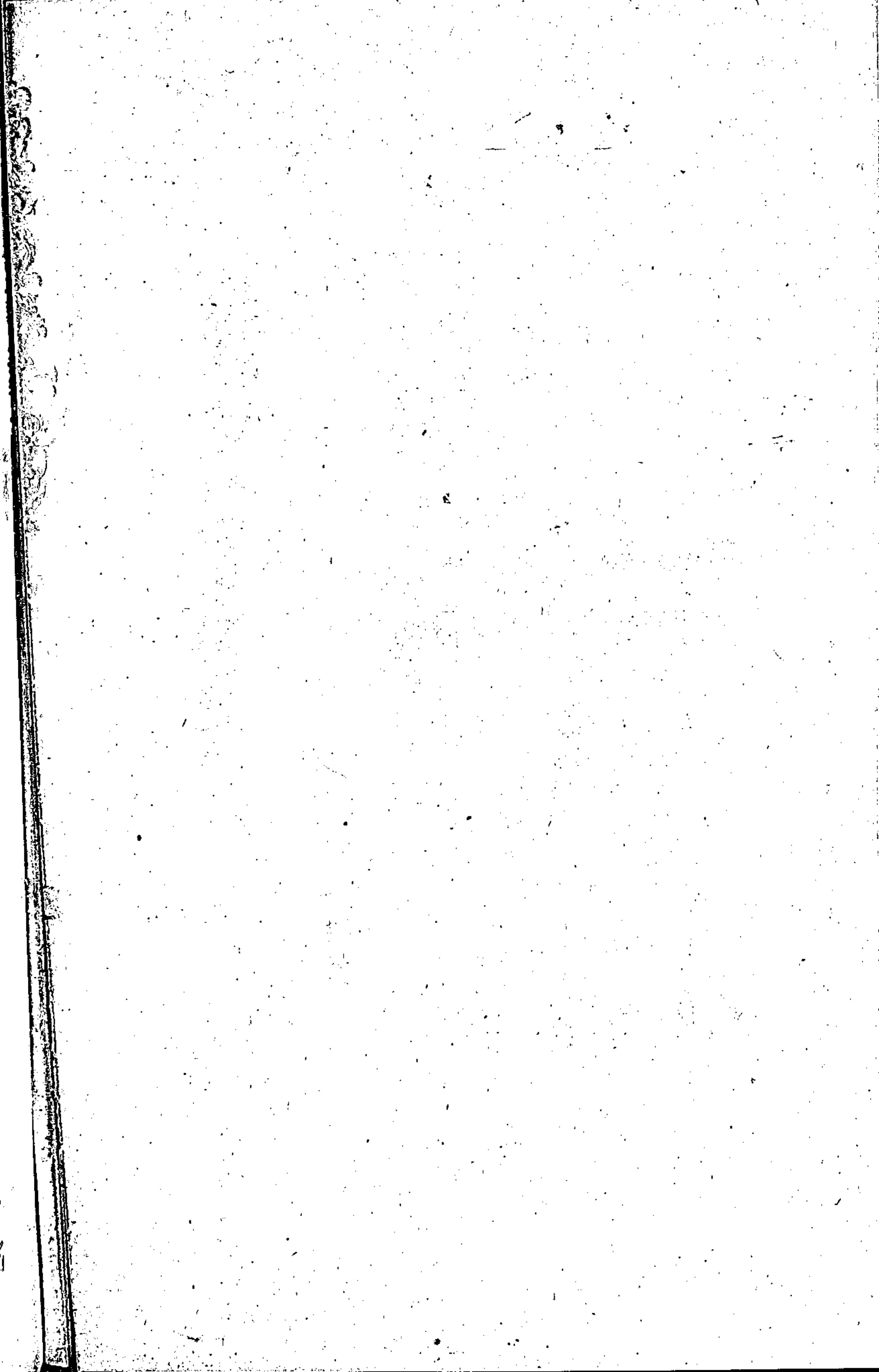
۱۲۔ قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل: ۲۹۲۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی



## باب نهم

كما ارسلنا فيكم رسولا منكم يتلوا عليكم ايتنا ويزكيكم و يعلمكم  
الكتب والحكمة و يعلمكم ما لم تكونوا تعلمون (١٥١:٢)

تعلیمی و تربیتی فکر میں تغیر



دور زوال سے قبل اسلام کی تاریخ میں ایک ہی نظام رائج تھا جس میں مذہبی اور غیر مذہبی دونوں علوم پڑھائے جاتے تھے، تعلیم کے دو شعبے ہیں:

۱۔ مذہبی علوم      ۲۔ غیر مذہبی علوم

### ۱۔ مذہبی علوم (Religious Sciences)

یہ وہ علوم ہیں جن کے ماخذ قرآن و سنت ہیں۔

### ۲۔ غیر مذہبی علوم (Secular Sciences)

وہ علوم جو خالصتاً مذہبی معاملات کے لئے نہیں بلکہ جو دنیوی معاملات کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔

اسلام کی تاریخ میں یہ دونوں علوم یکجا تھے۔ دینی مدارس میں طب، ہیئت، ہندسہ، ریاضی، جیومیٹری، جغرافیہ وغیرہ درس نظامی کا حصہ تھے۔ اس دور میں سات علوم درس نظامی میں پڑھائے جاتے تھے۔ مذہبی علوم میں تفسیر و اصول تفسیر، حدیث، فقہ، اصول حدیث، اصول فقہ، علم الکلام و علوم معانی شامل تھے اور غیر مذہبی علوم میں طب، ہندسہ، ریاضی، جغرافیہ، ہیئت، منطق اور فلکیات شامل تھے۔ ان غیر مذہبی علوم کا کوئی بھی ایسا حصہ نہیں جو تفسیر، حدیث یا فقہ کو سمجھنے میں مدد دیتا ہو مگر یہ ایک ساتھ چلتے تھے اور یہ سارا دینی نصاب کہلاتا تھا کیونکہ اس دور میں علماء کے ذہن میں مذہبی و غیر مذہبی علوم کا جداگانہ تصور کوئی نہ تھا مگر شومی قسمت یہ کہ آج سائنس اور انگریزی تعلیم کو علیحدہ تصور کیا جانے لگا اور انہیں حاصل کرنے والے کو کافر کہا جانے

لگا اور یہ تصور کیا جانے لگا کہ ان علوم کو حاصل کرنے والے کا دینی علوم و دین کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں ہے۔

حالانکہ دور اولیٰ میں فارابی، ابن سینا جیسے لوگ پیدا ہوئے جو بیک وقت بہت بڑے محقق اور سائنسدان بھی تھے ساتھ ہی عظیم عالم دین بھی۔ عالم دین ہوتے ہوئے بھی ان کی سائنس کے علوم میں اتنی زیادہ دسترس تھی کہ آج کی سائنس بھی ان سے مستفیض ہو رہی ہے۔ اس دور کے علماء کے لئے ضروری تھا کہ سائنس کو ساتھ لے کر چلیں۔ اگر وہ مکمل سائنس نہ پڑھتے تو مکمل عالم دین نہ بنتے بلکہ ان سائنسی علوم کے بغیر کوئی عالم دین ہی نہیں کہلاتا تھا۔ آج سے اڑھائی تین سو سال قبل جدید علوم (Modern Sciences) یعنی فزکس، کیمسٹری اور بیالوجی وغیرہ کا دور نہ تھا ان کی جگہ فلسفہ، منطق، طب، فلکیات وغیرہ تھے اور یہ داخل نصاب تھے۔ بعد میں مضامین وسعت پذیر ہونے کی وجہ سے طبیعیات، کیمیا، حیاتیات وغیرہ کے ناموں نے موسوم ہو گئے مگر جدید سائنس و ٹیکنالوجی میں ڈھلتے ہی یہ علوم دینی و مذہبی ذہن کے لئے اجنبی اور دائرہ دین سے خارج ہو گئے۔

### دور زوال اور ہمارا دینی نصاب

دور زوال سے قبل قبل علماء دین نصاب میں وقت کے تقاضوں اور ضروریات کے مطابق تبدیلی کرتے تھے اور اس طرح اس میں ترمیم ہوتی رہتی تھی۔ جس طرح آج کل پرانے نصاب کی نظر ثانی ہوتی ہے۔ اس طرح دینی نصاب بھی بدلتا تھا۔ یہ تبدیلی غیر مذہبی علوم میں ہوتی تھی۔ اصل مذہبی علوم قرآن و حدیث، فقہ وغیرہ میں تبدیلی نہیں ہوتی تھی۔ اس طرح دینی نصاب تقریباً چھ ادوار سے گزرا ساتواں ایڈیشن علامہ نظام الدین سہالوی (۱۶۷۷-۱۷۴۸ء) نے مرتب کیا جو درس

نظامی کے طور پر مشہور ہوا۔ جب دور غلامی آیا تو ان کے ذہن جمود کے شکار ہو گئے اور انہوں نے درس نظامی کو ہی آخری ایڈیشن قرار دیا یہاں علوم کی تدریس کا ارتقاء رک گیا۔ ذہنوں کے مفلوج ہونے سے دینی نصاب بھی مفلوج ہو گیا اور اسے دور کے بدلتے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے کبھی بھی ریویو نہ کیا جاسکا اور غلامی کے جو اثرات دینی نصاب پر پڑے انہیں مسلمانوں نے قبول کر لیا۔ آج سے صدیوں پہلے کے داخل نصاب علوم کو جسے سینکڑوں سال گزر چکے ہیں علماء آج بھی انہیں رائج کرنا چاہتے ہیں حالانکہ تقاضائے وقت ہے کہ آج کے سائنسی علوم کو داخل نصاب کیا جائے اور اس کے ذریعے ذہن کی تربیت کر کے اسے اس قابل بنایا جائے کہ وہ دور نو کی ضروریات کے مطابق قرآن و حدیث کی توضیح کر سکیں۔

علماء نے نہ اس طرف غور کیا اور نہ ہی اس امر کی طرف توجہ کی کہ ان کے درس نظامی کے نصاب میں غیر متعلق مواد کی بھرمار ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ وقت و توانائی کے ضیاع کے علاوہ اس سے کچھ حاصل نہیں ہے ان کے اس رویہ کی وجہ سے نصاب تعلیم الگ الگ ہو گئے اور دینی تعلیم کا ارتقاء رک گیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ پہلی تفسیروں کو سمجھنے کے لئے پہلی اصطلاحات کا جاننا ضروری ہے تو آج کی سائنس و علمی ترقی نے تو سابقہ تفسیری تصورات کی اہمیت کو کم یا ختم کر دیا ہے۔ آج کے دور کا تو تقاضا یہ ہے کہ دور نو کی علمی ترقی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اصل بنیادوں اور اصولوں کے مطابق از سر نو زمانے کے تقاضوں کے مطابق فن تفسیر کو مرتب کیا جائے۔<sup>۲</sup>

### فن تفسیر کی تعبیر نو کی ضرورت

قرآن کی توضیح اور فن تفسیر کو از سر نو دور جدید کی ضروریات کے مطابق مرتب کرنے میں ضرورت کا ایک پہلو یہ ہے کہ دور عروج میں جو بنیادی علوم پڑھائے

جاتے ہیں وہ قرآن حدیث اور فقہ تھے۔ ہوتے ہوتے قرآن کی جگہ صرف قرآن کی تفسیری علوم نے لے لی، تفسیر اور خود نصن قرآنی کے موضوعات بحث بالکل جدا جدا ہیں۔ تفسیر اس امر سے بحث کرتی ہے کہ قرآنی علوم کیا ہیں ان کی توضیحات کس طرح ممکن ہیں جبکہ قرآن حکیم علم سے نہیں بلکہ براہ راست عمل سے بحث کرتا ہے معاشرے میں تبدیلی کے امکانات ہی معدوم ہو گئے آج اس امر کی ضرورت ہے کہ بدلے ہوئے حالات کے مطابق اپنے تقاضوں اور ضروریات کی کفالت کے لئے قرآن سے سوالات کئے جائیں پھر ان کے جو جوابات قرآن حکیم سے میسر آئیں ان کا نام تفسیر رکھا جائے یعنی اگر معاشرے میں معاشی ناہمواری ہے تو اس کا خاتمہ کیسے کیا جائے کہ گردش دولت کا نظام کس طرح حاصل ہو؟ سیاسی وحدت کس طرح قائم ہو؟ سیاسی کشمکش حاکم و محکوم کے درمیان کس طرح ختم کی جائے؟ ملک میں سیاسی وحدت کس طرح ہو؟ معاشرے میں تہذیب و ثقافت کی اقدار کیا ہیں؟ ان سے متعلق جو بھی سوالات ہیں وہ قرآن سے پوچھے جائیں۔ قرآن حکیم سے جو جوابات میسر آئیں ان پر مشتمل علم تفسیر مرتب کیا جائے۔

مثلاً ایک ایسا وقت تھا جب فلسفے کا دور دورہ تھا، یونانی فلسفہ، قدیم فلسفہ کے ان اثرات کی وجہ سے عقائد متاثر ہو رہے تھے۔ شکوک و شبہات پیدا ہو رہے تھے۔ امام رازی نے جب یہ سوال قرآن حکیم کے سامنے پیش کیا تو قرآن نے جواب دیا اس سے قرآن حکیم کی تفسیر تیار ہو گئی وہ اس دور کے فلسفے کا رد تھی۔ اس کے بعد جو بھی دور آیا اس کا جواب دے کر قرآن کی تفسیر مکمل ہوئی۔ ۳

دینی اداروں کے نصاب تعلیم کے علاوہ مروجہ دوسرے تعلیمی اداروں کا نصاب تعلیم بھی ہمارے قومی و ملی تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے سے قاصر ہے کیونکہ



مروجہ نظام تعلیم قوم کو ذہنی غلامی میں مبتلا رکھنے کے لئے استعماری و سامراجی حکمرانوں نے وضع کیا تھا۔ آج جو لوگ اس سانچے میں ڈھل کر نکل رہے ہیں وہ اپنی فلاح اور مستقبل کی بہتری کو غیر ملکی سازگاری میں دیکھ رہے ہیں۔ ان سے کس طرح توفیٰ کی جاسکتی ہے کہ وہ احیائے اسلام کے لئے اغیار سے ٹکر لیں گے۔ دینی نظام تعلیم لادینیت کے زیر اثر ہے ان کے نصابات یقین انگیزی کی صفت سے محروم ہیں اور لادینی معاشرے میں رسول و اوہام سے اپنی قلعی کردہ وجود کو برقرار رکھنے کی جہد لاحاصل میں مصروف ہیں ان سے ملی وجود میں نفع روح تازہ کی توقع خیال محال ہے۔

قرون اولیٰ میں علم بالوحی کے ساتھ عملی ربط نے اہل حق کو ایمان و یقین کی دولت سے سرفراز کر رکھا تھا مگر دور جدید کی علمی فتوحات کے ساتھ ساتھ جب امت مسلمہ علم بالوحی میں اپنی درک کے ارتقاء کو ہم پلہ نہ رکھ سکی تو لاشعوری طور پر علمی احساس محرومی پیدا ہوا اور گو امت مسلمہ دور جدید کی علمی ترقی، جس کی بنیاد بھی اسی امت مرحومہ نے رکھی تھی، کے ہم پلہ نہ تھی مگر وہ قرآنی علم بالوحی کے ورثے کی امین تھی مگر اس عظیم ورثہ کی اہمیت سے صرف نظر کرنے کے باعث اس کا کردار تطبیق تک محدود ہو کر رہ گیا یوں شاہ ولی اللہ، سر سید احمد خان اور علامہ محمد اقبال کی فکری کاوشوں سمیت ہمارے تحقیقی و علمی سفر پر تطبیق کا رنگ غالب نظر آنے لگا۔

## کتاب و سنت اور اخلاقی فضائل

اسلام میں عمرانیات اور ثقافت کی اساس دین کا ہمہ گیر تصور ہے جو کہ کتاب و سنت پر مشتمل ہے۔ تمام اعلیٰ اخلاقی فضائل کے حصول کا راستہ علم اور ایمان ہے یعنی علم اخلاقی فضائل عطا کرے گا جو کہ عمرانیات اور ثقافت کی رو جاریہ (Current Trend) کی سمت کا تعین کرے گا اور ایمان اس آگہی کو عمل میں ڈھالنے کے لئے

داعیہ کا کام کرنے گا جب نظام تعلیم کو خالصتاً لادینی بنیادوں پر استوار کر کے کتاب و سنت سے آزاد کر دیا گیا تو معاشرہ میں اسلامی تہذیب و ثقافت کے مطلوبہ معیاری فضائل کے پیدا ہونے کا باب ہی ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔

جدید سائنسی ترقی نے سائنس کو آج کے جدید انسان کے لئے دین کا درجہ دے دیا ہے اس سلسلہ میں وہ اتنا متشدد اور متعصب واقع ہوا ہے کہ سائنس کے نام پر وہ بعض ایسے حقائق کا بھی انکار کرنے سے نہیں چوکتا جو سائنس کے دائرہ کار میں نہیں آتے اس اندھی روشن کا نتیجہ انسانیت کو دور حاضر کی تیز رفتار مسابقت کی شکل میں ملا ہے جس میں ہر فرد علم کو (چاہے وہ کسی بھی شعبہ حیات سے متعلق ہو) دوسرے فرد/افراد کے استحصال کے بل بوتے پر اپنی ہی افزائش کے لئے استعمال کرنا اپنا حق سمجھتا ہے اس کا حل صرف اسلام ہی دے سکتا ہے جس نے فرد اور معاشرے کے حقوق و فرائض کو باہم مربوط کر دیا ہے۔

مغرب کی علمی و سائنسی فتوحات سے آج کا مسلم ذہن مرعوب ہو کر رہ گیا ہے حالانکہ اس نے مغرب کو اس بلندی و عروج کی ٹھوس بنیاد فراہم کی، مسلم فکر نے نہ صرف مستقبل کی علمی و فکری ترقی کی بنیاد کو استوار کیا بلکہ اپنے سے پہلے ماضی کے افکار (یونانی) کی تطہیر بھی کی اور اسے اپنے خلاق فاعلانہ عمل سے (نہ کہ انفعالی رد عمل سے) اگلی نسلوں کو منتقل کیا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اگر کسی قوم کو فکر مغلوب ہو جائے تو وہ قوم کبھی بھی دوبارہ زندہ نہ ہو سکے گی مگر غالب فکر مغلوب قوموں کو پھر سے غالب کر دیتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ چنگیز خان اور ہلاکو خان جنہوں نے مسلمانوں کو تاریخ کیا تھا مسلم نظام فکر کی برتری کی بدولت مسلمانوں کو تباہ کرنے والے کردار کے باوجود ان کے پاس بان بن گئے۔

## تعلیمی تغیر کا تدارک

آج مسلم ذہن مغربی فکر سے مرعوب ہے اس مرعوبیت اور مغلوبیت کا تدارک کرنے کی ضرورت ہے چاہے اس کی اساس مغرب کی فکری برتری ہے یا اس کا سیاسی تفوق بہر طور مسلم ذہن کا اپنی فکر پر اعتماد بحال کرنا ضروری ہے جو اس کی حیات نو کے لئے اساس زندہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ مغرب سے اس فکری مرعوبیت و مغلوبیت کے تدارک کی سبیل دو نوعیت کی ہو سکتی ہے۔

- ۱۔ علمی و فکری سطح پر مغرب کے افکار و نظام کے کھوکھلا پن کو آشکار کیا جائے۔
- ۲۔ عملی سطح پر ایسا نظام تعلیم متعارف کروایا جائے جو نسل نو کے لئے تشکیل کردار کا کام کرے۔

تاہم یہ کام اس وقت تک ممکن نہیں جب تک قوم کے اندر اس کام کو کما حقہ سمجھنے والا ذہن پیدا نہیں کر لیا جاتا کیونکہ موجودہ نظام تعلیم سے نکلنے والا نوکر شاہی کا وہ طبقہ جو کہ جمود (Status Quo) کا قائل ہے اور اس حالت مستمرہ میں اس کی بقاء ہے کبھی بھی اس طرح کے نظام تعلیم کو اس کی اصل روح کے ساتھ رائج ہوتا نہیں دیکھ سکے گا۔

## ترہتی فکر میں تغیر

زندگی کے جملہ شعبوں کے تغیرات کے زیر اثر آجانے سے اسلامی معاشرہ اخلاقی قدروں کے فقدان کا شکار ہو گیا کیونکہ جس معاشرے میں زندگی کا ہر تقاضہ اخلاقی حدود کی خلاف ورزی سے پورا ہو رہا ہو جہاں بدی کے ہاتھوں نیکیاں پامال ہو رہی ہوں وہاں اخلاقی قدریں کیونکر برقرار رکھی جاسکتی ہیں جب رضا الہی کے حصول کو نصب العین بنا کر جدوجہد کی جائے گی تو زندگی میں نظم و ضبط بھی آئے گا مگر جہاں

رضائے الہی کا تصور ہی زندگی کے تقاضوں کی موت کا مصداق نظر آئے وہاں نظم و ضبط شرعی تو کجا ایمان باللہ بھی متزلزل ہو جائے گا حالانکہ ذات باللہ پر ایمان کی عملی توثیق تب ہی میسر آسکتی ہے جب

۱۔ ایمان باللہ جبلی داعیات پر غالب ہو۔

۲۔ طبعی خواہشات پر یہ تاریخی تجربہ غالب ہو کہ کامیابی ضبط و انقیاد سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

۳۔ نفسیاتی تقاضوں پر یہ شعور غالب ہو کہ یہ کامیابی کے لئے اعلیٰ اخلاقی فضائل و اقدار کا حامل ہونا ضروری ہے۔

مگر جس معاشرے میں غلبہ ہی لادینیت کا ہے وہاں مذکورہ بالا عملی توثیق (Practical Verification) کے حامل ہونے کی خواہش کسے ہوگی نتیجہ یہ نکلا کہ افراد معاشرہ نے زندگی میں عزیمت کے بجائے رخصت کو اختیار کر لیا۔

افراد معاشرہ کے مصلحت کو شانہ اور رخصت پر مبنی طرز عمل کی اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ قضیہ اخلاق کی ایسی تعریف متعین کی جائے جو فطرت انسانی کے بالقوة محتویات کو نشوونما دے کر انہیں ایسی زندہ طاقت بنائے کہ فطرت بالفعل یعنی جبلی داعیات، طبعی خواہشات اور نفسیاتی تقاضوں کو منضبط اور منقاد بنایا جائے اس کے تحت اخلاق کا معیار اس کا مقصود نہیں بلکہ علم بیالوجی کے تحت ہونے والا حکم ہوگا کیونکہ مقصود کو معیار قرار دینے سے مصلحت کو شی نیکی بن جائے گی جبکہ حکم کو معیار قرار دینے سے بجا آوری نیکی اور حکم سے انحراف بدی ہوگا ارشاد ربانی ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ      اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝  
 کے مطابق فیصلہ (و حکومت) نہ  
 کرے سو وہی لوگ کافر ہیں۔ (۲۴:۵)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ  
 اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم  
 کے مطابق فیصلہ (و حکومت) نہ  
 کرے سو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (۲۵:۵)

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ  
 اور جو شخص اللہ کے نازل کردہ حکم  
 کے مطابق فیصلہ (و حکومت) نہ  
 کرے سو وہی لوگ فاسق ہیں۔ (۲۷:۵)

افراد معاشرہ کے غلط روی کے میلان پر قابو پانے کا عمل تزکیہ سے عبارت ہے جو تصوف کا بنیادی مسئلہ ہے۔ مگر دور زوال میں تزکیہ کی اصطلاح بھی اپنی معنوی افادیت کھو بیٹھی ہے۔ غلط روی اور انحراف کے میلان پر قابو پانے کے لئے تزکیہ ایک عنصر لاینفک ہے جہاں تزکیہ اعلیٰ فضائل اخلاق کے حصول کا ذریعہ اور موثر تربیتی منہاج ہے وہاں تزکیہ سے ہی عقیدہ و عمل میں حائل تضاد دور ہو سکتا ہے کیونکہ تزکیہ ہی بندہ اور خدا کے درمیان حائل بعد کے پردے کو چاک کر کے بندے کے عزم عمل کو بیدار اور تازہ دم کرتا ہے اور انجام کار اسے قد افلح من تزکی کے تحت اس کی قربت جو کہ حقیقی فلاح ہے سے بہرہ ور کرتا ہے تزکیہ کی تین شرائط ہیں:

۱۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے مقصود کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دینا۔  
 ۲۔ اس مقصود کے حصول اور دوسروں کے معاشی تعطل کو رفع کرنے کی خاطر انفاق فی سبیل اللہ۔

۳۔ عملاً مذکورہ بالا دونوں شرائط کو اختیار کرنے کے لئے فطرت بالقوة کو فطرت

بالفعل پر غالب کرنے کے لئے نفس کی تربیت۔

افراد معاشرہ میں جبلی داعیات، طبعی خواہشات اور نفسانی تقاضوں پر اخلاقی ضبط و انقیاد کو غالب کرنے کے لئے ان کی فطرت کو سمجھنا ضروری ہے۔ قرآن حکیم کی روشنی میں فطرت اللہ التي فطر الناس علیہا (روم: ۳۰) کے تحت فطرت کے دو پہلو ہیں: ۱۔

۱۔ فطرت بالقوة (Nature in Potential)

۲۔ فطرت بالفعل (Nature in Action)

فطرت بالقوة

اس سے مراد وہ فطری صلاحیتیں ہیں جو ہر انسان کے اندر خلقی طور پر مضمحل ہوتی ہیں خواہ وہ جہاں بھی اور جس ماحول میں پیدا ہو۔

فطرت بالفعل

اس سے مراد وہ طبعی و نفسانی داعیات ہیں جن کا ظہور ہر انسان کی زندگی میں بالفعل ہوتا ہے فطرت بالقوة چار امور کی جامع ہے:

۱۔ اقرار الوہیت

انسان پیدائشی طور پر اس خالق کائنات کی الوہیت و ربوبیت کے اقرار کی طرف راغب ہوتا ہے اس کی بنیاد عالم ارواح کا وہ معاہدہ الست ہے جس میں تمام انسانوں نے اس کی ربوبیت کو تسلیم کیا۔ عالم ارواح میں باری تعالیٰ نے ہر روح سے سوال کیا۔ قال الست بربکم قالوا بلی (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے کہا ہاں تو ہمارا رب ہے۔) اس اقرار کا اثر شروع ہی سے ہر بچہ اپنے اندر لے کر پیدا ہوتا ہے۔

## ۲۔ فجور و تقویٰ کا امتیاز

ہر شخص کی خلقی فطرت میں اچھائی اور برائی اور خیر و شر کے درمیان فرق کرنے کا داعیہ موجود ہوتا ہے جن معاشرتی تصورات و معتقدات میں اس کی پرورش ہوتی ہے اس کو مختلف معایرات امتیاز مہیا کرتے ہیں لیکن بنیادی داعیہ بہر صورت موجود رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ بعض ناقابل تغیر اخلاقی اقدار کو انسان تاریخ کے ہر دور میں برابر تسلیم کرتا چلا آیا ہے۔ قرآن حکیم میں اس امر کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا:

فَالْهَمَّهَا فَجُورَهَا وَتَقْوَاهَا  
(۸:۹۱)  
پھر اس کو اپنی بدکاری (سے بچنے) اور  
پرہیزگاری (اختیار کرنے) کی سمجھ  
عطا کی۔

ایک اور مقام پر ارشاد ایزدی ہے:

وَ هَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ  
(۱۰:۹۰)  
اور ہم نے تو اسے دونوں راہیں  
دکھادیں۔

## ۳۔ بصیرت نفس

ارشاد ربانی ہے:

بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ  
(۱۳:۴۵)  
بلکہ انسان خود بھی اپنی حالت پر مطلع  
ہوگا (اپنے افعال و اعمال سے خود ہی  
خوب آگاہ ہو جائے گا لیکن بہانے  
تراشنے سے باز نہ آئے گا)۔

خیر و شر کے امتیاز کے باعث انسان اپنی ذات کا خود محتسب بھی ہے اس کی

نظر اپنے نفع و نقصان پر ہوتی ہے اس لئے اسے اپنے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے۔

انَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ (آج تو تم وہی بدلہ پاؤ گے جو تم کیا

کرتے تھے۔ (۷:۲۶)

دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے:

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ

اور جس جان نے جو کچھ بھی (اعمال میں سے) کمایا ہوگا اسے اس کا پورا پورا

بدلہ دیا جائیگا

ان آیات سے انسان کے اپنے اعمال کے کسب و کار تکاب میں صاحب ارادہ و

اختیار ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے۔

۳۔ امانت کی ذمہ داری کا احساس

انسان کو منصب فاعل اخلاق کی جس امانت سے نوازا گیا ہے اس کی ذمہ داری

کا احساس بھی انسان کے اندر خلقی طور پر موجود ہوتا ہے اس لئے فی الواقعہ انسان خود کو

کبھی بھی اپنے افعال کے نتائج سے بری الذمہ قرار نہیں دے سکتا اور جو لوگ دنیوی

زندگی میں مجبوری کے فلسفوں (Determinism) کا سہارا لے کر خود کو ذمہ داری

سے بری قرار دیتے ہیں اگر ان کے دل و دماغ کا تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت ظاہر ہوگی

کہ انہیں خود ساختہ فریب ہائے نظر کا احساس ہوتا ہے اور یہ سب کاوشیں محض اپنے

جرائم پر پردہ پوشی کے لئے کی جاتی ہیں۔

مذکورہ بالا چاروں احساسات ہر انسان کے اندر خلقاً موجود ہیں اور انہی کے

مجموعے کا نام فطرة بالقوة ہے جسے فطرت سلیمہ یا فطرت اسلام بھی کہتے ہیں اسی کی

طرف حدیث رسول مقبول ﷺ میں یہ واضح اشارہ ملتا ہے۔



کوئی بچہ ایسا نہیں جو اس صحیح فطرت پر  
پیدائہ کیا گیا ہو پس اس کے والدین  
اسے یہودی نصرانی یا مجوسی بنا دیتے  
ہیں یعنی راہ حق سے بھٹکا دیتے ہیں۔

اور اسی فطرت اللہ کو قرآن الدین القیم کے نام سے تعبیر کرتا ہے، فطرت  
انسانی کا دوسرا پہلو جسے فطرت بالفعل کہتے ہیں کا ذکر سورۃ آل عمران میں اس طرح آیا  
ہے:

لوگوں کے لئے ان خواہشات کی محبت  
(خوب) آراستہ کر دی گئی ہے (جن  
میں) عورتیں اور اولاد اور سونے  
چاندی کے جمع کئے ہوئے خزانے اور  
نشان کئے ہوئے خوبصورت گھوڑے  
اور مویشی اور کھیتی (شامل ہیں)، یہ  
(سب) دنیوی زندگی کا سامان ہے

زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ  
النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ  
الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ  
وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ  
وَالْحَرثِ  
(۱۲:۳)

یعنی لوگوں کے دلوں میں عورتوں، بچوں، سونا چاندی، مال و دولت، طاقت  
اور جاہ و منصب کی چاہت اور محبت رکھی گئی ہے جس سے کسی کو کوئی مضر نہیں۔ یہ  
داعیات نفس ہیں جو جبلی طور پر تمام انسانوں میں موجود ہیں اگر فطرت بالفعل کے یہ  
داعیات بغیر کسی پابندی حدود کے جس سمت میں چاہیں بڑھتے رہیں تو انسانی شخصیت  
اختلال کا شکار ہو جاتی ہے اور یہی میلانات بالآخر ایک منفی شخصیت کو جنم دیتے ہیں۔

فطرة بالقوة کے رجحانات کا غلبہ و اثر بالعموم انسان کے لاشعور پر ہوتا ہے

جس کی وجہ سے انسانی لاشعور ہر وقت نیکی کی طرف متوجہ اور بدی سے گریزاں ہوتا ہے جبکہ فطرۃ بالفعل کے داعیات کا نفوذ شعور کی سطح پر ہوتا ہے جہاں اخلاقی حکم سے انحراف کا میلان جنم لیتا ہے۔ اگر ان میں باہم تضاد و تناقض ہے تو شخصیت مختل ہو جاتی ہے اور اگر یہ باہم سازگار ہو جائیں تو شخصیت اختلال و افتراق سے محفوظ ہو جاتی ہے لیکن یہ سازگاری دو طرح سے ممکن ہے یا تو شعور کے تقاضوں کو لاشعور کے تابع کر دیا جائے یا لاشعور کے تقاضوں کو شعور کے تابع کر دیا جائے یہ کام دونوں میں سے کسی ایک کو فروغ دینے ہی سے ممکن ہو گا۔ اگر شعور کے نفسیاتی تقاضے لاشعور پر غالب آ جائیں تو شخصیت صحیح پیرائے میں ڈھل جاتی ہے لیکن اس کے لئے انسان کی فطرت بالقوۃ کو فروغ دینا ضروری ہے۔

چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنی پیغمبرانہ تربیت سے انسان کی فطرت بالقوۃ کے خلفی میلانات کو فروغ دے کر اس کی فطرت بالفعل کے طبعی میلانات کو ان کے تحت منضبط کر دیتے ہیں۔ اگر فطرت بالفعل یعنی انسان کے نفسانی داعیات اس کی فطرۃ بالقوۃ یعنی خلقی میلانات کے تحت منظم ہو جائیں تو شخصیت صالح اور مزکی ہو جاتی ہے اسی کو تزکیہ نفس کہتے ہیں۔ جس کے بارے میں قرآن کریم یوں گویا ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ  
مَنْ دَسَّاهَا ۝

یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے (اپنے)

اس (نفس یعنی روح) کو پاک کر لیا

(سنوار لیا)۔ اور نامراد ہوا جس نے

اس (روح عطیہ الہی) کو خاک میں

(۹۱: ۱۰)

ملا دیا۔

يَتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰیٰتِنَا وَ يَزَكِّيْكُمْ وَ  
 يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ  
 يُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا  
 تَعْلَمُوْنَ ۝

(اپنا) رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں  
 تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفساً و  
 قلباً) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں  
 کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و  
 دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرار  
 معرفت و حقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ  
 جانتے تھے۔

(۱۵۱:۲)

چنانچہ جب فطرت بالقوة کے اخلاقی تقاضے انسان کے اندر زندہ قوت بن کر  
 فعال اور متحرک ہو جاتے ہیں تو اخلاقی فضائل کو انسانی شخصیت کے اندر دوام نصیب  
 ہو جاتا ہے۔ اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے اپنے مقصد بعثت کے حوالے سے ان الفاظ  
 میں فرمایا ہے:

بعثت لا تمم مكارم الاخلاق  
 میں مكارم اخلاق کی تکمیل کے لئے  
 مبعوث کیا گیا ہوں۔

اسلامی معاشرہ میں افراد معاشرہ کی تربیت کے ایسے منہاج کی ضرورت ہے  
 جو فطرت بالقوة کے مشمولات کو فطرت بالفعل پر غالب کر دے اور فطرت بالقوة کے  
 داعیات کا اثر معاشرے میں انفرادی و اجتماعی سطح پر جاری و ساری نظر آئے۔ ۲۷

فطرت بالقوة کی نشوونما

فطرت بالقوة تعلق باللہ کی مضبوط سے نشوونما پاتی ہے اور تعلق باللہ احکام  
 الہیہ پر عمل پیرا ہونے سے مضبوط ہوتا ہے۔ انسان کی فطرت بالفعل اپنے چاروں  
 تقاضوں کی بے قید تکمیل چاہتی ہے جبکہ احکام الہیہ (اوامر و نواہی) اس بے قید تکمیل

کی خواہش پر حد بندی قائم کرتے ہیں۔ اس سے انسان میں فرض اور خواہش کا تضاد پیدا ہوتا ہے۔ فرض حکم الہی کی تعمیل کا تقاضا کرتا ہے اور خواہش (فطرت بالفعل) ادائیگی فرض کے راستے میں مزاحم ہوتی ہے چنانچہ فطرت بالقوة حرکت میں آکر احساس فرض کو اجاگر کرتی ہے تاکہ تعمیل حکم میں کوتاہی نہ ہونے پائے اس طرح فرض اور خواہش کی مسلسل کشمکش سے فطرت بالقوة حرکت پذیر رہتی ہے اور انسان جتنا زیادہ احکام الہیہ پر کار بند رہتا ہے اسی قدر فطرت بالقوة نشوونما پا کر مضبوط ہوتی جاتی ہے اور شعوری سطح پر آجاتی ہے۔

فطرت بالقوة کی نشوونما کو تین اہم مراحل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جن کی اپنی جداگانہ کیفیات ہیں۔ ان مراحل کے نام قرآنی اصطلاحات کے مطابق نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ ہیں۔

نفس امارہ (پہلا مرحلہ)

اس مرحلہ میں فطرت بالقوة کا عدم اور فطرت بالفعل غالب ہوتی ہے لہذا انسان خواہشات کی بے قید تکمیل چاہتا ہے۔ نفس امارہ کی کیفیت یہ ہے کہ یہ انسان کو برائی (حکم الہی کی عدم تعمیل) پر برا بیچتے کرتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ  
بے شک نفس تو برائی کا بہت ہی حکم دینے والا ہے (۵۳:۱۲)

نفس لوامہ (دوسرا مرحلہ)

اس مرحلہ میں فطرت بالفعل اور فطرت بالقوة مساوی القوت ہوتی ہیں لہذا عزم کی کمی بیشی کے نتیجہ میں کبھی فطرت بالفعل غالب آجاتی ہے اور کبھی فطرت بالقوة نفس لوامہ کی کیفیت یہ ہے کہ اگر کبھی فطرت بالفعل کے غلبہ سے انسان بدی کا

مر تکب ہوتا ہے تو فطرت بالقوة میں موجود نیکی (حکم الہی کی تعمیل) کا شعور اسے ملامت کرتا ہے، قرآن پاک میں ہے:

وَلَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝  
(۲:۷۵)

اور میں قسم کھاتا ہوں اس نفس کی جو برائی پر ملامت کرے (کہ موت کے بعد زندہ کیا جانا ایک امر واقعی ہے)۔

نفس مطمئنہ (تیسرا مرحلہ)

اس مرحلہ میں فطرۃ بالقوة غالب آکر فطرت بالفعل کو اپنا مطیع کر لیتی ہے جس سے فطرت بالفعل کے تقاضے منظم و منضبط ہو جاتے ہیں اور انسان احکام الہیہ کی قائم کردہ حد سے تجاوز نہیں کرتا۔ نفس مطمئنہ کی کیفیت یہ ہے کہ انسان نیکی سے اطمینان پاتا ہے اور برائی سے نفرت کرتا ہے اس حالت میں انسان اپنے رب سے اور اس کا رب اس سے راضی ہوتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝  
ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً  
مَرْضِيَّةً ۝  
اے (وہ شخص، وہ جان، وہ روح) وہ  
نفس جس نے اطمینان حاصل کر لیا۔  
تو اپنے رب کی طرف واپس چل اس  
طرح کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے  
راضی۔

(۸۹:۲۷-۲۸)

نفس امارہ سے نفس مطمئنہ تک پہنچنے کا سارا دور، دور ابتلاء ہے جس سے گزرتے ہوئے انسان کو بے شمار مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا ہے اگر رضائے الہی کی طلب صادق ہو تو انسان تمام کٹھن مراحل سے صبر و استقامت کے ساتھ گزرتا ہے تا آنکہ وہ منزل مراد کو پا لیتا ہے، جہاں ندائے ربانی ان الفاظ کے ساتھ اس کا استقبال

کرتی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝  
ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكَ رَاضِيَةً  
مَرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝  
وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝

(۸۹: ۲۷-۳۰)

اے (وہ شخص، وہ جان، وہ روح) وہ  
نفس جس نے اطمینان حاصل کر لیا۔  
تو اپنے رب کی طرف واپس چل اس  
طرح کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے  
راضی۔ پھر تو میرے (برگزیدہ)  
بندوں میں شامل ہو جا۔ اور میری  
بہشت (نعیم) میں داخل ہو جا (تو نے  
اللہ سے لو لگائی آج سے تو اس کا  
مہمان ہے)۔

آج کے بدلے دور کے تقاضوں کے تحت صرف قرآن تعلیمی و تربیتی  
منہاج ہی ہمیں زوال کی اتھاہ گہرائیوں سے اٹھا کر اس منصب جلیلہ پر فائز کر سکتا ہے کہ  
ہم ایک طرف اپنے ملی و قومی وجود کو حیات تازہ عطا کریں تو دوسری طرف اغیار کے  
تعلیمی و تربیتی فکر کے سراہی محلات کو مسمار کر دیں:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان  
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار  
(اقبال)



## حواشی

(باب نہم)

۱۔ بچپن میں جب قائد محترم نے جھنگ میں غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی کے سامنے تقریر کی تو جھنگ عید گاہ کے خطیب جو ان کے شاگرد تھے حضرت غزالی زماں سے کہنے لگے۔ کہ اس بچے کو دینی تعلیم دینے کی کیا ضرورت ہے یہ تو انگریزی سکول میں پڑھتا ہے مگر غزالی زماں نے فرمایا آج کی دور میں اس کی بھی ضرورت ہے کہ دینی علوم پڑھنے والے علوم جدیدہ سے بھی بہرہ ور ہوں۔ قائد محترم کی دونوں علوم میں دسترس حاصل کرنے کی برکت آج ظاہر و باہر ہے۔ اگر یہی رجحان من حیث المجموع اختیار کیا گیا ہوتا تو آج ہمارے معاشرے میں دینی حلقوں کی پذیرائی کا کیا عالم ہوتا!

۲۔ اسکی ضرورت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے زمین کے ساکن ہونے پر ایک کتاب تصنیف کی جو ایک صدی قبل کی تصنیف ہے۔ علماء آج بھی اسے اعلیٰ حضرت کا علم تفوق بیان کرنے کے لیے 'ثبوت کے طور پر پیش کر رہے ہیں جبکہ سائنس حد سموات کی طرف رواں دواں ہے۔ اس طرح کے رویے مضحکہ خیزی پیدا کرنے کے علاوہ کیا ثمر دے سکتے ہیں۔

۳۔ مختلف ادوار میں اس دور کی ضروریات کے مطابق تفاسیر لکھی گئیں۔

تفاسیر بالماثور۔ مثلاً: تفسیر ابن کثیر، الجوہر القرآن

عبدالرحمان ثعالبی۔ الدر المنثور۔ امام سیوطی وغیرہ۔

تفاسیر بالرئی الحمود۔ مفتح الغیب امام رازی۔ انوار التنزیل۔ امام بیضاوی وغیرہ

تفاسیر صوفیہ: حقائق التفسیر: عبدالرحمان سلمی، رائس البیان: ابو محمد روز بہان

التاویلات النجمیہ: نجم الدین وایہ۔ تفسیر ابن عربی وغیرہ

تفاسیر فقہا: احکام القرآن: الجصاص، الجامع الاحکام القرآن قرطبی وغیرہ۔

جدید تفاسیر: الجواہر طنطاوی جوہری۔ تفسیر مفتی محمد عبدہ۔ تفسیر علامہ رشید رضا وغیرہ۔

اس طرح آج کے دور کے تقاضوں کو مد نظر رکھ کر تفسیر قرآن لکھنے کی ضرورت ہے جو آج کے چیلنجوں کا جواب ثابت ہو۔

تفصیل کے لیے ”پاکستانی معاشرہ اور بیداری شعور کی ضرورت“ از بیداری شعور اور انقلاب: طاہر حمید تنولی۔

تطبیق محض کا نقصان یہ ہوا کہ وہ حقیقی تحقیق جس سے قرآن اور قرآنیات کے معنی پہلو سامنے آنے تھے اسکے امکانات معدوم ہو گئے۔ کیونکہ تمام تر توانائیاں خود کو معاصرین اغیار کے ہم پلہ یا ان سے آگے ثابت کرنے میں صرف ہوتی رہیں۔

فکری تفوق کے حصول کے لیے قرآنیات اور غیر قرآنیات کے فرق کو واضح کرنا ہوگا تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔



دینی ولادینی علوم کے اصلاح طلب پہلو۔

علم توجیہی یا تخلیقی۔ از ڈاکٹر محمد طاہر القادری۔

۶۔ یہ تصور کلیتہً قارونیت کے تصور پر مشتمل ہے۔ قرآن حکیم گواہ ہے۔ کہ قارون نے بھی اپنی دولت کو افزائش معاشرہ پر خرچ سے روکنے کے لیے یہی دلیل دی تھی کہ۔

قال انما اوتيته على علم عندى. اولم يعلم ان الله قد اهلك من قبله من القرون من هوا شدمنه قوة و اكثر جمعا. ولا يسئل عن ذنوبهم المجرمون. (۷۸:۲۸)

۷۔ قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل۔ ۲۰۵۱ء۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی موجودہ نظام تعلیم کے پس منظر کے لیے ملاحظہ ہو۔  
بیداری شعور اور انقلاب۔ طاہر حمید تنولی۔

۸۔ ایٹمی توانائی کمیشن کے سابق چیئرمین اور ممتاز ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر آئی۔ ایچ۔ عثمانی نے کہا تھا کہ: ہماری تعلیم و سائنسی ترقی کی راہ میں بیوروکریسی حائل ہے (بحوالہ شعور اور انقلاب، طاہر حمید تنولی)

۹۔ کادال فقران یکون کفرا۔ (الحديث)

۱۰۔ منہاج القرآن۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی

۱۱۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔

فطرت کا قرآنی تصور: ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۱۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔

تربیت کا قرآنی منہاج: ڈاکٹر محمد طاہر القادری۔





فرہنگ مصطلحات

عام

اصول

اصول

مذہب

القرآن

تفسیر

## احیائی جدوجہد

دینی اقدار کے احیاء اور انفرادی و اجتماعی سطح پر فکر و عمل کی تبدیلی کی ایسی جدوجہد جو دین حق کے غلبے پر منتج ہو۔

## اخلاق

شخصیت و کردار کے وہ اعلیٰ اوصاف جن کا تعین حکم ربانی اور سنت نبویؐ سے

کیا گیا ہے

## اشراقیت

تصوف و روحانیت کو شریعت سے آزاد کر کے مصنوعی و کھوکھلی روحانیت کو عام کرنے کا عمل جس سے اسلام کا حقیقی تصور احسان مسخ ہو رہا ہے۔

## اصول تہذیب

اس سے تہذیبوں اور ثقافتوں کے باہمی عمل و ربط (Interaction) میں

اسلامی تہذیب و ثقافت کے اصول و عمل کی دریافت و تحفظ اور نسل نو کو اس کی صحت مند منتقلی مراد ہے۔

## افتراق

قومی و ملی وجود کی وحدت کے پارہ پارہ ہونے کا عمل جو مبنی بر 'نسل زبان یا

طبقہ و گروہ ہو سکتا ہے۔

اقدار

وہ اعلیٰ روایات جن سے کسی معاشرے یا قوم کا انفرادی و اجتماعی تشخص متعین ہوتا ہے اقدار مستقل بھی ہوتی ہیں اور متغیر بھی۔

انسان مرتضیٰ

تقویٰ و احسان کے اعلیٰ معیارات کا حامل مرد مومن جو رضائے الہی سے سرفراز کیا گیا ہو۔

ایتائے حقوق

یہ تصور کہ اسلامی معاشرے میں اپنا حق مانگنے کے بجائے دوسرے کے حقوق کی ادائیگی پر توجہ دی جائے تاکہ پورا معاشرہ فلاحی بن سکے۔

تبرج الجاہلیہ

مادیت کا وہ فتنہ جس کے زیر اثر اسلامی روایات حیا و عفت کی پامالی ہو رہی ہے اور خواتین اسلام کے عطا کردہ تقدس کے بجائے مغربی معیارات کی تقلید کی راہ پر گامزن ہیں۔

تزکیہ

نفس کی پاکیزگی اور کردار کی تعمیر و تشکیل کا عمل جو منکر کے ترک، معروف کو اپنانے، انفاق فی سبیل اللہ اور مقصد بعثت نبوی کے حصول کی جدوجہد سے عبارت ہے۔

تضمن (Implication)

قرآن حکیم سے ہدایت اخذ کرنے کے منہاج کا وہ مرحلہ جس میں ان

شرائط، مضمرات اور تقاضوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے جن پر کامیابی کا انحصار ہے۔

تعیین (Determination)

قرآن حکیم سے رہنمائی لینے کے منہاج کا وہ مرحلہ جس میں قرآنی علوم کی ماہیت کو واضح کیا جاتا ہے۔

تعیینات خمسہ

غلبہ دین حق کے لئے قرآن حکیم سے اخذ کردہ انقلابی فکر کے وہ پانچ بنیادی مراحل جن سے یہ جدوجہد بدرتج گزرے گی اور جسکے نتیجے میں دعوت سے شروع کیا گیا سفر منزل انقلاب پر منتج ہوگا۔

تغییرات

زندگی کے ہر شعبہ میں وہ منفی تبدیلیاں جن سے ملت کا انفرادی و اجتماعی معیار زندگی قرآنی نظام ہدایت کے عطا کردہ معیار سے منحرف ہو گیا۔ اخلاق مصلحت کوشی، مذہب انفرادی معاملہ، سیاست قرآنی حدود سے بالا، معیشت اخلاقی حدود سے وراء ہوگی اور اس طرح زندگی کے معاشرتی، سیاسی اور معاشی پہلوؤں سے قرآن کا رابطہ منقطع ہو گیا۔ لہذا زندگی کے تقاضے لادینی نظام کے تابع ہو گئے۔

تکمیل دین

قرآنی حکیم اپنی ہدایت بخشی کے لحاظ سے محفوظ ہونے کے ساتھ ہمیشہ کے لئے مکمل اور نتیجہ خیز ہے۔ اسی وجہ سے نوع انسانی کسی بھی نئی بعثت سے بے نیاز ہو گئی۔

تمیز (Distinction)

قرآن حکیم سے رہنمائی لینے کے لئے منہاج کا وہ مرحلہ جس میں علم وحی اور

علم زائیدہ میں موجود امتیازات کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

### تہذیب

قومی زندگی کی اقدار و روایات اور ادارات کی تشکیل سے وجود میں آنے والی قومی زندگی کی وہ ہیئت جو نسل در نسل کے عمل سے وجود میں آتی ہے اور اپنے مزاج، نظریہ حیات اور تشکیلی اصولوں کی بنیاد پر دیگر نظام ہائے زندگی سے مختلف اور الگ شناخت رکھتی ہے۔

### تہذیبی تصادم

فکر جدید کا یہ تصور کہ فی زمانہ میدان جنگ میں تصادم کے بجائے مختلف اقوام کی تہذیبوں میں باہمی تصادم وقوع پذیر ہوگا۔ یہ تصادم اساسی طور پر مغربی اور غیر مغربی تہذیبوں کے درمیان ہوگا۔ جبکہ غیر مغربی تہذیبوں میں اسلام، کنفیوشس تہذیبیں شامل ہیں اس تصادم میں قوی تر تہذیب ہی بقا پاسکے گی۔

### تضاد

کائنات میں موجود تصورات اور عوامل میں موجود مبنی بر تضاد وہ آفاقی تفریق جس کا لحاظ نشوونما کی راہ کھولتا ہے۔ غلبہ دین حق کی جدوجہد میں بھی حق اور باطل کا تضاد ہی راہ حق میں استقامت کا محرک کر بنتا ہے اور اس کے رد عمل سے حصول نتائج کی ضمانت سامنے آتی ہے۔ مثلاً تحریک پاکستان کے دوران مسلم و ہندو تضاد کے زیر اثر ہونے والی جدوجہد تخلیق پاکستان پر منتج ہوئی۔

### پیراڈائم

وہ نظام فکر جو کسی مسئلے کے حل کا لائحہ عمل فراہم کرتا ہے۔



## جبلی داعیات

انسانی فطرت میں موجود وہ تقاضے جن کے تحت انسان کے فکر و عمل کی سمت متعین ہوتی ہے۔

حالت مستمرہ

سٹیٹس کو (Statusquo) موجود حالت کو جمود کے تحت ہی رکھتے ہوئے

کسی بہتری کی طرف نہ بڑھنے کی روش۔

حجۃ من بعد الرسل

اس سے مراد قرآن حکیم ہے۔ امت مسلمہ اور انسانیت کو زوال و انحطاط

سے نکلنے کے لئے نتیجہ خیز لائحہ عمل عطا کرنے کی وجہ سے قرآن حکیم اس منصب کا

حامل ہے۔

حدود (Delimitation)

اس سے مراد قرآن حکیم سے اخذ ہدایت کے منہاج کا وہ مرحلہ ہے جس

میں ان حدود کو واضح کیا جاتا ہے جن سے تجاوز پر علم وحی سے مطلوبہ نتائج پیدا نہیں

ہوتے۔

حکمت

وہ فکری بصیرت جو صرف حقائق ماہیت کے علم ہی نہیں بلکہ اس علم کی

غایت کا بھی احاطہ کرتی ہے۔ اور نصب العین کے حصول کی ضمانت فراہم کرنے کے

سبب ”خیر کثیر“ کا درجہ رکھتی ہے۔

## حکم الجاہلیہ

مادیت کا وہ فتنہ جس کے زیر اثر مسلمان حکومتیں اسلام کا نام لیتے ہوئے بھی اسلام کے نظام قوانین کے نفاذ کے بجائے مغرب کے مستعار نظام کو رائج کرنے کو ترجیح دیتی ہیں۔

## حمیت الجاہلیہ

مادیت کا وہ فتنہ جس کے زیر اثر ملت کے اجتماعی وجود میں محمد رسول اللہ ﷺ سے وابستگی سے پیدا ہونے والے حمیت پر قبائلی، گروہی، علاقائی، نسلی اور لسانی حمیت غالب رہتی ہے۔

## حیات عمرانی

معاشرتی اور سماجی زندگی جو معاشرے اور قوم کی تشکیل کرتی ہے۔

## دعویٰ تصدیق ثقاہت

کسی دعویٰ کی تصدیق کا وہ طریق جو وہ دعویٰ خود پیش کرے۔ جس طرح قرآن حکیم اپنی حقانیت کو بیان کرتے ہوئے اپنے مخالفین سے اپنا مثل لانے کو کہتا ہے۔

## روحانی الذہن

کردار کا وہ درجہ جہاں بندہ ہر عمل رضائے الہی کا طالب بن کر انجام دیتا ہے۔ اس کی عملی توثیق اعلیٰ ظاہری و باطنی اوصاف ظاہر و باطن اور معاشرتی زندگی میں دوسروں کے حقوق کی ادائیگی سے ہوگی۔

## شکست خوردگی

دور زوال سے نکلنے میں مانع امت کی یہ فکری و ذہنی روش کہ اسلام اپنا دور عروج دیکھنے کے بعد اب معرض زوال میں ہے سواب دوبارہ عروج کی طرف نہیں لوٹا جاسکتا۔

## صحف ماسبق

آسمانی صحیفے جو قرآن حکیم سے پہلے نازل ہوئے اور قرآن حکیم کا جامع نظام ہدایت آنے کے بعد انسانیت ان سے بے نیاز ہو گئی۔

## صحیفہ انقلاب

قرآن حکیم جو انقلاب کا مکمل لائحہ عمل عطا کرتا ہے۔

## ضبط و انقیاد

احکامات الہی کی پابندی جو ہدایت الہی کی نتیجہ خیزی سے بہرہ ور کرتی ہے۔

## ظن الجاہلیہ

مادیت کا وہ فتنہ جس کے زیر اثر ملت اسلامیہ کا جدید پڑھا لکھا طبقہ مغربی افکار سے مرعوبیت کے باعث اسلامی فکر و فلسفہ کی بجائے سیکولر افکار کے زیر اثر ہوتا جا رہا ہے۔

## عمل صالح

ایمان کی بنیادوں پر اٹھنے والا وہ اعلیٰ عمل جو جملہ تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے انجام دیا گیا ہو۔ اور جس میں عصری خسران سے آزادی کی ضمانت بھی ہو۔

علم بالوحی

قرآن حکیم کا علم جس کی اصل وحی ہے۔

علم زائیدہ

وہ علم جو انسانی فکر کی کاوش کا نتیجہ ہے۔

علم غایت

یہ تصور کہ علم کا مقصد منزل کے حصول اور نصب العین کو پانا ہے۔

علم ماہیت

اشیاء کی ساخت و ترکیب کو جاننے کا علم۔

غائتیت

مقصد اور اعلیٰ اقدار کا نظریہ کہ ہر تصور کو اس کے نتیجے اور انجام کے حوالے سے دیکھا جائے۔ اور حصول نصب العین کو اہمیت دی جائے۔

غیب

اللہ کے وعدہ پر بغیر دیکھے یقین یہ یقین کہ مقصود حاصل ہو کر رہے گا۔ اس یقین کی عملی تصدیق ان شرائط و تقاضوں کو پورا کرنے سے ہوگی جو قرآن حکیم نے بیان کئے ہیں۔

فطرت

انسانی نفس کا وہ داعیہ جو اسے ایک مخصوص راہ عمل پر گامزن کرتا ہے۔ اس کے دو پہلو ہیں فطرت بالقوة اور فطرت بالفعل۔

فکر

علم کی حکمت کو زیر بحث لانا۔ قرآن حکیم سے اخذ کردہ وہ رہنمائی جو قرآنی ہدایت کے مقصود یعنی غلبہ دین حق کے نصب العین کے حصول کو ممکن بنائے۔  
فکری تغیرات

تصورات میں وہ بنیادی تبدیلیاں جن سے اجتماعی زندگی میں خوب و ناخوب کے معیارات بدل گئے اور قرآن حکیم کا عطا کردہ اعلیٰ نظام ہدایت عملاً ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

قرآنی فلسفہ انقلاب

قرآن حکیم سے اخذ کردہ نظام فکر جسکی روشنی میں فکری و عملی تغیرات کے تدارک اور زوال کے اس دور میں عروج کے حصول کی ضمانت میسر آتی ہے  
ہدایت

اللہ کے عطا کردہ نظام ہدایت اور اعلیٰ روحانی اقدار کے بجائے انسانی ساختہ معیارات اور لادینی نظام زندگی پر یقین اور عملی اتباع۔

متنہیت

اسلام کے وجود کو متاثر کرنے کے لئے اغیار کی طرف سے جھوٹی نبوت کا فتنہ جس کے ذریعے براہ راست یا بالواسطہ اہل اسلام کو ایمان و اسلام کی دولت سے محروم کیا جا رہا ہے۔

مذہبی واردات

اعمال شریعت کی انجام دہی پر ہونے والے وہ روحانی تجربات جو نیت کی

اصلاح اور کیفیت کی حفاظت کے ساتھ انجام پذیر ہونے والے اعمال صالح سے میسر آتے ہیں۔

مراحلِ خمسہ

انقلابی جدوجہد کے وہ مراحل جن سے وہ جدوجہد بتدریج گزرتے ہوئے منزل تک پہنچے گی۔

مزاحمت

جب بھی دعوتِ حق کا آغاز ہوگا اسے جس ردِ عمل کا سامنا کرنا پڑے گا وہ مزاحمت کہلائے گی جس کی طرف قرآن حکیم نے (۳۱:۲۵) اس طرح اشارہ کیا کہ ہر پیغمبرانہ دعوت کو اس نوع کے ردِ عمل کا سامنا کرنا پڑا۔

مزاحمتِ مزاحمت

اس سے مراد اہل حق کا وہ ردِ عمل ہے جو مخالفین کے ردِ عمل کے جواب میں سامنے آتا ہے۔ اس سے ہی اہل حق کی استقامت اور نصب العین کے ساتھ وابستگی کا اظہار ہوتا ہے اور اسی درجے میں ان کی جدوجہد کی نتیجہ خیزی بھی سامنے آتی ہے۔

معاہدہ عمرانی (Social Contract)

معاشرہ و قوم کی تشکیل کے لئے اصول و ضوابط جن کے تحت مطاع (Super-Ordinate) اور مطیع (Sub-ordinate) کے باہمی ربط کی وضاحت ہوتی ہے۔

معاند

وہ عناصر جو اہل حق کی مخالفت پر کمر بستہ ہوتے ہیں۔

## مطاع مشہود

مطاع سے مراد وہ ہستی ہے، اسلامی ریاست میں جسکی اطاعت کی جائے گی۔ چونکہ ایسا مطاع جو مشاہدے میں نہ آسکتا ہو معاہدہ عمرانی کا فریق نہیں بن سکتا اس لئے اسلامی ریاست میں معاہدہ عمرانی کا فریق مطاع مشہود ہوگا جو قرآن حکیم کے مطابق (۶۳:۵۹) ذات نبوت ہے۔

## معمول بہ دین

یہ شریعت اور کتاب و سنت کا وہ عملی نظام ہے جس کا مقصد پیدا شدہ اقدار کو تمام و کمال محفوظ رکھتا ہے۔

## معرضیت

دور جدید کا وہ فتنہ جس کے زیر اثر نسل نو کو حضور اکرم کی ذات ستودہ صفات سے دین کے نام پر دور کیا جا رہا ہے۔ یہ نتیجہ ہے ذات مصطفویٰ اور سیرت نبویؐ کو دو الگ الگ خانوں میں تقسیم کر دینے کا۔

## معیار

وہ اصول جس کے تحت انقلابی جدوجہد کی ثقاہت کو پرکھا جائے گا۔ اس کی دو حیثیتیں ہوں گی۔ اخلاقیات کا معیار اور ہمہ گیر مثالی جدوجہد میں کامیابی کا معیار۔

## معیاری دین

اس سے مراد غلبہ حق کی جدوجہد ہے۔ یہ مقصد بعثت محمدیؐ سے عبارت ہے۔ اس کی غایت حق کو غالب کر کے حق کی اقدار کو پیدا کرنا ہے۔

منہاج

مسائل کے حل کرنے کا طریقہ منہاج کہلاتا ہے۔ جو بنیادی اصول اور اس کی روشنی میں اخذ کردہ لائحہ عمل پر مشتمل ہوتا ہے۔

منہاج القرآن

ملت اسلامیہ کو زوال سے نجات دلا کر عروج سے بہرہ ور کرنے کا لائحہ عمل جو براہ راست قرآن حکیم سے اخذ کیا گیا ہے۔

مواعظ ہدایت

وہ اسباب جو فکری و عملی سطح پر قرآن حکیم سے ہدایت اخذ کرنے میں حائل ہیں۔

موثرات حیات

وہ شعبہ ہائے زندگی جن پر پوری زندگی کے تسلسل کا انحصار ہے اور جن کی صحت مندی دنیا و آخرت کی فلاح اور جن کا اختلال دنیا و آخرت میں خسران کا باعث ہے۔ انہیں معاشرت، معیشت اور سیاست میں تقسیم کیا گیا ہے۔

میکانی اصول علیت

علت و معلول کا رشتہ جس کے تحت ایک ہی زمانی سلسلے میں مختلف اعمال میں زمانی توازن ہوگا۔

نتیجہ خیزی

یہ اصول کہ غلبہ دین حق کے لئے کی جانے والی جدوجہد ضرور منزل آفریں ہوگی بشرطیکہ مذکورہ تقاضے پورے کئے جائیں۔ تاہم یہ روایتی تصور نتائجیت



(Pragmatism) سے مختلف ہے جس کے تحت اعمال و تصورات کو نتائج کی روشنی میں متعین کیا جاتا ہے جبکہ نتیجہ خیزی کے تحت اعمال و تصورات کا تعین ہدایت ربانی کے تحت ہوگا اور جس درجہ تک الوہی ہدایت کی قربت ہوگی اس کے مطابق مطلوبہ نتائج ضرور پیدا ہو کر رہیں گے۔

نسبت

مذہبی واردات کے نتیجے میں بندے اور خدا کے درمیان متحقق ہونے والا وہ تعلق جو جوہر بندگی کو نکھارنے کا باعث بنتا ہے۔ نسبت ہر فرد کے شعور کے حوالے سے ہوگی۔ مثلاً نسبت محبت، نسبت اطاعت اور نسبت معرفت۔

ہیت اصیلہ

وہ بنیادی اقدار، تصورات اور احکام جو کتاب و سنت کی نصوص کی شکل میں موجود ہیں۔

ہیت کذائیہ

کتاب و سنت کی بنیادی تعلیمات سے اخذ کردہ وہ قوانین شریعت جو زندگی میں نظم و ضبط پیدا کرتے ہیں تاکہ زندگی میں نظم برقرار رہے اور ہیت اصیلہ کی روح محفوظ رہے۔

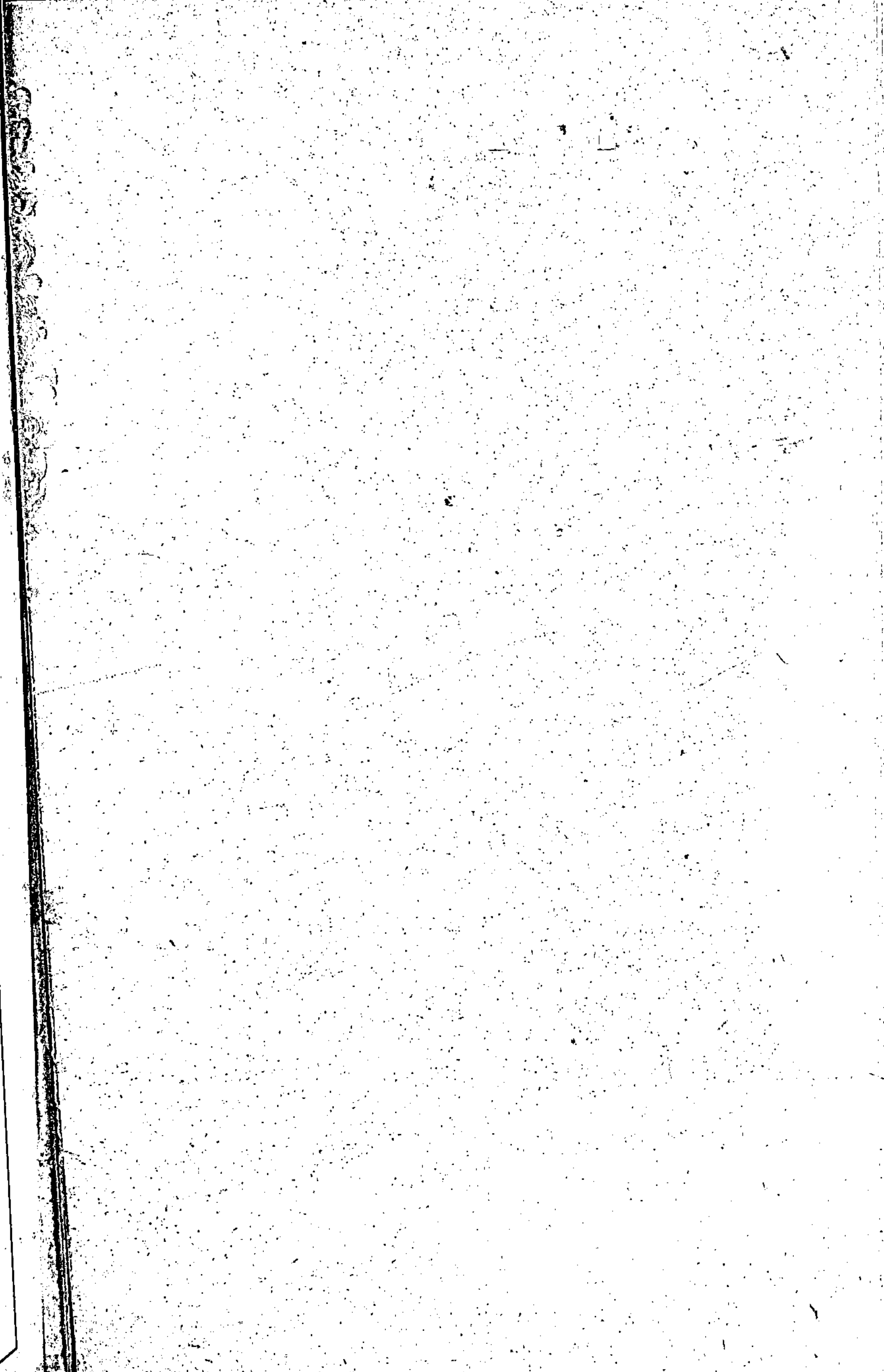
ہیت عمرانی

معاشرتی ساخت۔ اجتماعی زندگی کے ڈھانچے کا وہ پہلو جو معاشرتی سطح کا احاطہ کرتا ہے۔



## فہرست

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۴۶۱	القرآن	۱
۴۷۹	الاحادیث والآثار	۲
۴۸۳	اشعار	۳
۵۰۱	مضامین	۴
۵۱۱	اعلام	۵
۵۲۵	اماکن و بلاد	۶



نمبر شمار	اطراف الآيات	حواله	صفحه
	<u>البقره: ٥</u>		
١	الذين يؤمنون بالغيب و يقيمون.....	٣:٢	١١٩
٢	ومن الناس من يقول امن بالله.....	٩٨:٢	١٢٢
٣	و اذا قيل لهم لا تفسدوا.....	١٢١:٢	١٢٩
٤	و اذا قيل لهم امنوا كما امن.....	١٣:٢	١٣١
٥	ولكم فى الارض مستقر و متاع الى حين O	٣٦:٢	٣٣٢
٦	فاما ياتينكم منى هدى فمن تبع هداى.....	٣٨:٢	٣٢١ ١١٤
٧	و اذ قال موسى لقومه يقوم انكم ظلمتم.....	٥٣:٢	١٠٩
٨	وما ظلمونا ولكن كانوا انفسهم يظلمون O	٥٤:٢	٨٨
٩	و اذ اخذنا ميثاق بنى اسرائيل.....	٨٣:٢	٨٢
١٠	ولما جاء هم كتب من عند الله مصدق.....	٨٩:٢	١٢٦
١١	و اذا قيل لهم امنوا بما انزل الله.....	٩١:٢	١٢٦
١٢	ولتجدنهم احرص الناس على حياة.....	٩٦:٢	١٢٥
١٣	ما يود الذين كفروا من اهل الكتاب.....	١٠٥:٢	١٢٥

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
۱۴	ود كثير من اهل الكتاب.....	۱۰۹:۲	۱۲۵
۱۵	ولن ترضى عنك اليهود ولا النصرى.....	۱۲۰:۲	۳۷۴، ۱۲۶ ۳۹۱
۱۶	كما ارسلنا فيكم رسولا منكم.....	۱۵۱:۲	۷۰، ۷۶ ۳۱۲، ۳۵۲
۱۷	و اذا قيل لهم اتبعوا ما انزل الله.....	۱۷۰:۲	۱۲۶
۱۸	هن لباس لكم و انتم لباس لهن	۱۸۷:۲	۳۲۵
۱۹	و قتلوهم حتى لا تكون فتنة.....	۱۹۳:۲	۱۳۳
۲۰	يا ايها الذين امنوا ادخلوا فى السلم كافة	۲۰۸:۲	۲۷۲
۲۱	كان الناس امة واحدة فبعث الله.....	۲۱۳:۲	۱۳۷، ۱۳۶
۲۲	والله يعلم المفسد من المصلح.....	۲۲۰:۲	۱۲۹
۲۳	او كالذى مر على قرية و هى خاوية.....	۲۵۹:۲	۲۳۰
۲۴	و اذ قال ابراهيم رب ارنى كيف.....	۲۶۰:۲	۱۶۰، ۲۰
۲۵	ومن يوت الحكمة فقد اوتى خيرا كثيرا	۲۶۹:۲	۶۹
۲۶	امن الرسول بما انزل اليه من ربه.....	۲۵۸:۲	۱۱۹
<b>آل عمران:</b>			
۲۷	زين للناس حب الشهوات من النساء.....	۱۴:۳	۲۳۱
۲۸	فكيف اذ جمعهم ليوم.....	۲۵:۳	۲۳۰

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
٢٩	قل ان كنتم تحبون الله.....	٣١:٣	٣٨٥
٣٠	و يعلمه الكتب والحكمة.....	٢٩:٣٨	٤١
٣١	و اذا اخذ الله ميثاق النبيين.....	٨١:٣	٤٢
٣٢	لن تنالوا البر حتى تنفقوا.....	٩٢:٣	٢٨١
٣٣	يا ايها الذين امنوا اتقوا الله.....	١٠٢:٣	٣٥٦
٣٤	ولتكن منكم امة.....	١٠٢:٣	٢٠٦٩٨
٣٥	مثل ما ينفقون في هذه الحيرة الدنيا.....	١١٤:٣	٨٩
٣٦	ان تمسككم حسنة تسؤهم.....	١٢٠:٣	١٣٠
٣٧	قدخلت من قبلكم سنن.....	١٣٤:٣	٩٢
٣٨	ولا تهنوا ولا تحزنوا.....	١٣٩:٣	٢٦٦١١١١٠٢
٣٩	و تلك الايام ندا ولها بين الناس	١٤٠:٣	١٨٩
٤٠	يقولون بافواهم ما ليس في قلوبهم	١٦٤:٣	١٣٢
٤١	ذلك بما قدمت ايديكم.....	١٨٢:٣	٩٣
<u>النساء:</u>			
٤٢	و ان خفتن الا تعدلوا.....	٣:٢	٣٢٩
٤٣	من الذين هادوا يحرفون الكلم عن مواضعه.....	٢٦:٢	٣٠٣٣٣٣
٤٤	الم تر الى الذين قيل لهم كفوا ايديكم.....	٤٤:٢	١٣١
٤٥	من يطع الرسول فقد اطاع الله.....	٨٠:٢	٣٥٣
٤٦	فاذا برزوا من عندك بيت طائفة.....	٨١:٢	١٣١
٤٧	و اذا جاءهم امر من الامن.....	٨٣:٢	١٣١

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
٢٨	ود الذين كفروا لو تغفلون عن اسلحتكم	١٠٢:٢	١٢٤
٢٩	ولولا فضل الله عليك ورحمته.....	١١٣:٢	٤٢
٥٠	والصلح خير.....	١٢٨:٢	١٥١
٥١	الذين يتربصون لكم فان كان لكم		
	فتح.....	١٣١:٢	١٣٠
٥٢	مذبذبين بين ذلك لا الى هولاء ولا الى		
	هولاء.....	١٣٣:٢	٢٢٨
٥٣	ما يفعل الله بعذابكم.....	١٣٤:٢	٨٤
٥٤	لكن الرسوخون في العلم منهم.....	١٤٢:٢	١١٩
٥٥	رسلا مبشرين و منذرين.....	١٤٥:٢	٢٦٢
	<u>المائدة</u>		
٥٦	اليوم يئس الذين كفروا.....	٣:٥	٢٥٨'٢٥٤
٥٧	ولقد اخذ الله ميثاق بني اسرائيل.....	١٢:٥	١١٤'١١٢
٥٨	ومن لم يحكم بما انزل الله فاولئك		
	الكفرون O	٢٢:٥	٢٢٦
٥٩	ومن لم يحكم بما انزل الله فاولئك هم		
	الظلمون O	٢٥:٥	٢٢٤
٦٠	ومن لم يحكم بما انزل الله فاولئك هم		
	الفسقون O	٢٤:٥	٢٢٤
٦١	لكل جعلنا منكم شرعة و منهاجا	٢٨:٥	٢٠٥
٦٢	ومن يتول الله ورسوله.....	٥٦:٥	٢٢٦'٢٢١'١٠٠



نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
٦٣	قل يا اهل الكتب هل تنقمون .....	٥٩:٥	١٢٤
٦٣	ولو انهم اقاموا التوراة .....	٦٦:٥	٩١
٦٥	و اذ علمتك الكتب والحكمة .....	١١٠:٥	١٤
	<u>الانعام:</u>		
٦٦	ومن اظلم ممن افترى .....	٢١:٦	١٠٠
٦٤	ولقد ارسلنا الى امم من قبلك .....	٣٢:٦	٣٠٨
٦٨	قل اراء يتكم ان اتكم .....	٣٤:٦	٩٣
٦٩	فمن امن و اصلح فلا خوف عليهم ولا يحزنون O	٣٨:٦	١٣٩
٤٠	وكذلك نرى ابراهيم ملكوت السموات والارض وليكون من الموقنين O	٤٥:٦	١٦١٣٠
٤١	فلما جن عليه الليل .....	٤٦:٦	٢٢٥
٤٢	ان هو الا ذكر للعلمين O	٩٠:٦	٣٥٥
٤٣	ولو اننا نزلنا اليهم الملكة .....	١١١:٦	١٣٢
٤٢	وتمت كلمة ربك صدقا وعدلا .....	١١٥:٦	٨٦
٤٥	ذلك ان لكم يكن ربك مهلك القرى .....	١٣١:٦	٨٩
٤٦	ولكل درجات مما عملوا .....	١٣٢:٦	٤٤
	<u>الاعراف:</u>		
٤٤	ولقد مكنكم في الارض وجعلنا لكم فيها معاش .....	١٠:٤	٣٠١

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
٤٨	فمن اتقى و اصلح فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون O	٣٠:٤	١٥١
٤٩	ولو ان اهل القرى امنوا واتقوا.....	٩٦:٤	٩٢
٨٠	ثم بعثنا من بعدهم موسى.....	١٠٣:٤	١٠٩
٨١	قال موسى لقومه استعينوا بالله.....	١٢٨:٤	١١٠
٨٢	وتمت كلمت ربك الحسنی علی بنی اسرائیل.....	١٣٤:٤	١١١
٨٣	الذين يتبعون الرسول النبي الامی.....	١٥٤:٤	٩٦
٨٤	وما ظلمونا ولكن كانوا انفسهم يظلمون O	١٦٠:٤	٨٨
٨٥	فاقصص القصص لعلهم يتفكرون O	١٢٦:٤	٣٩٢
<u>الانفال:</u>			
٨٦	انما المؤمنون الذين اذا ذكر الله.....	٢:٨	١١٩
٨٧	ويريد الله ان يحق الحق بكلمته.....	٨٤:٨	٢٦٩، ٢٥٩
٨٨	يا ايها الذين امنوا ان تتقوا الله.....	٢٩:٨	١٥٥
٨٩	اذ يقول المنفقون والذين في قلوبهم.....	٢٩:٨	٢٤٤
٩٠	ذلك بان الله لم يك مغيرا.....	٥٣:٨	٨٠
<u>التوبة:</u>			
٩١	انما يعمر مسجد الله من امن بالله.....	١٨:٩	٣٩٥، ٣٥٠
٩٢	اتخذوا ايجابهم و رهبانهم.....	٣٢، ٣١:٩	٢٦٨، ٢٥٢

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
٩٣	هو الذي ارسل رسوله بالهدى.....	٣٣:٩	٢٥٢'٢٦٨
٩٣	يا ايها الذين امنوا ان كثيرا من الاحبار.....	٣٣:٩	٢٩٣'٢٩١
٩٥	فما كان الله ليظلمهم ولكن.....	٤٠:٩	٨٩
<u>يونس:</u>			
٩٦	فقد ثبت فيكم عمرا.....	١٦:١٠	١٦٥'١٣٤
٩٤	فمن اظلم ممن افترى على الله.....	١٤:١٠	١٠٠
٩٨	كذلك حقت كلمة ربك.....	٣٣:١٠	١٥٢
٩٩	ان الله لا يظلم الناس.....	٣٣:١٠	٨٩
١٠٠	لكل امة اجل	٣٩:١٠	١٣٠
١٠١	فما امن لموسى الاذرية.....	٨٣:١٠	٢٣٥'١٦٩
١٠٢	فلولا كانت قرية امننت فنفعها.....	٩٨:١٠	١٣٨
١٠٣	ويجعل الرجس على الذين لا يعقلون O	١٠٠:١٠	١٣٩
<u>هود:</u>			
١٠٢	قل فاتوا بعشر سور مثله مفترت		
	وادعوا.....	١٣:١١	١٣٨
١٠٥	ان العاقبة للمتقين O	٣٩:١١	٢٠٨
١٠٦	وما ظلمنهم ولكن ظلموا انفسهم.....	١٠١:١١	٩٠
١٠٤	وما كان ربك ليهلك القرى.....	١١٤:١١	٨٤
١٠٨	وكلا نقص عليك من انباء الرسل.....	١٢٠:١١	٢٦٥

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحة
	<u>يوسف:</u>		
١٠٩	وما ابرى نفسى ان النفس لامارة بالسوء	٥٣:١٢	٢٣٢
١١٠	قال اجعلنى على خزائن الارض انى حفيظ عليم	٥٥:١٢	١٤٠
١١١	قل هذه سبيلى ادعوا الى الله.....	١٠٨:١٢	٢٠٤
١١٢	<u>الرعد:</u>		
١١٣	ان الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بانفسهم	١١:١٣	٣٢٢، ٨٠
١١٤	انزل من اسماء ماء فسالت اودية.....	١٤:١٣	٣٩٣، ٨١
١١٥	لكل اجل كتاب.....	٣٩، ٣٨:١٣	١٢٠
	<u>ابراهيم:</u>		
١١٦	واذ تاذن ربكم لئن شكرتم لازيدنكم.....	٤:١٣	٢٢٨
	<u>الحجر:</u>		
١١٧	وان من شى الا عندنا خزائنه.....	٢١:١٥	١٦٠
١١٨	واعبد ربك حتى يا تيك اليقين	٩٩:١٥	٢٢٤
	<u>النحل:</u>		
١١٩	وما ظلمنهم ولكن كانوا انفسهم يظلمون	١١٨:١٢	٩٠
١٢٠	ادع الى سبيل ربك بالحكمة.....	١٢٥:١٢	٢٠٦

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	<u>بنى اسرائيل:</u>		
١٢١	ذلك مما اوحى اليك ربك من الحكمة	٣٩:١٤	٤٣
١٢٢	ومن كان في هذه اعمى فهو في الآخرة..	٤٢:١٤	٢٦٢
١٢٣	سنة من قد ارسلنا قبلك من رسلنا.....	٤٤:١٤	٤٩
١٢٤	وقل رب ادخلني مدخل صدق و.....	٨٠:١٤	١٤٢
١٢٥	وقل جاء الحق وزهق الباطل.....	٨١:١٤	١٤٣
١٢٦	قل لئن اجتمعت الانس والجن.....	٨٨:١٤	١٢٨
	<u>الكهف:</u>		
١٢٧	وتلك القرى اهلكهم.....	٥٩:١٨	٩٣
	<u>طه:</u>		
١٢٨	وقد افلح اليوم من استعلى O	٢٣:٢٠	١٢٥
١٢٩	قال ينؤمن لاتأخذ بلحيتي.....	٩٢:٢٠	١٠٨
	<u>الانبياء:</u>		
١٣٠	انهم كانوا يسرعون في الخيرات		
	ويدعوننا رغبا ورهبا.....	٩٠:٢١	١٥٠
	<u>الحجر:</u>		
١٣١	ولولا دفع الله الناس بعضهم ببعض.....	٢٠:٢٢	١٤٠
١٣٢	الذين ان مكنهم في الارض.....	٢١:٢٢	٢٢٤'١٤٠
١٣٣	هو سمكم مسلمين.....	٤٨:٢٢	٣٥٦

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	<u>المؤمنون:</u>		
۱۳۴	انه لا يفلح الكفرون O	۱۱۷:۲۳	۹۹
	<u>النور:</u>		
۱۳۵	وعد الله الذين امنوا منكم .....	۵۷-۵۵:۲۳	۱۶۶
	<u>الفرقان:</u>		
۱۳۶	وكذلك جعلنا لكل نبي عدوا.....	۳۱:۲۵	۳۲
	<u>الشعراء:</u>		
۱۳۷	فلما تراء الجمعن قال اصحب موسى.....	۶۱:۶۶	۱۴۴
۱۳۸	قال كلا ان معي ربي سيهدين O	۶۲:۲۶	۱۴۴
۱۳۹	فاوحينا الى موسى.....	۶۳:۲۶	۱۴۵
۱۴۰	وما اهلكنا من قرية الا لهما منذرون O	۲۰۸:۲۶	۱۳۶، ۸۸
		۲۰۹	
	<u>النمل:</u>		
۱۴۱	قل سيروا في الارض فانظروا.....	۶۹:۲۷	۹۲
	<u>القصص:</u>		
۱۴۲	ونريد ان نمن على الذين استضعفوا.....	۵:۲۸	۱۴۹، ۶۳
۱۴۳	فرددنه الى امه لى تقر.....	۱۳:۲۸	۱۴۴
۱۴۴	وما كان ربك مهلك القرى.....	۵۹:۲۸	۸۸
۱۴۵	قال انما او تيته على علم عندى.....	۷۸:۲۸	۲۳۹

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
۱۴۶	والعاقبة للمتقين <u>العنكبوت:</u>	۸۳:۲۸	۱۵۱
۱۴۷	وما كان الله ليظلمهم ولكن كانوا انفسهم يظلمون O <u>الروم:</u>	۳۰:۲۹	۹۰
۱۴۸	فما كان الله ليظلمهم .....	۹:۳۰	۸۹
۱۴۹	قل سيروا في الارض فانظروا.....	۲۲:۳۰	۹۲
۱۵۰	ولقد ارسلنا من قبلك رسلا .....	۲۷:۳۰	۱۰۱
۱۵۱	فاصبر ان وعد الله حق .....	۶۰:۳۰	۱۵۶
	<u>لقمن:</u>		
۱۵۲	الذين يقيمون الصلوة..... <u>السجده:</u>	۵۴:۳۱	۹۷
۱۵۳	ربنا ابصرنا وسمعنا فارجعنا.....	۱۲:۳۲	۲۴۴
۱۵۴	وجعلنا منهم آئمة يهدون بامرنا..... <u>الاحزاب:</u>	۲۴:۳۲	۱۴۳
۱۵۵	قد يعلم الله المعوقين .....	۱۸:۳۳	۱۳۲
۱۵۶	لقد كان لكم في رسول الله .....	۲۱:۳۲	۲۰۵
۱۵۷	واذكرنا ما يتلى في بيوتكن .....	۳۳:۳۳	۷۳
۱۵۸	سنة الله في الذين خلوا من قبل .....	۶۲:۳۳	۷۹

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	<u>سبا:</u>		
١٥٩	ان اعمل سبغت و قدر في السرد .....	١١:٣٢	١٥٠
١٦٠	وحيل بينهم و بين ما يشتهون .....	٥٢:٣٢	١٢٥
	<u>فاطر:</u>		
١٦١	يزيد في الخلق ما يشاء	١:٣٥	٢٣٢
١٦٢	يا ايها الناس ان وعد الله حق .....	٥:٣٥	٢٦٦
١٦٣	فلن تجد لسنة الله تبديلا .....	٢٣:٣٥	٢٩٣
	<u>يس:</u>		
١٦٤	انما تنذر من اتبع الذكر .....	١١:٣٦	١٥٢
١٦٥	وما علمنه الشعر وما ينبغي له .....	٢٩:٣٦	٢٦٢
	<u>الصف:</u>		
١٦٦	ولقد سبقت كلمتنا لعبادنا المرسلين .....	١٤١:٣٢	١٠١
		١٤٣	
	<u>ص:</u>		
١٦٧	اصبر على ما يقولون و اذكر عبدنا .....	٢٠-١٤:٣٨	٤٠
	<u>المؤمن:</u>		
١٦٨	كذبت قبلهم قوم نوح .....	٦-٥:٣٠	٢٦٣-٢٦١
١٦٩	اولم يسيروا في الارض فينظروا .....	٢١:٣٠	٩٥
١٧٠	فوقه الله سيات مامكروا .....	٣٥:٣٠	١٠٩



نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحة
	<u>حم السجدة:</u>		
١٤١	ولا تستوى الحسنة ولا السيئة.....	٣٥-٣٣:٣١	١٥٤
١٤٢	سنريهم آياتنا في الآفاق وفي أنفسهم.....	٥٣:٣١	٩٠
	<u>الزخرف:</u>		
١٤٣	وانه لذكر لك ولقومك.....	٢٢:٣٣	٣٥٥'١٠٢
١٤٣	ولما جاء عيسى بالبينت قال قد.....	٦٣:٣٣	٤٢
	<u>الدخان:</u>		
١٤٥	اهلكنهم انهم كانوا مجرمين O	٣٤:٣٣	٩٢
	<u>الاحقاف:</u>		
١٤٦	بلغ فهل يهلك الا القوم الفسقون O	٣٥:٣٦	١٨٩'٩٣
	<u>محمد:</u>		
١٤٤	افلم يسيروا في الارض.....	١٠:٣٤	٩٣
١٤٨	فلا تهنوا و تدعوا الى السلم.....	٣٥:٣٤	٢٦٦
	<u>الفتح:</u>		
١٤٩	هو الذي ارسل رسول بالهدى.....	٢٨:٣٨	١٣٠'١١٦
١٨٠	محمد رسول الله والذين معه.....	٢٩:٣٨	١٥٨'١٥٣
	<u>الحجرات:</u>		
١٨١	انما المؤمنون الذين امنوا بالله ورسوله ..	١٥:٣٩	٣٢٣

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	<u>الذاريات:</u>		
١٨٢	وفي انفسكم افلا تبصرون O	٢١:٥١	١٥٩
	<u>النجم:</u>		
١٨٣	ان الظن لا يغني من الحق شياء O	٢٨:٥٣	٢٢٥
	<u>الحديد:</u>		
١٨٣	ولقد ارسلنا رسلنا بالبينت .....	٢٥:٥٤	١٤٣
١٨٥	ثم قفينا على آثارهم برسلنا .....	٢٤:٥٤	٨٥
١٨٦	يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وامنوا .....	٢٨:٥٤	١٥٥
	<u>المجادلة</u>		
١٨٤	والذين اوتوا العلم درجت .....	١١:٥٨	٤٤
١٨٨	كتب الله لا غلبن انا ورسلى .....	٢١:٥٨	١٣٨، ١٠١
١٨٩	الا ان حزب الله هم المفلحون O	٢٢:٥٨	١٢٠-٩٩
	<u>الحشر:</u>		
١٩٠	ومن يوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون	٩:٥٩	١٢٢
	<u>الصف:</u>		
١٩١	سبح لله ما في السموات وما في الارض ..	١:٦١	٦٣
١٩٢	يا ايها الذين امنوا هل ادلكم .....	١١-١٠:٦١	١٥٦

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	<u>المنفقون:</u>		
١٩٣	إذا جاءك المنفقون قالوا.....	١:٦٣	١٢٩
	<u>التغابن:</u>		
١٩٢	ومن يوق شح نفسه فاولئك هم المفلحون O	١٦:٦٣	١٥١
	<u>التحريم:</u>		
١٩٥	انما تجزون ما كنتم تعملون O	٤:٦٢	٢٣٠
	<u>المزمل:</u>		
١٩٦	فعصى فرعون الرسول فاخذنه اخذا وبيلا O	١٦:٤٣	١٠٩
١٩٤	ان هذه تذكرة فمن شاء اتخذ الى ربه سبيلا O	١٩:٤٣	٣٥٢
١٩٨	واقرضوا الله قرضا حسنا.....	٢٠:٤٣	٣٢٢
	<u>القيمة:</u>		
١٩٩	ولا اقسم بالنفس اللوامة O	٢:٤٥	٢٣٥
٢٠٠	بل الانسان على نفسه بصيرة O	١٢:٤٥	٢٢٩
٢٠١	فاذا قرانه فاتبع قرانه.....	١٩:١٨:٤٥	٤٤
	<u>الفجر:</u>		
٢٠٢	يايتها النفس المطمئنة.....	٢٨:٢٤:٨٩	٢٣٦، ٢٣٥

نمبر شمار	أطراف الآيات	حواله	صفحه
	<u>البلد:</u>		
٢٠٣	وهدينه النجدين O	١٠:٩٠	٢٢٩
	<u>الشمس:</u>		
٢٠٣	فألهما فجورها و تقواها O	٨:٩١	٢٢٩
٢٠٥	قد افلح من زكها.....	١٠-٩:٩١	٣٢٣، ٣٢٤
	<u>البينة</u>		
٢٠٢	وما امرؤ الا ليعبد وال الله مخلصين.....	٥:٩٨	٢٢٨
	<u>العصر:</u>		
٢٠٤	والعصر O ان الانسان.....	١٠٣	٩٨، ١٣١
	<u>النصر:</u>		
٢٠٨	اذا جاء نصر الله والفتح.....	١١٠	٢٢٣، ٢٢٤

## الاحادیث والآثار

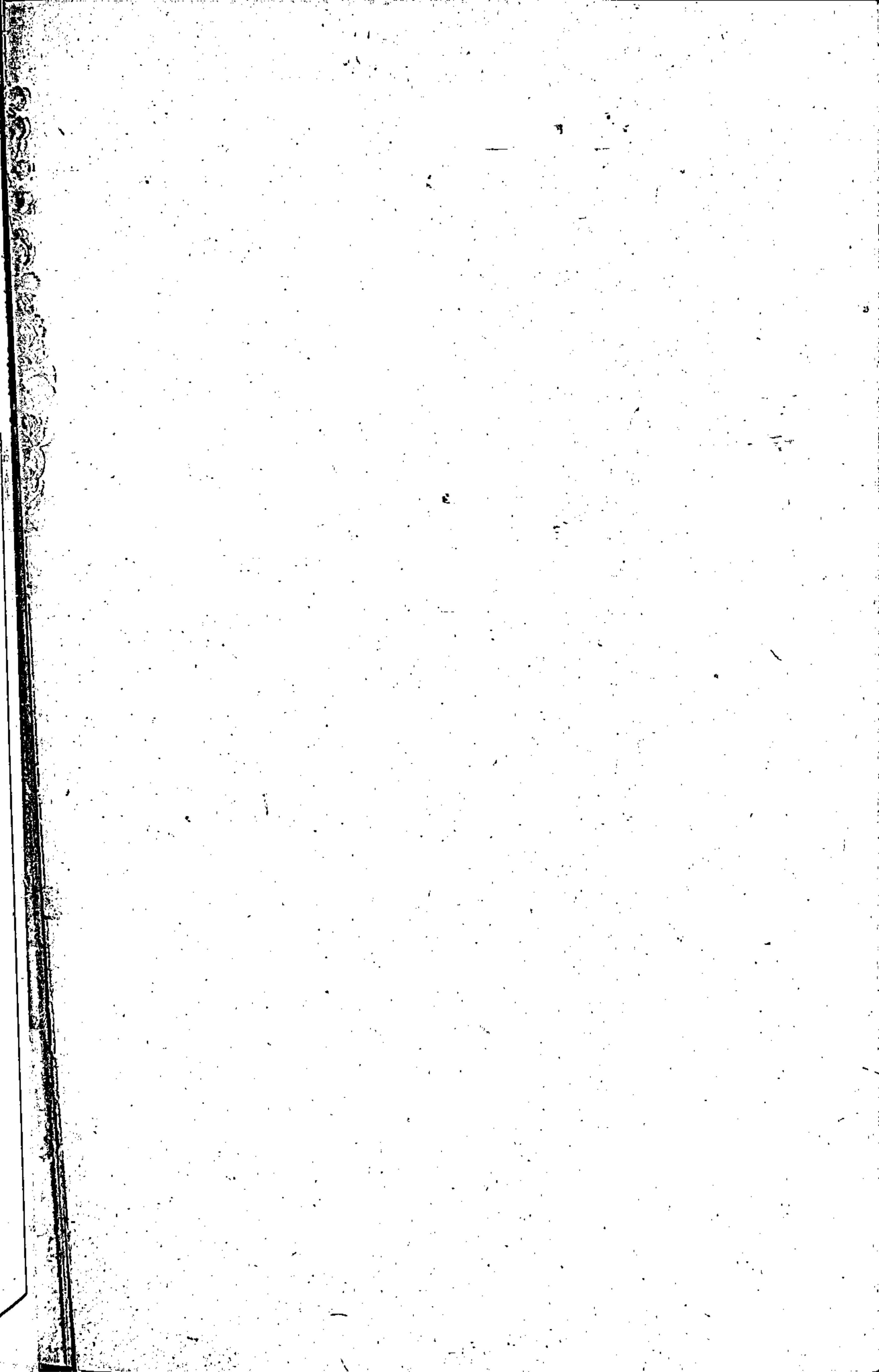


نمبر شمار	اطراف الاحاديث والآثار	صفحة
١	ما من شيء فهو في القرآن او فيه اصله	٣٦
٢	واما الذوق فهو كالمشاهدة الاخذ باليد ولا يوجد	
	الا في طريق الصوفيه.	٣٢
٣	فهذا هو منهاج تحصيل العلم الضروري.	٣٢
٤	ومن اول الطريقة تبتدئى المكشافات .....	٣٢
٥	وهذه حالة يتحققها بالذوق .....	٣٢
٦	البرهان على سبيل الرشاد والايقان	٣٨
٧	ترى المومنين فى تراحمهم و تعاطفهم .....	١٠٦
٨	فاخرج من المسجد يا فلان انت منافق	١٣٥
٩	الاعمال بخواتيمها.	١٥١
١٠	ولم تزد دنى يقينا ولو كشفت الغطاء	١٦٠
١١	الحكمة اصابة الحق بالعلم والعقل .....	١٨٣
١٢	الحكمة عبارة عن معرفة .....	١٨٣
١٣	معرفة الاشياء بحقائقها .....	١٨٣
١٤	وجعلت لى الارض مسجدا و طهورا	٣٥٠، ١٨٤
١٥	الخلافة فى امتى ثلاثون سنة	٢٠٣
١٦	خلافة النبوة ثلاثون سنته ثم .....	٢٠٣
١٧	عليكم بسنتى و سنته الخلفاء راشدين	
	المهدين	٢١٩، ٢٠٣

نمبر شمار	اطراف الاحاديث والآثار	صفحہ
۱۸	ولقد نعلم انك يضيق صدرك بما يقولون لان الجبلۃ البشرية.....	۲۲۹
۱۹	قال المسور بن محرمه قلت لا بى جهل و كان خالى. يا خال هل كنتم تتهمون محمد.....	۲۵۲
۲۰	ان رسول الله ﷺ اقطعه العقيق اجمع.....	۲۸۲
۲۱	من كان عنده فضل ظهر فليعد به.....	۲۹۵
۲۲	الاقتصاد نصف المعيشة	۳۰۱
۲۳	الملك يبقى مع الكفر و لا يبقى مع الظلم	۳۰۲
۲۴	كاد الفقرا ان يكون كفراً	۳۰۳، ۲۹۷
		۲۳۹
۲۵	ليس المؤمن الذى يشبع وجاه جائع	۳۰۴
۲۶	اليد العليا خير من يد السفلى	۳۰۵
۲۷	دمى دمكم و عرضى عرضكم انا منكم وانتم منى	۳۵۷
۲۸	لا يومن احدكم حتى يكون هواه تبعاً لما جئت به	۳۹۰
۲۹	كل شىء من امر الجاهلية تحت قدمى موضوع	۳۹۹
۳۰	ما من مولد يولد الا على الفطرة	۴۳۱
۳۱	بعثت لاتمم مكارم الاخلاق	۴۳۳



اشعار



نمبر شمار	شعر	شاعر	صفحه
	فارسی اشعار		
۱	آتش او صد ابراهیم سوخت تا چراغ یک محمد بر فروخت	اقبال	17
۲	گرچه ملت هم بمیرد مثل فرد از اجل فرماں پذیرد مثل فرد	اقبال	17
۳	امت مسلم از آیات خداست اصلش از هنگامه قالوا بلی است از اجل این قوم بے پرواست استوار از سخن نزلنا است ذکر قائم از قیام ذاکر است از دوام او دوام ذاکر است تا خدا ان یطفوا فرموده است از فسرون این چراغ آسوده است	اقبال	18

نمبر شمار	شعر	شاعر	صفحہ
۴	از رسالت در جہاں تکوین ما از رسالت دین ما آئین ما از رسالت صد ہزار مایک است جزو ما از جزو ما لاینفک است آں کہ شان اوست یھدی من یرید از رسالت حلقہ گرد ماکشید فرد از حق ملت از وے زندہ است از شعاع مہر او تابندہ است	اقبال	23
۵	از رسالت ہم نوا گشتیم ما ہم نفس و ہم مدعا گشتیم ما	اقبال	24
۶	سیاست کار پیغمبران بود دریں دور کار بولہب شد		29
۷	فروع خاکیاں از نوریاں فزوں شود روزے زمیں از کوب تقدیر ماگردوں شود روزے	اقبال	61

نمبر شمار	شعر	شاعر	صفحہ
۸	پس خدا بر ما شریعت ختم کرد بر رسول ما رسالت ختم کرد	اقبال	103
۹	رونق ازما محفل ایام را اورسل را ختم وما اقوام را	اقبال	103
۱۰	می ندانی آیم ام الکتاب امت عادل ترا آمد خطاب آب و تاب چہرہ ایام تو در جہاں شاہد علی الاقوام تو جلوہ در تاریکی ایام کن آنچہ بر تو کامل آمد عام کن لزم از شرم توچوں روز شمار پرسدت آل آبروئے روزگار	اقبال	103
۱۱	حرف حق از حضرت ما برودہ پس چرا با دیگران نسپردہ	اقبال	104

صفحہ	شاعر	شعر	نمبر شمار
125	اقبال	نہال ترک زبرق فرنگ بار آورد ظہور مصطفوی <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> را بہانہ بولہبی است	۱۲
141	اقبال	از اجل این قوم بے پروا سے استوار از سخن نزلنا سے	۱۳
147	اقبال	می توای منکر یزداں شدن منکر از شان نبی نتوای شدن	۱۴
160	اقبال	گریک ذرہ کم گردد از انگیز وجود من بایں قیمت نمی گیرم حیات جاودا نے را	۱۵
177	اقبال	مدعا راز بقائے زندگی جمع سیماب قوائے زندگی چوں حیات از مقصدے محرم شود ضابطہ اسباب این عالم شود	۱۶

صفحہ	شاعر	شعر	نمبر شمار
178	اقبال	زبانکہ در تکبیر راز بود تست حفظ و نشر او مقصود تست می ندانی آیه ام الکتاب امت عادل ترا آمد خطاب	۱۷
178	اقبال	از رسالت در جہاں تکوین ما از رسالت دین ما آئین ما	۱۸
180	اقبال	خواجہ از خون رنگ مزدور سازد لعل ناب از جفائے وہ خدایاں کشت دہقانان خراب انقلاب انقلاب اے انقلاب	۱۹
244	عرفی	ز نقص تشنہ لبی داں و بعقل خویش مناز دلت فریب گر از جلوہ سراب نخورد	۲۰
304	اقبال	کس نگر دو در جہاں محتاج کس تکتہ شرع میں ہیں این است و بس	۲۱

نمبر شمار	شعر	شاعر	صفحہ
۲۲	چوں در خلوت می روند کار دیگر میں کنند	اقبال	378
۲۳	چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی	اقبال	379
۲۴	ایں خیال است و محال است و جنوں	رومی	401
۲۵	تانه رمز لاله آید بدست		
	بند غیر اللہ نتوان شکست	اقبال	404
اردو اشعار			
۲۶	اگر عثمانیوں پہ کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا تیرے سینے میں ہے پوشیدہ راز زندگی کہہ دے مسلمان سے حدیث سوز و ساز زندگی کہہ دے	اقبال	22
۲۷	حادثہ وہ جو ابھی پردہ افلاک میں ہے عکس اس کا میرے آئینہ ادراک میں ہے	اقبال	23



صفحہ	شاعر	شعر	نمبر شمار
30	اقبال	جہان تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا	۲۸
106	اقبال	بتلائے درد کوئی عضو ہو، روتی ہے آنکھ کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ	۲۹
135	اقبال	ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی ﷺ سے شرار بولہبی حیات شعلہ مزاج و غیور و شور انگیز سرشت اس کی ہے مشکل کشی، جفا طلبی اس کشاکش پیہم سے زندہ ہیں اقوام یہی ہے راز تب و تاب ملت عربی	۳۰
236-165	اقبال	ملا کو جو ہند میں ہے سجدے کی اجازت نادان ہے سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد	۳۱

صفحہ	شاعر	شعر	نمبر شمار
165	اقبال	ہے مملکت ہند میں عجب طرفہ تماشا اسلام مجبوس ہے اور مسلمان ہے آزاد	۳۲
174	اقبال	عصا نہ ہو تو کلیسیا ہے کار بے بنیاد	۳۳
176	ماہ تمام	مجھ کو تہذیب کے برزخ کا بنایا وارث جرم یہ بھی میرے اجداد کے سر چائے گا	۳۴
177	اقبال	یقین پیدا کر اے ناداں یقین سے ہاتھ آتی ہے وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری	۳۵
177	اقبال	جب تک نہ ہو تیرے ضمیر پر نزول کتاب گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف	۳۶
177	اقبال	اک دانش نوری اک دانش برہانی ہے دانش برہانی حیرت کی فراوانی	۳۷

صفحہ	شاعر	شعر	نمبر شمار
177	اقبال	خوب و ناخوب عمل کی ہو گرہ وا کیونکر گر حیات آپ نہ ہو شارح اسرار حیات	۳۸
178	اقبال	ندرت فکر و عمل کیا شے ہے؟ ذوق انقلاب ندرت فکر و عمل کیا شے ہے؟ ملت کا شباب	۳۹
257	ظفر علیخاں	نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا	۴۰
259	اقبال	جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا	۴۱
274	اقبال	باطل دوئی پسند اور حق لا شریک ہے شرکت میان حق و باطل نہ کر قبول	۴۲
277	اقبال	میر سپاہ ناسزا لشکریاں شکستہ صف آہ وہ تیر نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف	۴۳

صفحہ	شاعر	شعر	نمبر شمار
277	اقبال	میں جانتا ہوں انجام اس کا جس معرکے میں ملا ہوں غازی	۴۴
278	اقبال	سرور جو حق و باطل کے کارزار میں ہے تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے! جہاد میں بندہ حر کے مشاہدات ہیں کیا؟ تری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہیے! بیاں میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے!	۴۵
178	اقبال	غلامی کیا ہے؟ ذوق حسن و زیبا سے محرومی جسے زیبا کہیں آزاد بندے ہے وہی زیبا بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر کہ دنیا میں فقط مردانِ حرکی آنکھ ہے بینا	۴۶

صفحہ	شاعر	شعر	نمبر شمار
178	اقبال	ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفویٰ سے شرار بو لہبی اسی کشاکش پیہم سے زندہ ہیں اقوام یہی ہے راز تب و تاب ملت عربی	۴۷
179	اقبال	جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار	۴۸
179	اقبال	خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟	۴۹
179	اقبال	فکر کی سان پہ جب چڑھتی ہے تیغ خودی اک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ	۵۰
179	اقبال	تمدن ' تصوف ' شریعت ' کلام بتان عجم کے پجاری تمام	۵۱

صفحہ	شاعر	شعر	نمبر شمار
179	اقبال	فکر عرب کو دے کر فرنگی تخیلات اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو	۵۲
179	اقبال	فقیر شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور کہ معرکے ہیں شریعت کے جنگ دست بدست	۵۳
199	اقبال	چاک کر دی ترک نادان نے خلافت کی قبا سادگی مسلم کی دیکھ اور اس کی عیاری بھی دیکھ دیکھ مسجد میں شکست رشتہ تسبیح شیخ اور بت کدہ میں برہمن کی زناری بھی دیکھ!	۵۴
200	اقبال	یقین مثل خلیل آتش نشینی یقین اللہ مستی خود گزینی سن اے تہذیب حاضر کے گرفتار غلامی سے بدتر ہے بے یقینی	۵۵
236 351	اقبال	وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا	۵۶

نمبر شمار	شعر	شاعر	صفحہ
۵۷	زندگی سے بھٹک کر آیا ہوں میں اے میرے ہدم مجھے اب تھام لے	ن۔م۔راشد	236
۵۸	یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید آرہی ہے دما دم صدائے کن فیکوں	اقبال	237
۵۹	جو تھا ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر	اقبال	244 363,357
۶۰	ہو بندہ آزاد اگر صاحب الہام ہے اسکی نگہ فکر و عمل کے لئے مہینز اسکے نفس گرم کی تاثیر ہے ایسی ہو جاتی ہے خاک چمنستاں شرر انگیز اس مرد خود آگاہ و خدامت کی صحبت دیتی ہے گداؤں کو شکوہ جم و پرویز محکوم کے الہام سے اللہ بچائے غارت گر اقوام ہے وہ صورت چنگیز	اقبال	280

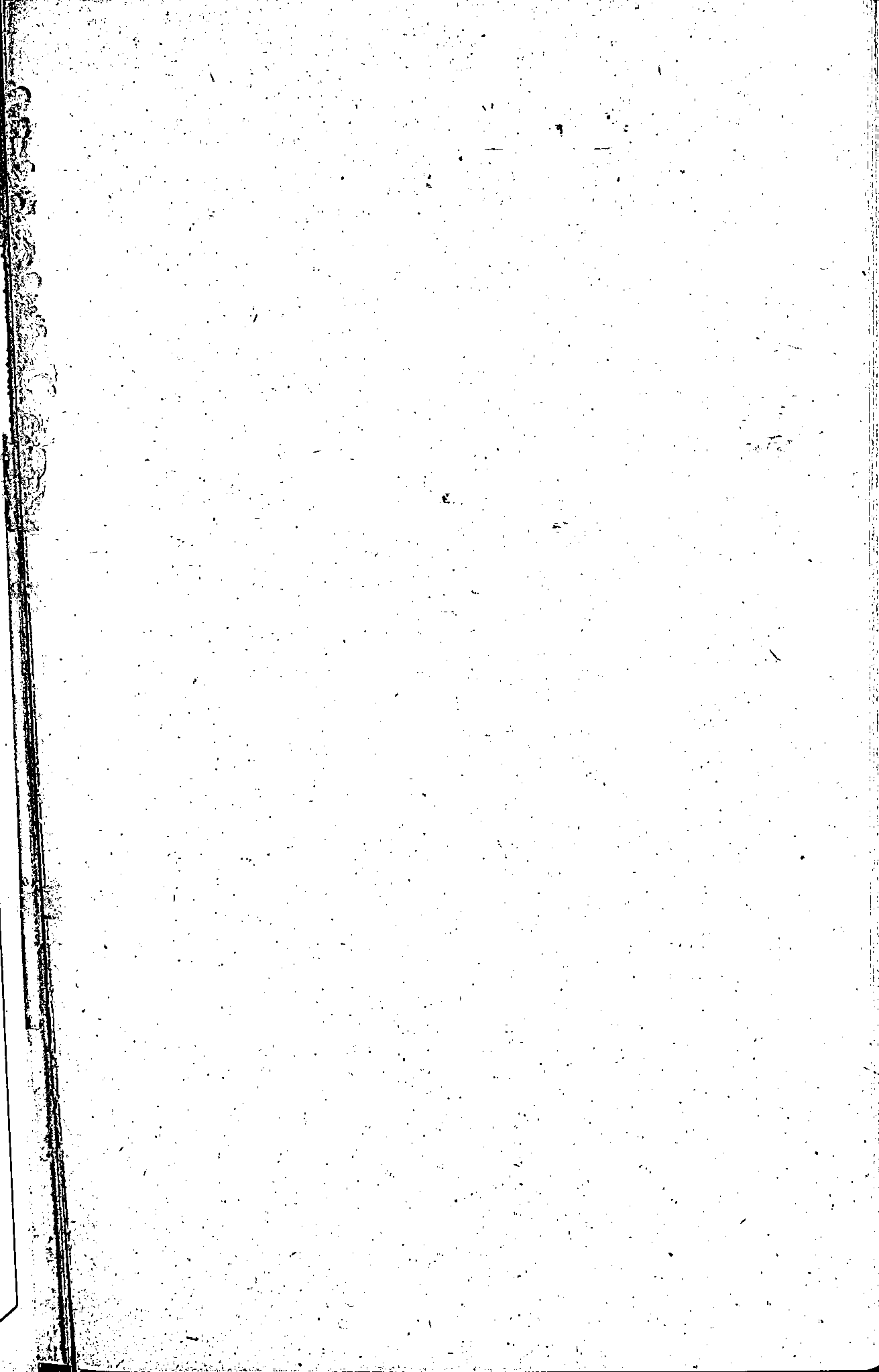
صفحہ	شاعر	شعر	نمبر شمار
289	اقبال	گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا کہاں سے آئے صدا لا الہ اللہ	۶۱
289	اقبال	گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی	۶۲
298		دو وقت کی روٹی بھی نہ ہو جن کو میسر کب تک وہ عقیدے کی غذا کھا کے جئیں گے	۶۳
303	اقبال	بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر کہ دنیا میں فقط مردانِ حرکی کی آنکھ ہے بینا	۶۴
326	اقبال	مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے خانقاہوں میں کہیں لذت اسرار بھی ہے منزلِ رُحرواں دور بھی دشوار بھی ہے کوئی اس قافلے میں قافلہ سالار بھی ہے	۶۵



صفحہ	شاعر	شعر	نمبر شمار
327	غالب	بیچارگی کے ہاتھ سے ہوتا ہے خون دل بے دست و پا کو دیدہ بینا نہ چاہئے	۶۶
357	اقبال	ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے جو پیرہن اسکا ہے وہ مذہب کا کفن ہے	۶۷
358	اقبال	یہ بت کہ تراشیدہ تہذیب نوی ہے غارت گر کاشانہ دین نبوی ہے بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے اسلام تیرا دین ہے تو مصطفوی ہے	۶۸
377	اقبال	وضع میں تم ہو نصاریٰ تمدن میں ہنود یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمانیں یہود	۶۹
379	اقبال	اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے	۷۰

صفحہ	شاعر	شعر	نمبر شمار
401	اقبال	یہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو فکر عرب کو دے کر فرنگی تخیلات اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو	۷۱
404	اقبال	اسی سے ٹوٹ سکتا تھا یہ طلسم رنگ و بو یہی توحید تھی جسے نہ تو سمجھانہ میں سمجھا	۷۲
410	اقبال	نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے وہی آب گل ایراں وہی تبریز ہے ساقی	۷۳
410	اقبال	آئین نو سے ڈرنا طرز کہن پہ اڑنا منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں	۷۴
436	اقبال	قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار	۷۵

مضامین



صفحہ	مضامین	نمبر شمار
369	آئیڈیالوجی	۱
82	ابدی فلاح کا قانون	۲
318	اجتہاد	۳
139-136	احیائی جدوجہد	۴
30	اخلاق	۵
426	.....تعریف	
34-33-32	اخلاقی قانون سعادت و شقاوت	۶
370	اسماء الرجال	۷
400-397	اشراقیت	۸
373	اصول تہذیب	۹
335	افتراق، نسلی و طبقاتی	۱۰
202	اقامت دین	۱۱
30	اقدار	۱۲
410	.....متغیر و مستقل	
30	الکتاب	۱۳
136	الوحی منصوبہ بندی	۱۴
31	انسان مرتضیٰ	۱۵
380	انسانی شعور کی جہات	۱۶
31	ایمانی حقوق	۱۷

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
337	تبرج الجاہلیہ	۱۸
30	تبلیغ	۱۹
384	تجدد	۲۰
54,44,30	تزکیہ	۲۱
427	..... شرائط ثلاثہ	
291	تصور ملکیت	۲۲
31	تضمن	۲۳
31	تعین	۲۴
104	تعینات خمسہ	۲۵
54	تغیرات	۲۶
299	تقسیم و گردش دولت	۲۷
403,50,30	تکمیل دین	۲۸
31	تمیز	۲۹
363	تہذیب	۳۰
66,59	تہذیبی تصادم	۳۱
404	توحید	۳۲
59	پیراڈائیم، قرآنی	۳۳
365	ثقافت کے نمونے	۳۴
430	جبریت	۳۵

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
426	جبلی داعیات	۳۶
74,69,67,66	چہارگانہ فرائض نبوت	۳۷
425	حالت مستمرہ	۳۸
409,30,29	حجۃ من بعد الرسل	۳۹
399	حجۃ الوداع	۴۰
32	حدود	۴۱
314	حدیث کی تشریحی و تشریحی حیثیت	۴۲
75,69,68	حکمت	۴۳
337	حکم الجاہلیۃ	۴۴
336	حمیۃ الجاہلیۃ	۴۵
335	حیات اجتماعی کی سطحات	۴۶
344,343,342,339	حیات عمرانی	۴۷
421,420	درس نظامی	۴۸
406,56	دعوت	۴۹
147	دعوی تصدیق ثقافت	۵۰
23	ذات نبوت سے تعلق	۵۱
30	رزق	۵۲
423	روحانیہ، عمرانی و ثقافتی	۵۳
344,53,31	روحانی الذہن	۵۴
75	سائنس	۵۵

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
79	سنت اللہ	۵۶
59	سوشلزم	۵۷
31	تکست خوردگی	۵۸
409,405,27	صحف ماسبق	۵۹
31	صحیفہ انقلاب	۶۰
426	ضبط و انقیاد	۶۱
336	ظن الجاہلیہ	۶۲
117	عبوری حکمت عملی	۶۳
کثیر الاستعمال	عروج و زوال	۶۴
149	عمل صالح درجات و سطحات	۶۵
426	عملی توثیق	۶۶
390,28,26,25	علم بالوحی و زائیدہ	۶۷
423,409,402		
26	علم غایت	۶۸
26	علم ماہیت	۶۹
419	علوم مذہبی و غیر مذہبی	۷۰
54,27	غائیت	۷۱
202	غلبہ دین حق	۷۲
30	غیب	۷۳
59	فاشزم	۷۴



نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۷۵	فتنہ و طہیت	24
۷۶	فطرت	31
	..... مثنویت	50
	..... بالفعل، بالقوة	428
۷۷	فکر	65
۷۸	فکری تغیرات	235
۷۹	فن تفسیر	421
۸۰	قانون تضاد	50,33,32
۸۱	قانون نشوونما	50,32
۸۲	قرآنی فلسفہ انقلاب	135,77,74,63
۸۳	کلمچر	365,363
۸۴	مادیت	397
۸۵	متنہیت	400,397
۸۶	مذہبی واردات	43,38
۸۷	مراحل خمسہ	113
۸۸	مزاحمت	31
۸۹	مزاحمت مزاحمت	33,31
۹۰	مسلم فیملی لاء آرڈیننس	310
۹۱	معاشی تعطل	322

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
353,349	معابدہ عمرانی	۹۲
113	معاند	۹۳
352,353	مطاع و مطیع	۹۴
53,31	مطاع مشہود	۹۵
249,191,76	معمول بہ دین	۹۶
401,397	معرضیت	۹۷
31	معیار	۹۸
75	معیاری دین	۹۹
287,284,283	منصب داری نظام	۱۰۰
31,27	منہاج	۱۰۱
404	..... منہاج و شرع میں فرق	
46	منہاج القرآن	۱۰۲
409	مواعظ ہدایت	۱۰۳
409,397,367,363,339	موثرات حیات	۱۰۴
392	میڈیا	۱۰۵
386	میکانی اصول علیت	۱۰۶
کثیر الاستعمال	نتیجہ خیزی	۱۰۷
44	نسبت	۱۰۸
434	نفس اقسام	۱۰۹

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
44	وجدان	۱۱۰
358,340,335	وطن پرستی	۱۱۱
328,319,234	ہیتِ اصلیہ	۱۱۲
328,319,234	ہیتِ کذائے	۱۱۳
367,366,352,350,344	ہیتِ عمرانی	۱۱۴
59	یہودیت	۱۱۵



صفحہ نمبر	اعلام	نمبر شمار
136-17	آدم	۱
413	آل پارٹیز مسلم کانفرنس	۲
225-161-160-57-40	ابراہیم	۳
356-230-231-226		
39		
36	ابن برهان	۴
314	ابن تیمیہ	۵
198	ابن سعود	۶
420	ابن سینا	۷
438	ابن عربی	۸
438	ابن کثیر	۹
76	ابوالحسن اشعری	۱۰
241	ابوالحسن علی ندوی	۱۱
219	ابوبکر	۱۲
196	ابوبکر بغدادی	۱۳
296-203	ابوداؤد	۱۴
255-25	ابوجہل	۱۵
295	ابوسعید خدری	۱۶
438	ابومحمد روز بہان	۱۷

صفحہ نمبر	اعلام	نمبر شمار
175	احسان لاہور روزنامہ	۱۸
437-76-20	احمد رضا خان	۱۹
437	احمد سعید کاظمی، سید	۲۰
19	احمد شاہ ابدالی	۲۱
18	احیائے علوم الدین	۲۲
21	اخوان المسلمین	۲۳
193	اسامہ بن زید	۲۴
104	اسرار اور موز	۲۵
312	اسماعیل دہلوی	۲۶
216	اشاعرہ	۲۷
125-103-35-25-21-19-18	اقبال ڈاکٹر محمد	۲۸
200-197-179-165-160		
147-141-288-277-274		
259-244-236-410-401		
393-377-363-357-340		
436-423-416-412		
19	اکبری دور	۲۹
19	الطاف القدس	۳۰
19	العقد الجید	۳۱
19	الفوز الکبیر	۳۲

صفحہ نمبر	اعلام	نمبر شمار
19	المسوی	۳۳
19	المصطفیٰ	۳۴
19	الانصاف فی بیان سبب الاختلاف	۳۵
43-42	المنقذ من الضلال	۳۶
330-312	امام اعظم	۳۷
112-18	امام حسینؑ	۳۸
73	امہات المؤمنین	۳۹
195	اموی دور	۴۰
154-96-91-85-71	انجیل	۴۱
199	انڈونیشیا	۴۲
19	اورنگزیب عالمگیر	۴۳
366-342-320-196	ایران	۴۴
279	ایسٹ انڈیا کمپنی	۴۵
208-196-193-24	ایشیا	۴۶
211	ایوب خان	۴۷
213-208	ایوبی، سلطان صلاح الدین	۴۸
343-182-181	برٹریٹڈر سل	۴۹

صفحہ نمبر	اعلام	نمبر شمار
48-45-38-34-25-19-18 21-359-358-181-175 58-53-416-412-411 393-391-439	برہان احمد فاروقی ڈاکٹر	۵۰
195	بنو امیہ	۵۱
195	بنو عباس	۵۲
213	بنو عثمان	۵۳
255-254	بنو ہاشم	۵۴
143-114-141-107-71	بنی اسرائیل	۵۵
438	بیضاوی امام	۵۶
391	بیگو وچ، عالیجاہ علی عزت	۵۷
125	پیام مشرق	۵۸
214-197-196-195	تاتاری	۵۹
309-215		
92	تبع، قوم	۶۰
20	تحریک خلافت	۶۱
20	تحریک ریشمی رومال	۶۲
21	تحریک وہابیت	۶۳
242	ترکان عثمانی	۶۴
203	ترندی	۶۵



صفحہ نمبر	اعلام	نمبر شمار
213	تغلق خان	۶۶
20-19	تفہیمات	۶۷
96-91-75	تورات	۶۸
416	ٹائمز آف انڈیا	۶۹
343	ٹوائس بی	۷۰
311	ثناء اللہ امرتسری	۷۱
70	جالوت	۷۲
288	جامی	۷۳
253-78	جبریل	۷۴
250	جبریہ	۷۵
48	بصا ص، امام	۷۶
20-18	جمال الدین افغانی	۷۷
242	جمال الدین، شیخ	۷۸
180	جمعیت شبان المسلمین	۷۹
20	جمعیت علما ہند	۸۰
285-284	حارث بن بلال	۸۱
378	حافظ شیرازی	۸۲
20	حجۃ اللہ البالغہ	۸۳
123-99-98-33-20	حزب اللہ	۸۴

صفحہ نمبر	اعلام	نمبر شمار
175-24	حسین احمد مدنی، مولانا	۸۵
162-21-18	حسن البنا	۸۶
کثیر الاستعمال	حضور اکرم ﷺ	۸۷
17	خاتم الوحی	۸۸
250	خارجی	۸۹
312-279	خیر آبادی، مولانا فضل حق	۹۰
411	داتا گنج بخش	۹۱
70	داؤد	۹۲
438-288-229	رازی، امام	۹۳
24	راغب احسن	۹۴
183	راغب، امام	۹۵
438-21	رشید رضا، علامہ	۹۶
250	رافعی	۹۷
415	روسو	۹۸
288	رومی	۹۹
180-179	زبور عجم	۱۰۰
108	سامری	۱۰۱
412	سپریم کورٹ	۱۰۲
343	سپینگر	۱۰۳

صفحہ نمبر	اعلام	نمبر شمار
340	ستیشمین روزنامہ	۱۰۴
423	سر سید احمد خان	۱۰۵
415	سرمی شاستری	۱۰۶
372	سلاطین خاندان	۱۰۷
213-197	سلیمان اعظم سلطان	۱۰۸
59	سیموئیل ہڈکلٹن	۱۰۹
438	سیوطی امام	۱۱۰
80-41-22-20-19-18	شاہ ولی اللہ	۱۱۱
423-327-325		
387-193	صدیق اکبر	۱۱۲
280-278-165	ضرب کلیم	۱۱۳
224	طارق بن زیاد	۱۱۴
37	طاہر علاؤ الدین، سیدنا قدوة الاولیاء	۱۱۵
197	ظفر علی خان	۱۱۶
438	طنطاوی جوہری	۱۱۷
21	طہ حسین ڈاکٹر	۱۱۸
181-175-25	ظفر احسن ڈاکٹر سید	۱۱۹
326	عالمگیری فتاویٰ	۱۲۰
195	عباسی دور	۱۲۱

صفحہ نمبر	اعلام	نمبر شمار
197-151	عبد القادر جیلانی	۱۲۲
314-198	عبد الوہاب نجدی	۱۲۳
438-21-18	عبدہ، مفتی محمد	۱۲۴
285	عبداللہ بن ابی بکر	۱۲۵
387	عبدالرحمن ثعالبی	۱۲۶
438	عبدالرحمن سلمی	۱۲۷
20-18	عبید اللہ سندھی	۱۲۸
213-197	عثمان خان	۱۲۹
219-198	عثمان غنی	۱۳۰
310-309-207	عثمانیہ خلافت	۱۳۱
439	عثمانی، آئی ایچ	۱۳۲
244	عرفی	۱۳۳
198-20	علی برداران	۱۳۴
304-219-160	علی مرتضیٰ	۱۳۵
213	عمر بن عبدالعزیز	۱۳۶
219-216-157	عمر فاروق	۱۳۷
85-71	عیسیٰ	۱۳۸
230-57	عزیز	۱۳۹
387-288-42-41-18	غزالی	۱۴۰

صفحہ نمبر	اعلام	نمبر شمار
372	غلامان 'خاندان	۱۴۱
411-76	غوث الا عظیم	۱۴۲
420	قارابی	۱۴۳
227	فاطمہ "سیدہ	۱۴۴
242	فرانس اول	۱۴۵
169-144-143-111-109	فرعون	۱۴۶
242	فلپ کے ہٹی	۱۴۷
182-59	فوکویاما، فرانس	۱۴۸
411	فیڈرل شریعت کورٹ	۱۴۹
20	فیوض الحرمین	۱۵۰
111	قارون	۱۵۱
326	قاضی خان، فتاوی	۱۵۲
250	قدریہ	۱۵۳
438	قرطبی	۱۵۴
162-18	قطب شہید، سید	۱۵۵
220	قیصر	۱۵۶
391	کانگریس	۱۵۷
220	کسری	۱۵۸
198	کمال اتاترک	۱۵۹

صفحہ نمبر	اعلام	نمبر شمار
60	کنفیو شزم	۱۶۰
216	ماتریدیہ	۱۶۱
330	مالک امام	۱۶۲
185-184	ماوزے تنگ	۱۶۳
41	مجدد الف ثانی	۱۶۴
310	مجلة الاحکام العدلیہ	۱۶۵
کثیر الاستعمال	محمد رسول اللہ ﷺ	۱۶۶
20	محمود الحسن، مولانا	۱۶۷
250-216	مرجیہ	۱۶۸
71	مریم	۱۶۹
196	مستعصم باللہ	۱۷۰
254	مسور بن محرمہ	۱۷۱
193	مسيلمہ کذاب	۱۷۲
250-216	معتزلہ	۱۷۳
372	مغل خاندان	۱۷۴
310	ملا ڈی۔ ایف	۱۷۵
36	مناہج العرفان	۱۷۶
48	منتخبات القرآن	۱۷۷
55	میشاق مدینہ	۱۷۸

صفحہ نمبر	اعلام	نمبر شمار
438	نجم الدین	۱۷۹
391-374-126	نصاری	۱۸۰
420	نظام الدین سہالوی	۱۸۱
19	نظام الملک، آصف جاہ	۱۸۲
262-261	نوح	۱۸۳
386	ولیم میور	۱۸۴
112-108-107	ہارون	۱۸۵
111	ہامان	۱۸۶
199	ہٹلر	۱۸۷
213	ہشام	۱۸۸
424-200-197	ہلاکو خان	۱۸۹
60	ہندوازم	۱۹۰
244-181	ہیگل، فریڈرک	۱۹۱
285	یحییٰ بن آدم	۱۹۲
213-112	یزید	۱۹۳
84	یعقوب	۱۹۴
391-386-374-126	یہود	۱۹۵
170	یوسفؑ	۱۹۶
138	یونسؑ	۱۹۷





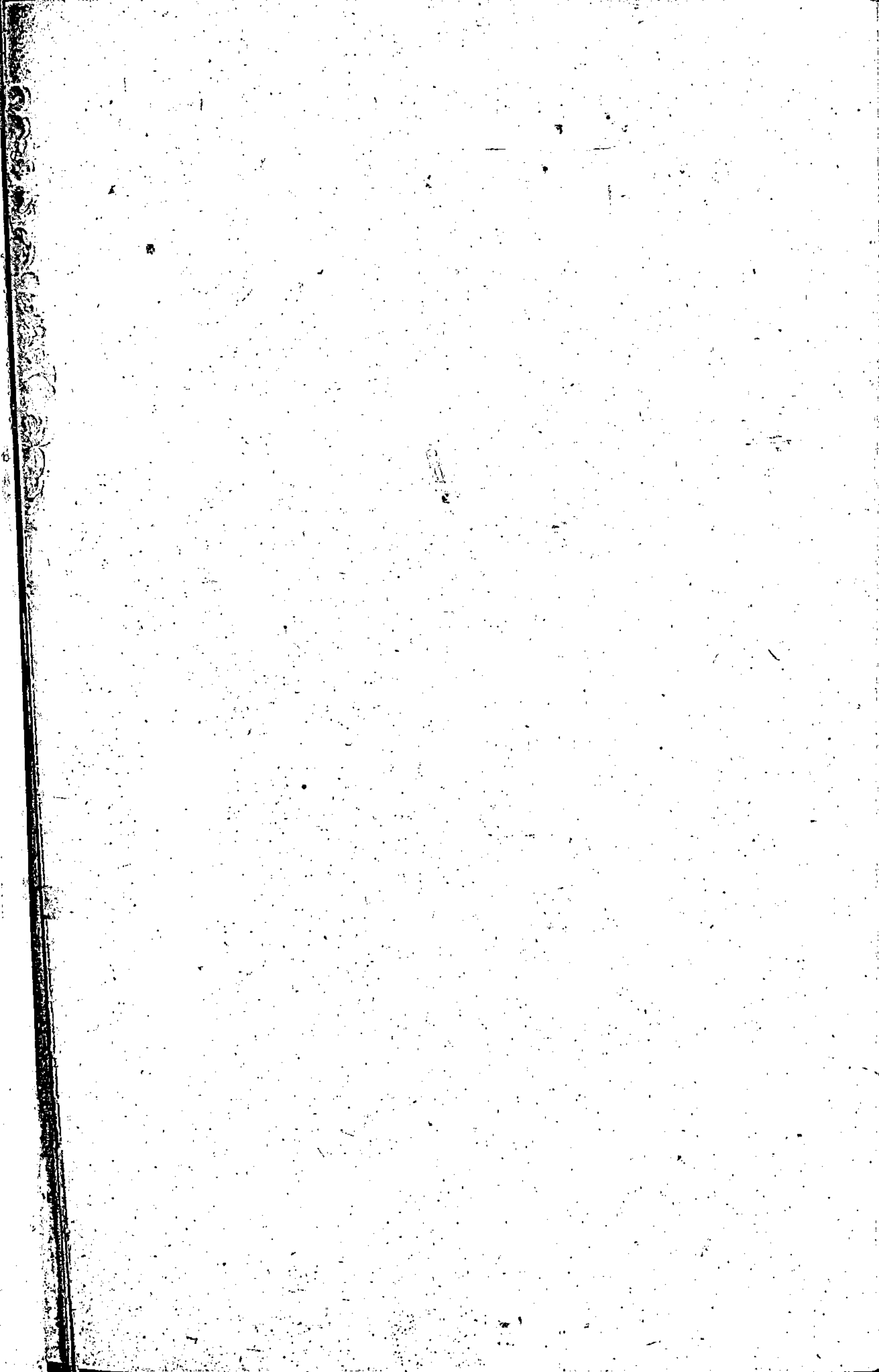
صفحہ نمبر	اماکن و بلاد	نمبر شمار
387	آکسفورڈ	۱
310	اردن	۲
220	اسرائیل	۳
208-169-193	افریقہ	۴
358	افغانستان	۵
365	الحمراء	۶
416-24	الہ آباد	۷
413	انبالہ	۸
199	انڈونیشیا	۹
366-342-320-196	ایران	۱۰
208-196-193-24	ایشیا	۱۱
245	بابری مسجد	۱۲
386-366-208	بابل	۱۳
341-340-283	برصغیر	۱۴
413-402-309-202-199-197	برطانیہ	۱۵
330-309-200-197, 196	بغداد	۱۶
198	بلقان	۱۷
414-413-288-196-193	بلوچستان	۱۸
112	بوسنیا	۱۹

صفحہ نمبر	اماکن و بلاد	نمبر شمار
196	بیت المقدس	۲۰
208-196	ترکستان	۲۱
342-199-198	ترکی	۲۲
412-411-341-310	پاکستان	۲۳
233-211-210-112		
387	پرنسٹن	۲۴
414	پنجاب	۲۵
60	جاپان	۲۶
363-199	جرمنی	۲۷
437	جھنگ	۲۸
245	چراہ شریف	۲۹
208-196	چین	۳۰
55	حدیبیہ	۳۱
198	حرمین شریفین	۳۲
245	درگاہ حضرت بل	۳۳
320	دمشق	۳۴
380-366-208-196	روم	۳۵
195	سپین	۳۶
193	سراندیپ	۳۷

صفحہ نمبر	اماکن و بلاد	نمبر شمار
414-413	سرحد	۳۸
358-198	سعودی عرب	۳۹
196-413-192	سندھ	۴۰
208-196-310-111	شام	۴۱
208-310-199	عراق	۴۲
242	فرانس	۴۳
208-112	فلسطین	۴۴
411-112	کشمیر	۴۵
330	کوفہ	۴۶
387	کیمبرج	۴۷
220	ماسکو	۴۸
193	مالدیپ	۴۹
196	ماوراء النہر	۵۰
375-330-192-171-134	مدینہ	۵۱
380-208-170-169-111	مصر	۵۲
20	مکہ مکرمہ	۵۳
387	میک گل	۵۴
386-366-208	نینوا	۵۵
387-220	واشنگٹن	۵۶

صفحہ نمبر	مآکن و بلاد	نمبر شمار
386-373-372-339-208-192	هند	۵۷
208	یورپ	۵۸
424-386-366	یونان	۵۹

ضمیمہ جات



## فہرست

صفحہ	عنوانات	نمبر شمار
۵۳۵	منتخبات القرآن (قائد انقلاب کا قلمی مسودہ)	۱
۵۹۹	قرآنی فلسفہ انقلاب (قائد انقلاب کا قلمی مسودہ)	۲
۶۲۹	تحریر ڈاکٹر برہان احمد فاروقی	۳
۶۳۱	تحریر قائد انقلاب (محررہ ۱۹۷۳ء)	۴
۶۴۷	جدول عروج و زوال (قائد انقلاب کا قلمی مسودہ)	۵
۶۴۹	مکتوب علامہ اقبال	۶
۶۵۳	تظریہ تصوف کے حوالے سے قائد انقلاب کا مکتوب مرتب کے نام	۷

7  
8  
9  
10  
11  
12



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نمبر شمار - نام سورۃ - آیات - ① - پارہ - موضوعات			
1	الفلق	تمام	1
2	البقرۃ	18	1
3	آل عمران	30 - 38	"
4	مائدہ	40 - 46	"
5	احزاب	83 - 86	"
6	مائدہ	157 - 159	2
7	مائدہ	172 - 179	4
8	مائدہ	188 - 190	"
9	مائدہ	193 - 204	"
10	مائدہ	220 - 243	4
11	مائدہ	252 - 256	3
12	مائدہ	257 - 261	"

صفت رجبیت - صفت متقین - سبب شرف النبی - خطاب بنی اسرائیل - میثاق بنی اسرائیل - بیان عبرت و استقامت - کلمہ اکل حلال - کلمہ برادر صدق و تقویٰ - کلمہ حیات شہداء

استیعاب فتنہ و شر - متفرق موضوعات (مذکورہ ذیل) - بنی اسرائیل کی بزدلی (مفسدہ طاقت) - تخمینہ بین الحق و الباطل - دروغ النفاق فی سبیل اللہ - حرمت و شناعیت رجب - (سودی نظام معیشت کی مذمت)

موضوعات	آیات (2) پارہ	نمبر شمار	نمبر سورتہ
مستقرن موضوعات	3	13	آل عمران
اطاعت و اتباع رسول	"	14	"
اہل کتاب سے خطاب (بالخصوص یسوع)	"	15	"
ذات تمسک باللہ <sup>تبت</sup> ذن کعبہ اللہ کی عالمی	"	16	"
و دیگر موضوعات (عالمی مرکز حریت)	4		
ذات اعتقاد باللہ ذن فراغ امت پر	"	17	"
① دعوت الی الخیر ② امر بالمعروف ③ نہی عن المنکر ④ بیان کامل			103 - الحار
عزیم اقوام کی اسلام دشمنی	"	18	"
ذات اطاعت رسول (ذات مسامتت الی الخیر)	"	19	"
ذات نو بینین کی آزمائش و امتحان			
(ذات) <u>عظمت اہل حق</u> - <u>شکست بالمل</u>	4	20	"
فراغ جہان نبوت اور واقعہ صفا	"	21	"
حیات شہداء	"	22	"
تشکیل سیرت کی ہدایات -	"	22	"
راہ حق کے مضامین ① ہجرت	"	23	"
② اخراج ③ ایذا ④ قہال (تقابل)			
⑤ شہادت و آؤدوان سیدنا			
			1- اتانت صلوة 4- تغزیر رسل 2- اتیان زکوٰۃ 5- قرین حدیث 3- ایمان پائریل

موضوعات	آیات (3)	نام سورتہ	نمبر شمارہ
معارف صبر، صفت، مدعا و بیعت، حفاظت و گمانی لقد تقویٰ — مدح و ایجابی	4	آل عمران 200 (آخری)	24
1- اطاعت رسولؐ 2- علامات منافقین 3- نظام اللہ کی نفاذ 4- حکم جبار و عزہ ر اللہ کی جود و رحمت	5	النساء 58 — 100	25
للول حمایت، خفیہ جادیز ا بیان	"	115 — 104	26
حکم عدل و قسط، ولادت کنار کی عزت علامات منافقین	"	149 — 135	27
معایب یہود - (انکی تباہ حالی کے اسباب)	"	162 — 160	28
رسالت قرآنی عالمگیریت	"	176 — 175	29
1- ایثار و عفو 2- تعاون و عدم تعاون کے لول (بڑو تقویٰ) — ائم و عدول 3- مالوسی کنار اور تکلیف دین حکم عدل و قسط	4	المائدہ 1 — 5	30
1- بیساق یہود 2- بیان لعدای 3- نقد بیساق	"	(دعویٰ، تنظیم، تربیت، تربیت، اللہ کی) 12 — 16 (مراحل ختم)	31

موضوعات	پارہ	آیات (۴)	ناکسورۃ	بم شمار
واقعہ وادی تیبہ - (انسان نلسطین کا عمل کا حکم اور پیوستہ اذکار - نتیجہ)	6	26 - 20	المائدہ	33
متفرق موضوعات	"	68 - 32	"	34
دلالتِ پیوستہ، کفاری و شرکیں کا ذکر	"	86 - 77	"	35
<p>عزیمہ 54 "التقدی مومنین" (التقدی کردہ) فضائل "ابتدائی" جاب التبر علیہ</p> <p>آلان حرب اللہ مع النابون</p>				
ظالم و جابر قوم کا انکار	7	45	انعام	36
غریب و غلی مومنین کی دلجوئی کا حکم	"	55 - 52	"	37
یہا بیت ربانی ہی لعل یہا بیت ہے	"	72 - 71	"	38
عزیز بہبود و تنقید (عوام کی اکثریت) ابتدائی طور میں مستند	8	118 - 116	"	39
گناہ کہ ظاہر و باطن میں اجتناب	"	122 - 121	"	40
تشکیل سیرت و کردار کی ہدایات	"	154 - 152	"	41
تفرقہ بازی کی نرت وین	"	166 - 160	"	(42)

الحاد

46

47

نمبر شمار	نمبر سورتہ	آیات (5) بارہ	معانی عامہ
43	اعراف	6 - 1	تبلیغ حق کا حکم ، ایمان کا قطع و طرہ
44	"	18 - 10	مقابلہ خورشید (قصہ زور زبلیسی)
45	"	34 - 29	بیان حرقات ، حکم عدل و قسط ، واقلد من فی الدین
46	"	53 - 44	1. النواضح 2. ظاہر الدہم 3. باطن الدہم 4. بغی بغیر الحق 5. الشکر باللہ 6. القول علی اللہ بغیر علم (الاشراء) کل امة ابل
47	"	158 - 157	اپنی جنت ، اپنی پہلی اور اپنی اعراف کے درمیان کیفیت آنور کا کلمہ
	شرائط صلح		1. صلح کی شرائط 2. رسالت قرآنی کا عالمگیریت 3. اخوت کے صفات
	1. رسالت مآبہ پر ایمان		1. الرسول 2. نبی 3. الہی
	2. تقرب و تعظیم		4. مکتوب فی التوبہ و التوبہ 5. اللہ عزوجل
	3. نصرت		6. انما من الذکر 7. تحمل الطیبت
	4. ایثار		8. خیرم الخبیث 9. داغ الدم والدمعہ 10. معظمت و مطاع

نمبر شمارہ آیت	آیات ⑥	نمبر شمارہ آیت	نمبر شمارہ آیت
48	اعراف 163 - 166	9	یمنی عن المنکر ما وجوب لزوم (لزم) طبقہ اور ہم دیکھ کر قابض ہونے والی طبقہ دونوں مذاب الہی کے مستحق ہیں
49	" 178 - 179	"	بیان پدایت و منکرات (بدیوت و شقی) لوگ باوجود دل درمیان مان اور انکو رکھنے کے فہم و ادراک سے محروم ہیں
50	" 199 - 202	"	عنو، امر بالعرف، الخراف عن الی علیین
و لو کرہ المجرمون			
51	الغالب 1 - 30	9	صفات مومنین - غلبہ حق اور شکست باطل (واقفہ بزرگی طرف اشارہ) حزب باطل سے جگہ نصرت الہی - و غیرہ
52	" 36 - 40	"	تقدار کمال کے غلبہ کا طرہ مال خیر کرنا، استعمال فتنہ اور غلبہ حق کیلئے جنگ و قتال،
53	43 - 75	10	جنگی مصالح و حکم - و باہمی تنازع، بزدلی کمزوری اور ب وقاری کا سبب بنتا ہے۔
الذین یقولون المنفقون والذین فی قلوبہم مرض عثرۃ علی اللہ وینفرون من بیوتہم علی اللہ فان اللہ عزیز قہیم			

vi) القلیدی مومنین کے نیک اعمال اور حق و باطل کی جنگ میں عینی اہل باطل کی صورت میں ملنا ہے۔ بزرگوار

vii) شیطان اہل باطل کی کوششیں انکی نظروں میں اچھی کر کے دکھاتا ہے (تا کہ وہ اپنے اعمال سے مطمئن رہیں)۔  
 اچھے غلبہ باطل کی امید دلاتا ہے۔

viii) مقابلہ میں بالآخر اچھے ذلیل و رسوا کروا کر ہجاک لگاتا ہے۔

ix) اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنی عطا کردہ نعمت (غلبہ و اقتدار یا کوئی اور) واپس نہیں لیتا۔ تا کہ وقتیکہ  
 وہ خود بدتر حالت میں نہ بدل جائیں۔ بزرگوار۔ (اس کا عکس ہی درست ہے)

x) جو قوم مومنین سے وعدہ کرے ہزار بار ٹوڑے۔ اے جنگ میں نہایت بہت ناک نژادو۔ بزرگوار  
 اگر کسی قوم سے نقصان پیدا اور دعا و قریب ہا اندیشہ ہو تو وہ عہد (Pact) اس کے لئے دے مارو۔

xi) اہل باطل کو (دشمنان اسلام کو) گلے گلے ہمہ وقت پوری طاقت سے تیار رکھنا۔  
 (Compulsory Military Training + War Preparation)

xii) دعوتِ صالحہ کے قبول کر لو۔ (دینی و مہتموک اسلام کی نظر سے)۔ بزرگوار

xiii) عورتوں کی تعداد میں ہی القلیدی قوموں کی کثرت اہل باطل پر غالب ہو سکتی ہیں۔

xiv) دشمنان اسلام (جو دین حق کو نقصان پہنچانے ہوتے ہیں) کا قلعہ توڑ کر دو۔ اہل معاہدہ اپنے کی بجائے خون بہانا (قتل کرنا) بہتر ہے۔

xv) ایمان، ہجرت، جہاد اور مدد و نصرت (القلیدی مومنین کے امتیازی خصائص) صفاتِ مومنین  
 (باہمی تعاون و تقاضا) نہ ہو تو اہل باطل

فتنہ و فساد بپا کر دیتے ہیں۔ کیونکہ "الذین کفروا بعنعمہ او لیاہد بہیں" اور "الکفر ملکہ واحدة"

(آج بھی مشاہدہ ہو سکتا ہے) ⑦

موضوعات	آیات	نمبر شمار
<p>بیان معاہدات کفار و مشرکین (بید آیات) اسلامی ریاست خالص نظریاتی ریاست ہوگی • (بہر حال میں نظریہ اسلامی کی بالادستی، تقویٰ و برتری تسلیم ہوگی)</p> <p>تقص مسیاق کے مرتکب مشرکین سے قتال • قبول اسلام یا طلب پناہ کی صورت میں معافی • غیر مسلموں کو حرم (رازدار) بنانے کی مخالفت • ایمان، ہجرت اور جہاد (بالتفسیر و بحال) کی عظمت و فضیلت • آباء و اولاد اولاد، ازواج و رشتہ دار قاتل "معانات الغرض تمام دنوی نافع سے براہ کفر الفت و کفایت، اللہ رسول اور جہاد (القلب املی) سے بیوی جاہلہ ورنہ بتامی و ملکیت سے۔ (فصوصیت القلبین)</p> <p>ایمان باللہ، بالیوم الآخر، حرم ما حرم اللہ و الرسول اتباع دین حق (زندگیوں میں نفاذ) نہ بیوں کی صورت میں مستحق قتال •</p> <p>لہذا دلیل باطل - (الغفار نور حق) ارادہ الیزوی (تمام) مصدقہ لعنتت - غلبہ حق (اسلام کا مالک فرج)</p>	<p>10</p> <p>1 - 29</p>	<p>54</p> <p><u>توبہ</u></p> <p>(تعلق باللہ، لظہر اللہ عناہر اربعہ القلوب)</p> <p>(لو کوبروا کانوں)</p> <p>(مصدقہ لعنتت - غلبہ حق)</p> <p>(غیر 32 - 33)</p> <p><u>توبہ</u></p> <p>۵ ارتکاز دولت کی عزت حمت (اکتناز)</p>
	<p>32 - 39</p>	<p>55</p>

60

61



نمبر شمار	تاکسوت	آیات	پارہ	موضوعات
56	توبہ -	38 - 39 40 - 41	10	جماد (الغلاب اللہی) کہلے حکم ہجرت، منع دنیا کی کم مائیگی
57	"	44 - 81	"	علمیات منافقین (مخصوصاً جماد والغلاب کے) (سودہ النساء میں ہے) حوالے سے
58	"	85 - 98	"	علمیات منافقین - (شاعت لفاق) (صحیح معذروں کا استشاد) نمبر 91-92
59	"	107 - 112	"	منافقین کا عقود (جو توہمہ میں کار فرما ہے) لَا فِرَارَ لَكَ كُنْزٌ لَكَ تَفَرَّقْ لَكَ ارضاد مجرمین (دین الموتین) (مخالفین رسول کے) مومنین کا عقود - فَنُكْرِي لَكَ رِجَالٌ اَلِي اشتراد الجنة بالنفس والمال (مقالہ فی سبیل اللہ) صفات مومنین (نمبر 112)
60	"	122, 123 عرف	"	"مقابلہ میں اہل ایمان نہایت سخت و شدید ہیں"
61	"	128 - 129	"	مشان رسالت مآب (رہمت و رأفت) مومنین کی تکلف (فقہ میں) (آنحضرت پر بڑی گراں ہے)

موضوعات	پارہ (10)	آیات	نمبر شمار
عادتیت پسندوں کا ایجا اور ایل ایمان کا ایجا	11	یونس - 6 - 9	62
الذات العنایات یہی مجسم اقوام کا ایجا۔ زمین کی حکمرانی آزمائش ہے	"	" 12 - 14	63
یعنی فی اللہ کا ایجا۔ متاع دنیوی پر غرور کا نتیجہ	"	" 27 - 29	64
قرآن اور حکم الہی حضور کر اتباع ظن کی منزلت (تمثیل)	"	قرآن میں لعل غنونا 35 - 39	65
(یخراستہ نظام) انکار کی پیروی کی منزلت	"	قرآن سورہت شفا (57 - 58) یہ ایت و تسلیم (64 - 66)	65
مادی زندگی کے خواہشمند اخروی نعمتوں سے غروم رہیں	12	ہود 2 - 3	66
(دنیوی جاہ و شہرت اور مادی منافع)	12	15 - 16	
کسب معاش میں بددیانتی پوری قوم کی تباہی و	"	4 84 - 95	67
(انتقادیات) بیدارگی کا باعث بنتی ہے	"	عمر 117	
ظالموں کی گرفت - روز قیامت شقی و سعید	"	" 102 - 108	68
کا ایجا - (قدرت شقیق بلجی)۔ علانات سعادت 5	"	علانات شقاوت 5	
1. دشت قلب (بزی دل) 2. کزرت گریہ 3. دنیا سے نوزت (متاع دنیوی کا حصر نہ ہونا) 4. امیدوں کا کوتاہ ہونا 5. شرح و حیا	"	1. قساوت قلبی (دل کا سختی) 2. عدم گریہ 3. دنیا کی رغبت (طمع) 4. دراز امیدیں 5. بے حیائی	
انہ فرعون سال فی الدین - (سکای و سعای)	"	(75) پارہ 11 - (78)	
" بن اسرائیل کو پھرتا کہ " مینہ (شد)	"	(92)	
(یہ حق پر قلب اقتدار کا ایجا) (78)	"	(سکای معارون پر) ایلی باطل کا ایجا کہ اقتدار کے خواہشمند ہو۔	

بر شمار	تاکسرت آیات	پارہ	معنوعات (11)
69	یوسف 55-57	13	تکلن فی الدین (حکمران) کا طلب کرنا محض مناسبت الہی کیلئے یہ رحمتِ خدا ہے۔ (اس کے احکام کے نفاذ کیلئے)
70	" 76	"	لفظ "دین" کے معنیوں میں بہت سی پہلوئیں
71	" ع 111	"	قرآنِ مجید، تصدیق، تفسیل، ہدایت اور رحمت ہے
72	الرعد 11	13	خدا نے آج تک اس قوم کا خالق نہیں بدلی نہ یہ جس کو فیضِ خود اپنی حالت کے بدلنے کا
73	" 20-26	"	صفتِ مومنین ① ایصال ما امر اللہ بہ حقیقت الہی ② ایمان علیہ الہی ③ تکمیل مشاق ④ خوفِ خدا ⑤ خوفِ سرورِ الحساب ⑥ صبر ⑦ مناسبت الہی ⑧ امانتِ معلوۃ ⑨ النفاق (شری و جبری) ⑩ اوراد و لیسۃ بالحنۃ (اصناف)
74	" 28-29	"	ذکر الہی باعثِ ایمانِ قلب ہے۔
75	ابراہیم 1-3	13	اقوامِ عالم کو عرفِ قرآن سے ہی ہدایت مل سکتی ہے۔ اللہ علیہ السلام کفر۔ دنیا پر آج کل کے دنیا پر آخرت کا صدور عن سبیل
76	" 6-9	"	قومِ یوسی (شکرِ نعمت اور کفرانِ نعمت) (قومِ آزادی سے بڑی نعمت ہے) کا انجام
77	" 13-15	"	(من کو یا لآخر باطل پر غلبہ ہوتا ہے)

قالوا ائتنا لتلقنا عما  
عبدا علیہ امانا وتكون لنا  
الکبریاء فی الدین  
ما نحن لکما مومنین

ابتداءً

مفہومات

بہ شمار	نام سورت	آیات	پارہ	مفہومات
78	ابراہیمی	19 - 20	13	مادی غلبہ و تسلط مشائخ الہی سے ایک قوم سے دوسری کو (سیاستاً)
79	"	27 - 30	"	اہل حق دنیا و آخرت میں ثابت قدم رہنے ہیں
80	"	42 - 52	"	نہایت اللہ کو کفر و ناشکری میں نہ لے کر (حق) کا اپنا تباہی و بیدگت سے ظالمین کا عزت و تکرار اپنا - روزِ حشر کا منظر حشر میں (نہایت اہم بیان)
81	الحجر	4 - 5	14	اتحاد کی تباہی فترت پر درگاہ کے مطابق ہوتی ہے
82	"	51 - 56	"	رحمت حق سے مایوسی گمراہوں کا شیوہ ہے۔ (تقدیر)
83	"	56 - 99	"	روزِ حشر میں حضرت ابراہیمؑ کے بیان آنا (نجاتِ نولہ و سماں) ان قوم لوطی بیدگت سے قوم شعیبہ کی بیدگت (اہل حق) ان قوم ثمود کی بیدگت - (قرآن کو تکراراً) (حضرت صالحؑ کا تکذیب) (صحتِ الحج) (انہ والوں کا اپنا) مکہ میں غلامیہ کنہی کا حکم (اہل حق) (انہ والوں کا اپنا)
84	التخل	40 - 43	14	شانِ تخلیق (مکہ سے وجود میں لانا) ہجرت فی اللہ کا ممبر و توکل کا جزا - اہل ذکر سے استفسار -
85	"	51 - 52	"	تعدد و جہاد کا لفظ - دین حق کا بیرونی لہری و لہری
86	"	78	"	ذرائع علم - " السمع والابصار والافئدة کان کان کان دل

حوالہ ظاہری و باطنی

نمبر شمار	فائزیت	آیات	پارہ	موضوعات
87	الحمل	78 - 91 <sup>(80)</sup>	14	<p>کفر اور حدود عن سبیل اللہ کا انکار • حضورؐ کی شہادت</p> <p>تاکہ اجم سالیقہ پر بھی ہوگی (عالمگیر موت) نکیت اذابتنا</p> <p>میں کی اہمیت بشعیدہ و جناب کی علی مولود شہیداً؟</p> <p>قرآن کی روشنی بیان اللہ ہدایت اللہ رحمت</p> <p>اور اللہ شہادت ہے</p> <p>و فرزنا علیٰ اکتب بیانا لکل شیء و ہدی و رحمة</p> <p>و لیسری للسلیمین</p>
88	الحمل	98 - 100	14	<p>استعاذہ <del>بالحمل</del> • اہل ایمان و اہل نیک</p> <p>پر شیطان کا داد دین چلنا</p>
89	"	112	"	<p>کفران لغت کا صورت لوری توکا لدرنگ پر</p> <p>جوع و خوف (ہوک اور بچہ جینی) مسئلہ کرینے</p> <p>جانتے ہیں</p>
90	"	125 - 128	"	<p>طریق دعوت حق • حکمت و موعظت</p> <p>3- جدال احسن</p> <p>بدلہ و انتقام کا حکم اور صفائی کا حکم</p>

سورة الحمل میں سے ہون  
شمار 87، 89 اور 90  
ہی جو کہیں

نمبر شمارہ	نام سورت	آیات	پارہ	معارف
91	بنی اسرائیل	9 - 10	15	پدایت قرآنی اقوام پدایت ہے۔
92	"	15 - 39	"	پدایت شخصی اپنی پدایت و مملکت کا خود دتر دار ہے۔ عکس و قوم پر قبایلی سرداروں اور حکمرانوں کے باعث کرتا ہے طالب دنیا عطاء الہی سے انصاف نہ پا کر آخرت میں حرام (مادی منافع کا حریص) سے جاتا ہے۔ توسید اور احسان بالوالدین کا منقل حکم۔ پدایت قدر کو اس کا حق پورا پورا ادا کرنے کی تلقین شاعت تبذیر - (مخلی و اسراف دونوں کی مخالفت) اعتدال حکم - خوف مفلسی سے اولاد کو قتل کرنا (گونا گونا گوارزق نہ سمجھنے کے مترادف ہے) زنا اور قتل ناحق کی نہایت وحشت۔
93	"	70 - 72	"	فضیلت نوع انسانی • روزیہ نیت لوگ اپنے معتدلو و پیشوا کے حوالے سے بلاش بائیں المزین من أحب ذلہ ما لکتب جو شخص اس دنیا میں اندھا (گمراہ - بی لہوت) ہے آخرت میں ہی شرم سے موما۔

مجموعات	پارہ (15)	ناگہرت آیات	مزمعہ
<p>قلوبِ فہمہ و تہجد بیان • غلبہ حق کیلئے طاقت اور اقتدار طلب کرنا - (اتفاق حق والبال باطل)</p>	15	بنی اسرائیل 78 - 82	94
<p>واقعہ لہاب کیف - (اہل باطل کے سامنے نہ جھکنے پر مفاسل و انعامات خداوندی)</p>	"	الکھف 9 - 25	95
<p>تخصیص بین الخیر والشرا اور دروز کا انہام - مثال الرحیلین - (باغ کا آبادی و ویرانی) دنیوی زندگی کا ناما مڈاری • انہام مجرمین (متاع دنیوی کا حیثیت) دلالت شیطان • انہام ظالمین</p>	"	4 28 - 59	96
<p>واقعہ ملاقات موسیٰ و خضر - (تمثیل تپا س کر کے بیٹے موفیانہ تربیت مذکور)</p>	15 ↓ 16	" 60 - 82	97
<p>ساری جدوجہد محض متاع دنیوی میں لگن کر دینا عیب نقصان ہے۔</p>	4	" 103 - 110	98

موضوعات	پارہ	نکاح و نکاحات	نمبر شمار
<p>۱۶ • حضور باری تعالیٰ سے انکا یافتہ بندوں کا ذکر -</p> <p>• بعد کی ناخلف دنیا زمانہ نسوں کا ذکر -</p> <p>• جنت متقین کا درجہ ہے -</p>	16	<p><u>قریب</u> - 58 - 63</p> <p>(71 - 75)</p>	99
<p>• روزِ شتر متقین و کفرین کے ساتھ جدا کرنا مسرک</p> <p>• حق شفاعت عرف "عبد مازون" کو ہوگا</p>	"	87 - 85	100
<p>• مومنین و صالحین کی مقبولیت جناب باری میں</p> <p>• محبوبیت کے باعث بیوی ہے -</p>	"	98 - 96	101
<p>• سابقہ ظالم و مجرم اقوام کی طرح نیت و نابلود</p> <p>• یوشن کر آج ان مانا کر نشان تک باقی ہیں</p> <p>(یعنی صفحہ ہستی سے کلید "میت" گئی)</p>	"	<p>وَلَمَّا أَفْلَكْنَا قَبْلَهُ مِن مِّمِ قَرْنٍ</p> <p>هَلْ تُحِسُّ مُنْفِصًا مِن أَحَدٍ</p> <p>أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ يَكُفْرًا</p>	
<p>• حضرت موسیٰ کو دربار فرعون میں جانے کا حکم</p> <p>• آج کو اپنے معتمد اور دست راست صالحی کی طلب</p>	16	36 - 24	102
<p>• مکرر حق و باطل کے حضرت موسیٰ کی فتح (بنی اسرائیل)</p> <p>• کائنات و آزادی (علم، بحرت)</p>	"	82 - 77	103
<p>• عزق فرعون • قوموں کے امتحان و آزمائش کے</p> <p>• بعد انکسار الہی اور سبوت</p>	"	<p>• سابقہ اقوام کی تباہی اور نیت</p> <p>• نابلود ہونا اہل عقل کیلئے نیت</p>	
<p>• ہدایت ربانی کے اتباع سے گمراہی و بدعملی سے حفاظت</p> <p>• اعراف و اعراف سے مواشی تنگی -</p>	"	128 - 123	104
		• (تباہ حالی) اور روزِ شتر ہوائی	



موضوعات	پارہ (17)	آیات	ناک سورت	بزر شمار
صلواتِ خمسہ کا نیک۔ تعلقینِ عہدہ۔ دینیوی زیب وزینت کا طلب نہ کرنا حکم۔ حکم توکل (رزق)	16	132 — 130	ظہ	105
یومِ صیام کے قریب کا ذکر آمد لوگوں کی غفلت پر توجہ۔	17	2 — 1	الانبیاء	106
عالم توہوں کا اپنا (بتا یہی وسیلکت)	"	15 — 10, 9	"	107
بیانِ توحید۔ توحید باری تعالیٰ پر فلسفہ ذرا لکھ لال	"	27 — 21	"	108
قرآن تاریخ ہے۔ ملائکہ کا بندہ خدا بیونا	"	"	"	109
تفکر فی الائنات کی دعوت۔ (سائنسی فکر تعارف مسیحی بالانبیاء۔ کی دعوت)	"	35 — 30	"	110
عباد صالحین کی زمین و ارث ہیں۔	"	44 — 41	"	111
قرآن مومنین کیلئے مافیہ وافی ہے۔	"	108 — 105	"	112
صغور کا رحمت ماری اائنات کو عاکر ہے	"	96 — 95	"	113
	"	80 — 71	"	114
				115
				116
				117
				118
				119
				120
				121
				122
				123
				124
				125
				126
				127
				128
				129
				130
				131
				132
				133
				134
				135
				136
				137
				138
				139
				140
				141
				142
				143
				144
				145
				146
				147
				148
				149
				150
				151
				152
				153
				154
				155
				156
				157
				158
				159
				160
				161
				162
				163
				164
				165
				166
				167
				168
				169
				170
				171
				172
				173
				174
				175
				176
				177
				178
				179
				180
				181
				182
				183
				184
				185
				186
				187
				188
				189
				190
				191
				192
				193
				194
				195
				196
				197
				198
				199
				200

44 - انفلادیرون آنا نائی الارض منقصما  
مین اطرافھا۔ اُفھر الخلیون

تجربہ شدہ  
نعمتِ قیامت تک  
رکوع نہ سکے گی

بہ شمار	نام سورت - آیات	پارہ	موضوعات (مضامین) ⑱
112	الحج 3 - 4	17	یعنی لوگوں کو اللہ کی راہ میں بغیر علم و تدبیر اور انکار کرنا لیکن گمراہ کن تارکین (سرسش شیطانوں) کی لغوی تقلید
113	" 8 - 11	17	مسافت باری تعالیٰ میں بغیر علم - بغیر دلیل اور بغیر واقع و روشی نوشتہ (کیا ثبوت) گفتگو کرنا یعنی لوگوں کے نزدیک مذہب کے حق و باطل کا صحیح مادی معنی و معنی (یعنی ظاہری تنگی و فراخی) ہے یہ تصور خسران الدنیا والآخرۃ ہے۔
114	" 15 - 25 (یعنی حق باطل کے درمیان ایک دنیا میں) حقاً متفقہ ہے	17	نبی برحق (اللہ کے بندوں) کی دنیوی و اخروی کامیابی یعنی لغوی حق و باطل - اور اس پر مشتمل انوار ظاہر و باطن - "Hesitation" دو گروہوں (حق و باطل) کا بیان مومن سے پیوستہ صوابی - لغوی - جوی - شرکین گروہ (الکفر ملہ واحدہ)
115	" 34 - 50	17	اہل باطل حکمانوں کو راہ حق سے لہر لہلا کی عالمگیر زینت (سید عالم) سے روکنے اس پر عرب و عجم دونوں کا مادی حق ہے بہادت کیلئے قربانی مقرر ہے - بشارت بشارت متواترین (جنتیں) -

فقدان خصم اختصموا  
حقاً متفقہ ہے

جعلنہ للناس سوءاً  
العالم فیہ والباد  
یعنی

بہ شمار	تاکیرت - آیات (19)	بارہ	تفسیرات
	<p>ذالک من لیظہم مثلاً ان اللہ فانما من</p> <p>تقوی القلوب ۳۹</p>	17	<p>عدوات مجتہدین - دل و دل قلوب بکر اللہ</p> <p>دل عبر بروت حیدت - دل لکایت عدوۃ</p> <p>دی التاق المال - تقویٰ مثلاً اللہ</p>
			<p>بیان تقویٰ (قریبانی میں نیت و نیت کی)</p> <p>لہذا براہ عین</p>
	<p>(اخرج عن الدیار)</p> <p>الذین اخرجوا من دیارہم لفرقن الّا</p> <p>ان لفرقوا ربنا اللہ</p>		<p>تذریع البلیا عن المؤمنین</p> <p>ظالموں کے خلاف مظلوموں کو جمع جہاد - اور</p> <p>لفرقن الیہا وعدہ -</p>
	<p>یہ قاعدہ الیہ سے -</p>		<p>ایں حق پر حرف فراہم تاکہ اپنے سے ہی سلام ہو</p> <p>ہیں - (یعنی حق و باطل کا تقادیر ہوتا ہے)</p>
	<p>عز 40</p> <p>دین حق کی سیکی فتح کیلئے لفرقن الیہ</p> <p>کا وعدہ ہے</p>		<p>دفع الناس بالناس (اگر ایلی حق - باطل</p> <p>طائفوں (مشرکین) کا استعمال نہ کرتے تو عام</p> <p>مذہبی مرکز بننا و ہر باد میو جات - گویا</p> <p>مذہبی عبادت گاہوں کا آبادی دین حق کے</p> <p>سیاسی غلبہ کا مرہون منت ہے</p>
	<p>حقاً طور پر ظاہری اسیابی</p> <p>ہوگی</p>		<p>وینفرق اللہ من یضرة ان اللہ تقویٰ ہرگز</p>

بزرگوار نام سورت	آیات (20)	بارہ	موضوعات
بخ 41	تمکن فی الدنیا کا نتیجہ	17	تمکن فی الدنیا (سیاہ غلبہ) فقہ ہے۔ شرط ہے گویا یہ لازم ہے (معیاری دین)
بخ 42	دن و دعوت معلوۃ دن و ابتلاؤ کو		اور معمول بہ دین معنی و شرط اور مؤخر ہے
بخ 45	امر بالمعروف (۷۷) یعنی عن المنکر		گویا تبلیغ دین ہی صحیح معنوں میں اکاطوع دوزیر ہو سکتی ہے
بخ 46	تاریخ کا جائزہ مطالعہ		اہل حق کی تکذیب ہمیشہ گراہوں کا مشورہ ہے
مردہ مطالعہ سے سورہ			ظالم اقوام کی تباہی و بربادت -
} اعمی اللعبار - اعمی القلوب -			اہم سابقہ کے حالات و واقعات کا مطالعہ سبق و عبرت کا سبب ہونا چاہیے۔
			یہ چیز سر کی آنکھوں سے ہیں بند چشمات و قلب کی نیسانی سے ممکن ہے۔
			آج کا مسلم اپنی سابقہ تاریخ کا مطالعہ اعمی القلوب کا حقیقت سے کرے گا
بخ 48	ظالم اقوام کو کیا عہد تک صلیت دیکر		ظالم اقوام کو کیا عہد تک صلیت دیکر
			کیا نہ گرفت میں لیا گیا۔
بخ 54 - 55	ایہ ایمان ہمیشہ ہم راست پر رہیں		ایہ ایمان ہمیشہ ہم راست پر رہیں
بخ 54 - 55	و لیعلم الذین -		لعمد اہل باطل دن کا میر دگر (نور لا ظلمة علی) کی صحت و تقابلیت کے بارے میں شکستہ میں ہے۔
بخ 54 - 55	عذبت لیوم عظیم		

116  
بہشتی اور جہنمی  
اہل باطل و ظلمت

معلومات	آیات (21) پارہ	ناکسرت	نمبر شمار
سبیل اللہ ہجرت - قتل و موت مقامین و انتقام کا حکم (من عاقبہ)	17	58 - 60 اور ولکم فی العاقبہ حیات یا ادلی الالباب	117
پر ملت کیسے خاتم لادھ عمل ہو کر یا (شربانی و ایثار)		67 - 34 توبانی	118
ایمان رکوع کجود عبادت فعل الخیر (فلاح و نجات)		77 - 78	119
جماد (الغلب) اعداد دین حق (یعنی غلبہ حق کیسے الغلبہ باکرو)		و جاہدوا فی اللہ حق جمادہ	
ہوا حبیبکم (اس عقیدہ کیسے اس امت کو منتخب کیا گیا ہے)		ولکل امۃ حیلنا منکاً (ہمنا سکوه - 67)	
یہ عظیم مشن عرف فر اللہ ماہ عدم حرج - (القول شریف)		یكون الرسول علیکم شعبداً	
ملت ابراہیمی - ہوسنہما المسلمین		علم اتحاد	
انسان صلوٰۃ • اتباد زکوٰۃ اعتقاد باللہ - لغیر المؤمنین و غیر المؤمنین		نتیجہ مابالی - لوفت الی	

موضوعات	آیات (22) بارہ	ناکست	نمبر شمار
فلاح مومنین / منات مومنین	18	المؤمنون	120
① فتوح بنی النلوۃ ② ابرہہ عن اللخو ③ نفل الزکوٰۃ ④ حفاظت تزویج ⑤ رعایت لعنات ⑥ رعایت محمد ⑦ محافظت صلوات خالدون	11	اولئک ہم المؤمنون الذین یرتوون الفیروسیں	
لعبت نوح - اعترافات قوم نوح صوت نوح پر طلب تفنیل دنیوی (انتہار) اور مالی برتری کی خواہش کا التزام الزناک دیوانگی -	"	23 - 25	121
شکذیب ہود اور ان کا شکرین دیگر انبیاء کی لعبت - انکار اور شکرین کی تباہی و بیدارگی لعبت موسیٰ و ہارون - بیدارگی فرعون -	"	39 - 46 (اس سے قبل اعترافات مذکور ہیں -	122

بزم شمار	تاکسوت	آیات	بار	(23) موضوعات
123	المومنون	64 - 76	18	• عوام کا اشریت حق ہے گریزاں ہے " غصہ 70 • قرآن کے باعث یہ قومیں سر پہنڈ ہو گئی ہیں " 71
124	"	108 - 111	"	نیابت کے روز اہل ایمان مازقی اراٹے داہوں ہے انکا۔ اور "صابرین کا جزا"
125	"	115	"	یہی نوع انسان کی تخلیق با معصود ہے۔ عدت میں ہے (لینی انسان کسی معصود کا خاطر سے اکتا گیا ہے)
126	النور	1	18	1- حد زنا، حد قذف، لعان (حدود النساء) مزید لری تفسیر دیوں نوعیت
	"		"	2- واقعہ انک اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برات دقتہ سن ما بیان۔
	انواہیوں کی نرت			3- شعاع الناحشہ (بریا باہا چا کرنا) کا نرت - منافقین اور عواک کے زونہ پر تنقید

بہ شمار	آیات	مفہم
127	النور « 21 - » ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعة ان یؤتوا اولی الثربی احکام عصمت 31	18 4- اتباع خطوات الشیطان ، فساد و منکر سے۔ (شیطان طریق عمل "گہیری کی ممانعت") 5- کسی حالت میں لغو فحش و بیخ ورائی سے بچنے کی خواہ ضرورتیں و مائیلین کس قدر عداوت کیوں نہ کرے گی بلکہ عنود و درگزر کی تلقین 6- شہادت اہتمام - 7- اہبائے کون آئند درت کے آداب - حکم استغذان و تلیم بیوت غریبوں کو نہ کہتے + دعوت 8- عین لہر حکم - اور حفاظت فروج (خوردن اور دونوں کو حکم) عصمت مومنات کے احکام
128	36 - 34 یروا سے ضد افراد مستحق ہیں	31 9- "وبالیناہ بشورکرت وایسیر یغوناہ" 14- مسجد میں نماز اور نیکو حکم • تجارت و کاروبار راہ خدا یہی عامل ہیں بیوناہ

Marfat.com

32



بزرگ شمار	تاکسٹ	آیات	پارہ	مضامین
129	46 — 57	57	18	معیار ایمان - طاعت رسول ﷺ معیار بناقت - اطاعت من اللطاعت ثبوت وفاداری نسیم کائناتین بلکہ عملی قربانی ہدایت و انبیائی حضورؐ کی اطاعت اور معرفت سے سیکھا اللہ رب ہی مذہبی تکل اور معاشرتی نہری
130	61 — 63	63		بہبود ہا مہمان ہو سکتا ہے شرط ایمان - کف طاعت رسول ﷺ
131	1	1	18	قرآن - الفرقان 2 (حق و باطل کے درمیان) نذیراً - ڈرنا مینوالد
132	7 — 9	7 — 9		رسالت فہری ﷺ پر اعلان - (حضور ﷺ) انصاف و سادہ معیار زندگی جو عاقل و نامتوا کی طاعت - کفار کے نزدیک رسول پر کے منافی تھا - وہ ان کے لئے غیر معمولی طور پر بلند و بالا معیار زندگی کی توقع رکھتے تھے۔ (قیادت جس طبقہ کے مسائل حل کرنے کیلئے میدانِ عمل میں آئے ہیں ان کے ہاں) زندگی اس طبقہ کی طرزِ بود و باش کے مطابق ہونی چاہیے)

الفرقان  
1  
الفرقان - للذین نذیراً  
7 — 9  
اور 20 حرف  
Common Standard  
of Living

بزرگ شمار

نمبر محلہ	سورت - آیات	بارہ	مفہمیں (26)
133	الفرقان - 26-31 (اصحی اور مری زفاتوں کے اثرات روز قیامت عیان پیونگ)	19	• روز قیامت - ملک الہی - کفار پر سخت پیونگ۔ • ظالم اپنے گنہگاروں کو جیسا کہ کہیں گے کہ لاشیں ہیں رسول کا ساتھ لےنا یا ہوتا۔ (رسول کا عدت یا عجات) • ظالم غلط زفاتوں پر نادم و سرشده پیونگ • رسول شکایت کریں گے کہ کون ہے تران کو • صورتوں کے قابل بنا دیا تھا (یعنی تران سے یدایت افذ کر مکی آرزو بائی نہ رہی تھی) • "وَلَذٰلِكَ عَلٰمًا لِّكُلِّ نَبِيٍّ عَادُوًّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ" — • میری کھلیت قبر میں سے کسی نہ کسی کی عداوت پیدا کر دی۔
134	35 — 39	19	• ابناء کی نافرمانی کرنے والی قومیں • تباہ ہو کر مٹ گئیں۔ • خدا کے بندوں کے اوصاف (مقبول بندوں کا خیر عیاست)
135	63 — 77	4	

و عبادة الرحمن الذي (27)

- ① - متواضعانہ شان سے زمین پر ولنا - (عزت و وقار کی بات) بگڑے ہیں -  
اور کسی پر ظلم و اکھٹال نہیں - (عظما طرز زندگی)
- ② - عنف و درگزر - (زیادتی سے خوف نظر کرتے ہیں)
- ③ - رات کو بہبود و نایم (عبادت گزارا) اور دعا و الہامی بارگاہِ فراوانی میں
- ④ - اتفاق - لغز اسراف و اقتراض کے - (نہروں زیادہ نہ کر  
بلکہ اعتدال پر رکھتے ہوئے -
- ⑤ - نفی شرک - (کسی غیر کے ساتھ مصلحت نہیں ہیں)
- ⑥ - تسل نفیس سے اجتناب -
- ⑦ - زنا (بہکاری) سے اجتناب -
- ⑧ - جھوٹی گواہی سے پرہیز - (اجتناب عن الزور)
- ⑨ - لغو اور کھو دلت سے پرہیز - (یہ خلاف ثبات و سرائت)
- ⑩ - آیات اللہ سے سبق حاصل کرتے ہیں - (حکم بنیاد رکھتے ہیں)
- ⑪ - ازواج و ذریعہ (اولاد) سے رکن و شفقت -
- ⑫ - کثرت تقویٰ کی تمنا و کمزور  
کمال پرہیزگاری

نمبر شمار	سورت	آیات	نارہ	مقام میں
136 ✓ موسیٰ	الشعراء	(سورۃ الشعراء)	19	موسیٰ (علیہ السلام) اور ہارون (علیہ السلام) فرعون کے پاس
137 ✓		16-17 - اک مطالبہ کے لئے فرعون سے مناظرہ، مقابلہ اور مجادلہ (تنبہ نقاب) میرا		نبی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کرنا میں (مصدقہ لغبت میں - نبی اسرائیل کو غلامی سے نجات دلانا شامل ہے) - کراچی میں کامیابی -
138 ✓		65-68 (بنیاد اپنے معاہدہ کی تکمیل میں ہمیشہ کامیاب رہتے ہیں) یہ کامیابی انکی نبوتوں کی تصدیق بیوٹی ہے - اور وعدہ پوری کا ایفاء		بلآخر موسیٰ کی کامیابی اور لشکر فرعون کی ہلاکت -
138 ✓ موسیٰ		105-122 نالوا انومن تک واتبك الارذلون	4	قوم نوح کی تکذیب - نوح کی دعوت
				قوم کا طعنہ اور انکار، نوح کو دھمکی (قوم کی طرف سے)
				نوح نے اپنے اور قوم کے درمیان واقعہ بیان کیا
				قوم کی تباہی
				یعنی ظالموں کا سب سے بڑا نتیجہ ہے -

(صوت اور ہمہ کی دعا)  
رب قلبی علیک و آتیتنی بالبین  
واجتنبی لسان میری فی الآخِرین  
93-84

نمبر شمار	سورت	آیات	بارہ	مفاد میں
				(29) مفاد میں
				فنا نفع بینی و بیخبر نتما و غیبی و من معی من المرسلین <sup>خا خنیہ</sup> و من معہ فی اللک البشیرون من اخرتنا بعد البقین —
هود		123 — 140	19	تکذیب قوم عاد - دعوت - انبیاء اللہ قوم عاد کے پہلے "و ما نحن بمعتدین" قوم کی تباہی - تکذیب و ماہلکنا
صالح		141 — 159	"	قوم ثمود کی تکذیب - حضرت صالح کہ دعوت - انکار - مخالفت - غدا اب اور یلکنت و تباہی
نوح		160 — 175	"	قوم لوط کی تکذیب - دعوت - انکار اور دہکتے
شعب		176 — 191	"	اصحاب ثقیف کی تکذیب (مدینہ قریب) (بن دالون کی تکذیب) بن قاضی شعب کی دعوت - انکار - دعوت - یلکنت و تباہی
				اور ان کی کفرت من اللہ ربین

ولا تخشون

(30) - پہلو

\* (موسیٰ، نوح، ہود، صالح، لوط، شیب) - ان

نماز اہل کو خود باطل کے نقاب میں ظاہر اور باہر "فتح و کامیابی

بیٹا۔ اور کوئی بھی نتائج کے اعتبار نام نہ میرا۔

✓ پر نجات اپنی دعوت کے ساتھ یہ لیا کہ

"وما اشلکما علیہ من اجر" ان اجرہ الّا علی رب  
العلین

✓ ہر دفعہ منکرین کی بلانے کے تذکرے کے بعد قرآن یہ الفاظ استعمال

کرتا ہے "ان فی ذاک لآیة" وان تریب

لعمو الغریر الزحیم

208

\* - ان "وما اهلکنا من قریۃ الا لھا مذہب" 208

ان، واما مومنین حتی موت رسول۔

پر شمارہ	سورت	آیات	صفحہ	مضامین
143	208		19	<p>✓ ہم در سنا سنا کے کو بیسے بنیر کی گماؤں کو تباہ سن کر ہنس۔ (گونا گونا گوں کی بلایاں) بنیر کی تباہی (مزار) ماڈ</p>
144	2-3		19	<p>”تک آیات القرآن و کتاب میں۔“ عزرا و بشری للمومنین الذین یقیمون الصلوٰۃ۔“</p>
145	45-53		“	<p>صالح کا دعوت تو شور و گرجا۔ حق و باطل دو گروہ ہو گئے</p>
146	54-59		“	<p>”ناذا ہم فریقین خیقرون“ ناظر کیف کان عاقبۃ مکرہم انا درینہم و تو تمہم اجعین۔“ لوط کی دعوت اور ماہی سنکین کی ریلدلت</p>

عزیمہ	سورہ	آیات (32) بارہ	مضامین
147	البقرہ - 69	20	"قل میرا فی اللہ ما نظر وا کیف کان عاقبۃ الجمین؟" (اہم سאלقہ کی بنیادی سبق تاریخ ذریعہ عزت ہے) حاصل کرنا اور سرخشمہ صیات ہے۔
148	76-79		✓ قرآن ان مسائل کا ذکر کرتا ہے جن پر انھوں نے اختلاف کیا اور تفرقہ میں مشابہ ہو گئے۔ ✓ لیکن قرآن کا یہ بیان ایمان لانے والوں کی ہدایت ہے اور رحمت ہے۔ (اختلاف امتی ہے) ✓
149	91-93	"	ان عبادت الہی (مکہ منکرہ کی عزت) الہی ۲۔ فرمانبرداری۔ (ان کو ان میں تسلیمت) ۳۔ "تلاوت قرآن" - عبادت "اعتداء" ۴۔ عبادت ربانی (جس نے راہ کو مالیا ۵۔ (مخلدات گراہی) - بھی مکن ہے۔
150	القصاص 6-1	"	فرعون کا تعلق و ظلم - کمزور اسرائیلیوں کی مظلومیت و بی بسی ارادہ الہی = القصاص =



نمبر شمار	سہیت	آیات (33) بارہ	مفہمیں
151	26 — 35 (دانشہ بر 22 سے شروع ہوتا ہے) (خصوصی تربیت)	20	• دوسری لکھنت ایک عظیم اللہ کی مقدر کھنت تھی۔ فناغہ اس لکھنت سے قبل تقریباً 10 سال شعبہ کی تربیت میں تھی۔ • دم عارف نسیم جمع دم ہے۔ اسی سے رشتہ معنی میں نم ہے اگر کوئی شعبہ ہے اسے مشہور۔ شبانی میں کلمہ بھی دو قدم ہے (انہاں)
	x- شاید سے یقین ملتا ہے →		فناغہ بوقت لکھنت برسوں کی دو لٹائیوں کا مشاہدہ کرنا۔ (مجزوہ عصا - ناکہ رطینان دیر بیضا - قلب سیر)
	x- دیکھو ان جو دوسری لکھنت میں کو اور رطین سے موت دیکھتی۔ تب دونوں مقرر جیسے لکھنت		(فرعون کے مشاہدہ) در بار فرعون میں - اللہ اب - اور نبی اسراہیل کی ہجرت و آزادی
152	39 — 43	11	فرعون کا غرور و تکبر۔ ایک نیا ہی - دو مرتبہ لکھنت و ہلاکت کا شمار ہوتا ہے۔ • تمام اس دنیا میں اور آخرت میں دو مرتبہ لکھنت و ہلاکت کا شمار ہوتا ہے۔ • سابقہ اقوام کی نیا ہی کی تاریخ -

Marfat.com

سورہ	آیت (34)	مضامین	نیزہ
153	القصاص - 49 - 51 "کتاب" - "لا تعجل" "و من اقبل مني اتبع" "هوارة بخير هدى من الله"	20 • وحی الہی سے بڑھ کر کوئی کتاب یا صحیفہ • ہدایت میں دس سکتا۔ (یعنی منزل تک • نجات یا نجات کے بعد کفر سے کفایت، یہاں • (میں کفر سکتا) • ہدایت ربانی کو صوبہ کرنا انہوں کے ذہنی • تراشیدہ لا کفر کس عمل کو دینا نامکمل ہی • ہے۔	20
154	56 - 60 یہ طبقہ مادی لقمان کے اندیشے سے ہدایت ربانی کو نظر انداز کر کے رہتا ہے۔ "وما علینا الا الابلاغ البین میں فرق پھر انہوں نے ابلاغ اور جسے اخراج - ہلاکت دہا ہی - دا متبع ہو کر رہتا ہے۔ ذہنی دنیا دعوت کی کامیابی ہے۔	"انک لا یهدی من اجبت وکن الله یهدی من یشاء۔" • مناد پرست سوچتے ہیں کہ ہدایت ربانی کی پوری • میں ہمیں ملک بدر کر دیا جائیگا۔ • دینی نافع و لقیح ہر خیر کے سوالوں • کی شامی۔ • خودوں کے پاس رسول کے ذریعے ہدایت • جیسے بغیر اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک میں کرتا۔	20
		• جن کی اطاعت - فلاح • عداوت تباہ میں ہوتی ہے جب تک کہ ایک • باشندے ظالم نہ ہو جائیں۔	

160

دوست

① • "وَمَا كَانَ رَبِّكَ مُهَيِّبًا الْقُرْآنَ خَتْمَ بُرُوحٍ فِي أَعْيُنِ السَّامِعِينَ" — "مرکز مقام" (35)

(عظیم دعوت مرکز مقام سے ہی ممکن ہے)

② • "وَمَا كُنَّا مُهَيِّبِي الْقُرْآنِ إِلَّا وَاعْتَدْنَا ظَالِمُونَ"

پر شمار	سورت	آیات	یاد	تفصیل
155	ع	67	20	مستفود اندر کی فلاح ہے — "فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَغَسَّاهُ" ان "يَكُونُ مِنَ الْمُنجِينَ"
156	ع	76 - 88	"	قارون — سرنایہ و دولت — اگلا کر ضرور آخرت سے بے تعلق، ضنار فی اللہ (ظلم و استعمار) (سرنایہ داروں کی ذمہ داری — کہ سب دولت پیارے ذاتی کعب و کمال کا نتیجہ ہے — لہذا ہم ہی ایک غرض و شرط طور پر ایک ہیں)
	ع	77	•	"أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَ أَكْثَرُ جَمَاعًا" — 78 (سیکے انتہا — ماضی ثبوت) — دروزن کا بے دریغ اجتماع —
29	ع	یٰلَیْلَتٍ لَّمَّا أَتَىٰ مَا أُوتِيَ قَارُونَ	(2 لغبات)	عوام کی لغبات — طلب زور — دولت علم و فکر — مادی سرنایہ و دولت سے بے نیاز کر دیتی ہے — 80
	ع	قَالَ الرَّبُّ إِنَّمَا أَتَىٰ بِهَا عِلْمٌ مِّنِّي	✓	بہترانہ مدح میں

● قازون ، برتنک انعام - تانی - ( زمین میں کبر و عناد ، انعام )  
دینی انعام ، ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے

— من جاء بالحسنة فله خير منها — ومن جاء بالسيئة فلا يجزيه الذنوب  
 مخلوا للسياة الا ما كانوا يعملون

✳️ غیب و بیدیر کوشش ( عمل اور جدوجہد ) ، انعام و نیکہ جزا و سزا کا معاہدہ میں  
 اسی دنیا ( زندگی ) میں نثرت ہو کر رہنا ہے  
 پس عمل اپنے نتیجے پر پہنچ کر رہنا ہے -

● عہدی - صلال - دور ارتقے ( لائحہ عمل ) میں -

( من جاء بالعہدی - ومن هو فی صلال بین ) جدوجہد اور انمولوں میں

● ہوسکتی ہے - رو عہدات پر یا رو عنادات پر - دو اگ کا  
رنگ لائحہ عمل ، اگ تباہ

● کل شیء ہاگ الا وجعہ - کا مایاہ ( لقا ) اور

حق ایت بی ہے - باقی سب کچھ ہاگ لینی ہر

یونہی دلد ہے - ( باطل ہینہ نام ) ہو ہنوالد

✳️  
صمد

نمبر شمار	سورہ	آیات	بارہ	تفصیل
157	العنکبوت	1 - 7	20	ان ایمان کے بعد آزمائش شرط ہے۔ (یقین کا محنتی اور تحقق قہری ثبوت، آزمائش علم) } بعد ضابطہ کی کسوٹی سے طے پاتا ہے۔ گویا صدق کا پرکھ امتحان ہے ہی پرکھنے کا عامل بالسورہ ہی لیکر خاص امتحان سے گزرے گا
	" فان اجل اللات "		اجل	(۱۱) ہر اچھے یا برے عمل کو موائے کبھی
	" لکل امۃ اجل - اور لکل اجل کتاب "		تصور	تفصیل کی ساعت آتی ہے۔
	" ومن جاهدنا فما جاهد لنفسه ان الله لعن من الناس "			(۱۲) ہر شخص کا پرکھ اس کے اپنے لطف یا لعن کا کبھی ہی ہوتا ہے۔ ذات حق اس کے سے نیاز ہے
				(۱۳) عمل صالح سے تکثیر سمیات ہوتی ہے
158		10 - 11		✓ علامتِ منافقت - دعویٰ ایمان اور آزمائش و امتحان سے گھبرانے اور عذاب سمیات
159		14 - 15		• نزخ ۲ ۹۵۰ برس تبلیغ کرنا۔ ازک امتحان کی
160		18		فات اور محالین کی یدلکت
				✓ (پہلوانہ پلدرغ بین)

صفحہ	آیات (38) پارہ	سورت	نمبر شمار
<p>خدا کی رحمت سے مالوم ہے (بے یقینی) عرف گنہگار کو یہی ہو سکتی ہے۔ اور ان کی کیفیت دردناک عذاب (عزیزانک انجام) سے</p>	23	طالعہ النور - ملکوت منقح	161
<p>لوط کو اپنی قوم سے عذاب ہوا۔ پہلے کہا افزون سے دعا کی۔ اور فرشتے لے آئے۔ لوط اور ان کے اصحاب ڈاک اور باقی مہ تباہ ہو گئے۔</p>	29, 30, 31, 32, 33, 34, 35	دعوتِ انبیاء کا اثر	162 Sup
<p>اہل مدینہ کی تباہی (مقرب) عاد و ثمود کا تباہی،</p>	36, 37	(و منعم من اخذتہ الصبیحة و منعم من ضعفنا بہ الارض و منعم من اعزقنا)	163 Sup
<p>قارون، فرعون اور لقمان کی تباہی</p>		نیچر فری کی رأی اللہ الذی	Sup

نمبر شمار	سورت آیات	بارہ	صفحہ
164	العنکبوت - 45	21	• رجوع الی الکتاب (قرآن) ، امانت معلوۃ ، • ناز کا ناسی عن الغشام و المنکر یزنا -
165	51	"	• قرآن رحمت اور نصیحت ہے -
166	53	"	• "ولولا اجل مسمى لجاد ہم الذباب" • (اگر مصلحت کی ساعت مقرر نہ ہوتی تو ہمیں جلا دیا (یعنی تباہی و بربادی آجاتا ہے) )
167	58 - 59	"	• صبر اور توکل کا اجر نعم الاخر • حیات الدنیا - لحد و لوب ہے - اور دارا کوفت • لعل زندگ ہے -
168	64	"	• باطل پر یقین اور حق کی نسبت ہے یعنی دجالوسی (خدا کی نعمت)
169	67 - 69	"	• "أما بالطل یومنون و بمنہ اللہ یکفرون" • افتراء علی اللہ یا تکذیب حق - کفر ہے - (حق کی نیتہ خزیونہ پر شک) کفر ہے - • اور باطل کی نیتہ خزی یا یقین کفر ہے
			• "والذین جاہدوا بیننا • لنحد ینعم سلنا وان • اللہ لیس الحسین -"
			• راہ حق کی جدوجہد - یعنی "نیتہ خزیونہ" • اہل حق کو خدا کی محبت حاصل ہے • یونہی ہے

مزمع شمار	سورۃ	آیات	پارہ	معنا میں
	الروم	۱۰۱ - ۱۰۴	21	دن رومیوں کی شکست کا ذکر
170	(بَلَدَ الْاَدْرَمِيِّ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ اَعْدَائِهِمْ)			دن رومیوں کے دوبارہ غالب ہونے کا وعدہ
	یہ زمینیں حادثاتی ہیں۔			دن عدوت کا یقین (دوبارہ غلبہ کیلئے)
	بلکہ قدرتی قانون و ضابطہ کے مطابق بیرونی ہیں۔			دن شکست و غلبہ دونوں قدرتی قانون کے مطابق بیرونی ہیں۔
	وَفَلَنُصَلِّيَنَّ اللَّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَرَبِّهَا وَلَا يَلْقٰهُٓ آٰخِرٌ مَّسِيٍّ			دن خدا کا وعدہ (دعویٰ) پر صورت میں
	اُولٰٓئِكَ لِيَسِرَّوْا فِي الْاَرْضِ فَانظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عٰقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ			دن پورا ہو کر رہنا ہے (وعدہ اللہ کے)
	وَعَاثِبٰٓتٍ كَيْفَ كَانَ عٰقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ			دن دنیوی زندگی اور اخروی زندگی کا تقابلی
	الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ			دن کائنات کی تخلیق اور اس کا نظام حق ہے
				دن (یعنی ایک باقاعدہ اصول ضابطہ اور مفصلہ کن امر کے تحت ہے)
				دن تاریخ اجماع کا مطالعہ اس خاص زاویہ سے کیا جائے۔ (اقوام سابقہ کے عروج و زوال کے احوال ایک باقاعدہ اصول کی نظر سے کرتے ہیں۔)
	کائناتی قانون مشورہ اور تاریخی قانون تضاد			
	عروج و زوال ہے			

Marfat.com

173

174

اصل قانون



صفحہ	آیات	سورہ	نمبر
<p>دین حق سے اسطرح دلالتہ ہو جاوے کہ میرا اہل سے لیا                  عبادتہ منقطع کر لو۔</p> <p>اللہ تعالیٰ نے تمہارا انانوں کو ایک ہی فطرت پر مہر کیا۔                  رجوع الی اللہ، تقویٰ، امانت معلوۃ، اقباب شرک                  اقباب تفرقہ،</p>	21	30 — 32	171
<p>ابتداء حال (بیہ حال دنیا خداوند کو انکا انا حق                  دنیا ہے)                  خدا کی رضا کا یہی طریقہ ہے۔ فلاح ہی اسی طرح                  ممکن ہے۔</p> <p>سود سے معصیت تباہ ہوگی اور خوات و لدنہ                  سے معصیت لدر وسیع ہوگی۔</p>	"	38 — 39	172
<p>خوشگوشی و تری منی (شریکات) انانوں انا                  بنا کر رہے۔ (الزام خدا پر لگانا غلط ہے)                  اہم سالبہ کے انکار کے ساتھ کی تلبین۔</p> <p>مقررہ دن کے آنے سے پہلے اپنی اصلاح کر لو                  (افلاس خالی الدین پیدا کر لو)</p> <p>گنہ گور عمل صالح پر کا جملہ حکم رکھو گا                  "وکان حقاً علینا نصر المومنین"</p>	"	41 — 45	173
<p>سالبہ ابتداء اور ان دلائل کو کہہ کر کہے                  اور اہل باطل (مکذبین) کو کہہ                  دنیا میں یہ غلبہ کے ذریعے ہوگا                  کر دیا گیا۔</p> <p>مومنین کا مدد کرنا خدا کی ذمہ داری ہے۔</p>	"	47	174

حق کا بیان  
 حق کا بیان

<p>قرآن نے لوگوں کو کھلی پرستش کا مثل (مخونہ) بیان کیا ہے۔</p> <p>فدا کا وعدہ (گفرت الہی اور دین حق کے علیہ وعدہ) حق ہے۔</p>	21	<p>(42) 58 - 60</p>	175
<p>قرآنی آیات - حکمت، یدایت اور رحمت میں حسین کیلئے۔</p> <p>حسین کی تشریح جو امانت صلوات،</p>	21	<p>لقمین 1 - 6</p>	176
<p>ایسا ذکر و امانت بالذکر سے پرہیز کرو۔</p> <p>پہلی برگ عداوت اور فلاح والے ہیں۔</p> <p>قرآن کے بدلے لہو الحدیث (باطل بات)</p> <p>کا بیرونی ہونا - ذلت و رسوائی کا سبب ہے۔</p>		<p>(حسین کی تشریح)</p> <p>”ان الشکر نظم عظیم“</p>	177
<p>اقتناء شرک و حکم، احسان باوالدین و حکم اور اہل اللہ کی بیرونی حکم۔</p>		<p>13 - 15</p> <p>”و اتبع سبیل من انا اب الہی“</p>	177
<p>برائے نظم حقیقہ ہو اور جہاں ہو فدا سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ وہ فرورائے انام کو نہیں گما (یہ برائی سے اقتناء کی تعلیم)</p>		<p>16 - 20</p> <p>(صغرت لقمین اسے بیٹے کو کھیت کرتے ہیں)</p>	178

مفہمات	آیت (43) بارہ	سورت
<p>① امانتِ منلوہ - ② امر بالمعروف ③ غمی عن المنکر -                      ④ صبر ⑤ مخالفتِ تصدیقِ خدا (کسی کو حق سمجھ کر                      رضا و پیشانی کو کج کرنا) ⑥ اترا کر خلیفہ کی حالت                      (مگر ضرور کی صورت) ⑦ اقتصاد فی المنسی کہ تعلیم                      (سیانہ حال دنیا) ⑧ غصنِ موت (آواز کا                      دھیمہ اور لہت رگنا) ⑨ خدا کی نعمتوں کو یاد رکھنا                      اور اس کا شکر بخالدا</p>	21	<p>(ع 16-20)                      "ان ذاک عن عزم الامور"                      تموری و طماننا</p>
<p>④ خالعتہ خدا کی حمد (غنا) دنیوی حرم و دلچ سے                      ⑤ یا ایہذا اور محسنِ رضا (درہنہ گاری)                      ایسی یہ تمسک بالعبودۃ الوالقی                      غنا کاموں کا رنما اللہ ہی طرف سے -</p>	22	<p>22                      "فقد استمسک بالعبودۃ الوالقی"                      مضبوط رہی کو نمانا                      والی اللہ عاقبتہ الامور</p>
<p>تنزیلِ کتاب لاریب فیہ من رب العالمین -                      یہ رب کی طرف سے حق ہے - قرآن کے خرد لے عالم                      اقوام کو درسنا یا جانتا، تاکہ انہیں ہدایت                      لے سکیں۔</p>	21	<p>السجدة                      3-1                      کتاب تصدق العین                      کی معرفت ہو، اور اسکا                      حصول ممکن ہو</p>

نمبر شمارہ	تاریخ	آیات	مباحث
182	۱۵-۱۶	۲۱	<p>۱۔ اہل ایمان کے اصناف • سجدہ، تسبیح و تحمید</p> <p>۲۔ تولدِ نبی (وہم لا یتکبرون) شب بیداری</p> <p>۳۔ عبادتِ نیم شبی (خدا سے خوف و امید)</p> <p>۴۔ افاق فی سبیل اللہ -</p>
183	28 - 30	۲۱	<p>۱۔ "یوتون منی هذا الفتح ان کنتم طہ قلوبکم"</p> <p>۲۔ "فیصل کن گھڑی - حق و باطل کے درمیان</p> <p>۳۔ انبیا و پیغمبر کے اہتمام سے واقعہ امتیاز تمام کردہ گی -</p>
184	1-3	21	<p>۱۔ تقویٰ کا تعلیم، گناہوں سے بچنے کی کمالیت</p> <p>۲۔ (یاروں کا پیروی نہ کرنا) ، اتباعِ وحی</p>
185	6-27	۲۱	<p>۱۔ توکل علی اللہ ، اور خدا کے کافی ہونے پر یقین</p> <p>۲۔ بنی اکرم مسلمانوں کی جانوں سے بھی زیادہ مانگ</p> <p>۳۔ (قریب تر) ہیں (باب ہیں)</p> <p>۴۔ ازواجِ مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں -</p> <p>۵۔ مامسلمانوں کی بہت مسلمان رشتہ دار زیادہ قریب ہیں -</p>

عملہ رحمی مقدم ہے

آیات	سورت	بارہ	معنا میں	ترجمہ
<p>⑤ <u>مَن يَأْتِ الْبِنَادَ - (يَسْتَلِ الصُّلْبَ مِمَّنْ صَدَقَ)</u> کہ تم اہل صدق کے صدق کی طرف سے</p> <p>* <u>بہوگی - (اَسْمَانِ وَأَنْزَالِشِ)</u> اور خبری ٹوشق کے ذریعے سجائی کو پرکھا جائیگا</p> <p>(یہ تم اہل بناد سے وعدہ لے سکتا ہے)</p>				
<p>⑥ <u>صَوَابِطِ كَرِهَاتٍ مِّنْ عِبَادِ رَبِّكَ</u> یعنی طریقہ نفرت الہی خدا کی لذت ہے۔</p>				
<p>* <u>⑦ كُفْرًا وَمُنَافِقَاتٍ كَيْ يَهْتَمَّ السُّبْحَتِ طَارِتٍ مِّنْ مَّكْرٍ - مَلَكُوتِ كَمَا اَسْمَانِ يَهُونَا</u></p> <p><u>غزوہ احزاب</u> (مَعَانِكَ اَبْتَلِي الْمُؤْمِنِينَ وَزَلْزَلُوا زَلْزَلًا شَدِيدًا)</p>				
<p>* <u>⑧ مَنَافِقَاتٍ كَيْ يَهْتَمَّ السُّبْحَتِ طَارِتٍ مِّنْ مَّكْرٍ - مَلَكُوتِ كَمَا اَسْمَانِ يَهُونَا</u></p> <p>بہاد سے روکنا،</p> <p>مال و دولت، لالچ (جو مال غنیمت کا طمع)</p>				
<p>⑨ <u>دَلِيلٌ مِّنْ مَّوَدَّةِ اللَّهِ</u></p> <p>دل سے لکر کفر (یا طاغوتی طاقت) - پیمردی -</p>				
<p>* <u>⑩ اَللّٰهُ تَعَالٰی اِیْلٰی قِنَ کَبِیْثَ مَعْرُکَ حَقِّ وَبَاطِلٍ مِّنْ کَافِرٍ</u> (نہجہ خیزی کی طاقت)</p>				
<p>⑪ <u>اَسْوَةٌ حَسَنَةٌ مِّنْ مَّوَدَّةِ اللَّهِ</u> اسوہ حسنہ کی ذات گرامی ہے۔</p>				
<p>⑫ <u>اِیْلِ اِیْمَانٍ کُفْرًا کَسْبَتُوْنَ</u> سے مزید ایسے ایمان کو فختلی دیتے ہیں۔</p>				
<p>⑬ <u>اَنْزَالِشِ كَيْ لَبَدِ اِیْلِ حَقِّ كُوْصَلِهٖ وَالدَّامِ</u> اور اہل باطل کی تباہی و بظہرکت (اور شکست)</p>				

Marfat.com

نمبر	سورت	آیات	بارہ	معنا میں
186	الہ حزاب	36-35	22	<p>ایمان کے اوصاف - اسلام، ایمان، قنوت                      (فرمانبرداری) صدق، صبر، خشوع، تقویٰ                      (صدقہ و خیرات کرنا) صلوم، حفاظت نروج، ذکر الہی                      ان کیسے مغفرت اور اجر عظیم ہے، خدا اور رسول کا                      مفصلہ قطعی ہے۔ ایک بے کسی کو راستہ زنی کا                      حق نہیں۔ یہ گناہ اور گمراہی ہے۔</p>
187		40		<p>آیت فتم نبوت - "ما کان محمد اباً احد من رجاکم                      ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین و کان اللہ لکل شیء                      علیماً" → اللہ تعالیٰ مومنوں کو تارکی سے نکال کر روشنی پیدا کرتا ہے                      پہلے رخت ایسا ہے۔</p>
(187-A)			43	<p>نی انکم - شاید، جسیر، نذیر، داعی، اور                      سراج منیر ہیں، گوار و دنیا فتن کی راہ طلب ہے                      اصترار، انکی ذالی انہاد رسانی سے کون نظر، اور توکل علی اللہ                      خدا کا کافی کار ساز ہونا</p>
188		48-45		<p>سراج منیر                      سراج منیر ہیں، گوار و دنیا فتن کی راہ طلب ہے                      اصترار، انکی ذالی انہاد رسانی سے کون نظر، اور توکل علی اللہ                      خدا کا کافی کار ساز ہونا</p>
189		58-56		<p>اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کا ہیکل میں صلوٰۃ                      صلوٰۃ و سلام پر اکتفا کا۔ (نمبر 43 سے قابل ٹور ہے)                      خدا و رسول کو انبیا و دنیا و آخرت کے لئے لعنت و خراب                      اہل بد بوسنی کی مخالفت و مذمت</p>

فتم نبوت اور منوم و فلسفہ  
 اور تکمیل دین آیت

سراج منیر  
 سراج منیر ہیں، گوار و دنیا فتن کی راہ طلب ہے  
 اصترار، انکی ذالی انہاد رسانی سے کون نظر، اور توکل علی اللہ  
 خدا کا کافی کار ساز ہونا

نمبر	سورہ	آیات	پارا	ضمیمہ
190	60-62	مَلْعُونِينَ اِيْمَانًا لِقَتْلِهِمْ اُخِذُوا وَقْتُلُوا قَتْلًا	22	<p>• اگر منافق (خدا پرست طبقہ) اپنے نفاق اور جھوٹ سے باز نہ آئیں تو انہیں شکنجہ میں لے لیا جائے (مفلوب کرنا جائیگا) اور قتل کیا جائیگا۔ (یعنی قوت سے دیا جائیگا)</p>
191	70-73	اللَّهُ تَعَالَى اِلهُ قَوْمٍ بَلَغَ عِلْمُهُ ذُرِّيَّةَ طَافِكِ اَكْرَسَ	3	<p>• خدا کی سنت (دلیل) بدل نہیں سکتا۔ (سیدھی بات) • ایمان، تقویٰ، قول سیدھی (سیدھی)</p>
192	73-75	رَسُولًا كَبِيرًا عَظِيمًا لَقِيْبِ يَوْمٍ	5	<p>• اصل معنی اعمال اور مغفرت ذلوت اطاعت اللہ والرسول — عظیم قدر کا نورا (عظیم کامیابی) — عظیم</p>
193	75-77	الَّذِينَ كَفَرُوا وَالَّذِينَ هُمْ اَوْلِيَاؤُا فِي الْمَالِ وَالْاٰلِ وَالْحٰكِمِ	7	<p>• ایمان اور امانت الہی کو اٹکانا — (خلعت امانت) — (امانت اور اسکی ذمہ داری) کو ایمان نہ قبول کرنا • منافقوں اور شرکوں کو عذاب، پلاکت اور لعنتوں کو بخشش دیا جائیگا —</p>

سورۃ	آیات	نمبر	مضامین
۱۹۲	النبأ ۱-۶	۲۹	۱۔ اہل علم جانتے ہیں کہ قرآن ہی حق ہے اور منزل تصور کلیتے کا ہی پیدائش ہے۔
۱۹۳	۲۸-۳۰	۳۰	۲۔ رسالت گھڑی تاکہ لہلہ لہلہ کی گھڑی ہے۔ تبشیر و تذکرہ ایک دو پہلو ہیں۔
	و یقولون متی هذا الوعد ان کنتم صدقین	۳۱	۳۔ اہل باطل ساعت موعودہ کی نسبت سوال کرتے ہیں۔ ۴۔ اس دن کلیتے (مصلح کن گھڑی) ایک میدان (مقرر مبالغہ) ہے۔ ایک آگے دیکھو یہ دنیا کو آسکان ہیں۔
۱۹۴	۳۱-۳۹	۳۱	۵۔ اہل باطل قرآن کا کھنڈا لگا کر کرتے ہیں۔ ۶۔ (بلکہ علم بالوحی)۔
	۵۔ تاکہ اہل باطل اپنے اعمال سوء کا انجام بھگت کر سکیں۔	۳۲	۷۔ ایسا عبرتناک انجام دیکھو کہ ایک دورے کو گراہی الہزام دیں اور ذمہ دار ٹھہرائیں کہ۔
	۴۔ انکار کفر کا آغاز ہمیشہ و دہرے طبقے (سربا پیداروں اور باپداروں) کا طرف سے ہوتا ہے	۳۳	۸۔ کمزور طبقہ و دہروں کو ساری بلات و فلاح کا ذمہ دار ٹھہرائے گا۔ وہ ایسا دان من کرنا چاہیں۔
	۳۔ مال و دولت کا لہہ انہیں حق سے منحرف کرتا ہے	۳۴	۹۔ دونوں طبقات نام و سرشارہ بیونگ عقلی میں مبتلا بیونگ
	(زہریلوں میں جکرے جائیں)		

Marfat.com

دوسری  
صفحہ  
کتاب



⑤ ایمان اور اعلیٰ عالم (حق کا پتہ) ، دو گنا بدلہ ملے گا۔

⑥ (یعنی آفرات کے علاوہ دنیا میں ہی نتائج موعودہ سے بہتر نہیں آسکتے۔)

(فَاُولَٰئِكَ لَمْ يَجْزِئْهُمُ الضَّعْفُ بِمَا عَمِلُوا —)

⑦ نکماتِ الدنیا (فدائی وعدوں) کو غلط اور ناکام ثابت کرنے کی کوشش کرنا اور  
ملکہ کا شکار بیرونے۔ (والذین لیسخون فی آیتنا معجزین —)

⑧ رزق کی کمی دینی خدا کی طرف سے ہے۔ (کسی کا چاہے تو وسیع کر دے ،  
(بزرگی اور تنگی) کسی کا چاہے تو فرود آتا تک محدود رکھ۔ یہ خدا  
کے قبضہ قدرت میں ہے۔ لیکن وہ کسی کو محروم رزق میں نہ کرنا۔  
اگر ایسا ہو تو سمجھیں کہ لوگ خدا کی احکام کی خلاف ورزی کے ذریعہ دوزخوں  
کا استحصال کر رہے ہیں۔ خدا رزاق بھی ہے)

⑨ خیر کرنا ، بدلہ اور جزا فرود کرنے گی۔ (وهو ضمیر الہی) (وهو ضمیر الہی)

<p>22 • حق ، اتقا رب کی طرف سے بیرون ہے۔ (علم بالوحی سے حق ملتا ہے) حق کا وہ بیان ہے کہ وہ آتے تو باطل جڑ سے ختم ہو جائے اور ایک لوٹ آنے کے امکان بھی نہ رہیں۔</p>	<p>48-49 (قل جاء الحق و دابة الی باطل و ما یبید) (باطل نہ مٹے تو حق ، حق نہیں) (جاء الحق رزق الباطل - ان الباطل کان لیرصقوا)</p>	<p>195 ص 195 بیت</p>
--	--	------------------------------

نمبر شمار	سورت	آیات	تاریخ	تفصیل
196	فاط	2	22	<p>اگر اللہ تعالیٰ کسی پر رحمت کرنا چاہے (کامیابی سے)</p> <p>بیکار کرنا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا۔</p> <p>اگر وہ کسی سے اپنی رحمت و فضل روکنا چاہے</p> <p>(نام کام اور شکست خوردہ کرنا چاہے) تو کوئی</p> <p>اسکا احوال نہیں کر سکتا۔ وہ عزیز و حکیم ہے</p>
197	ان وعد اللہ حق	4-8		<p>اپنی باطل کی تکذیب سے گھبرانا نہیں چاہیے۔</p> <p>وعدۃ الہی حق ہے پورا ہو کر رہیگا۔</p> <p>دنیوی زندگی (جاہ و منصب اور سرمایہ و دولت)</p> <p>پر دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔</p> <p>شیطان اپنی حق بات دشمن ہے۔ اور اسے دشمن</p> <p>سمجھنا ہی چاہیے۔</p>
198	عزت و غلبہ سب اللہ سے ہیں	10		<p>ایمان اور عمل صالح سے مغفرت اور اجر لکھ</p> <p>اپنی باطل کو اپنا بڑا اعمال (بہرے کو شیشی)</p> <p>اپنی نظر میں اچھے لگتے ہیں۔</p> <p>یہاں عزت و عظمت — دو آگ آگ را</p> <p>ہیں۔ جو ذرا کی طرف سے متعین ہیں۔</p>
				<p>لا توف عمل اکبر رد و بدل میں کر سکتا</p> <p>ان وعد اللہ حق</p> <p>ان السیطن لکم عدو</p> <p>فاخذہ عدوا</p> <p>عزت و غلبہ سب اللہ سے ہیں</p> <p>اور اسی سے جاو</p> <p>یا کثیرہ کلام الکی بارگاہ تک</p> <p>نہتا ہے۔ اور نینا کام</p> <p>(یا کثیرہ بد و بد) آدمی کو</p> <p>بلند کرنا ہے۔ منزل مقصود کو ترویج کرنا ہے</p>

(51)

« إِلَيْهِ يُصَوِّرُ الْكَلِمَ الطَّيِّبَ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ »

● الكلم الطيب ← یا کلمہ اور مخلصانہ پروگرام - عزادار ارادہ اور منشور  
إِلَيْهِ يُصَوِّرُ - بارگاہِ نیردی میں مقبول ہونا ہے - اور اس کا تاثر نصیب ہوتی  
 قبولیت ہے

● العمل الصالح ← اس پروگرام کے مطابق گناہوں کی یقین سے مخلصانہ جدوجہد ہی  
 کائنات کو یَرْفَعُهُ وہ اس مجاہد کو بلند کر دیتی ہے - یعنی منزلِ سعادت  
 کے قریب بنادیتی ہے -

ان دونوں اصطلاحات کا مفہوم اس آیت کے پیرے

حقیق کے حوالے سے سمجھا جائے  
 « مَا كَانَ بِرَبِّ الْعِزَّةِ فَلَاحُ الْعِزَّةِ جَمِيعًا »  
 (غلبہ) (غلبہ)

● بَرَكَ دَاوُدَ عَلَيْهِ وَدَلِي (باطل طاغوتی عزائم کہلنے سے جدوجہد کرنا والے)

❖ (اپنے پروگرام ہی کے نتیجے میں برباد ہو جاتے ہیں)

● وَمَكَرُوا لِيَكُوهُو يَهُودًا یعنی باطل کے پروگرام میں یہی نیا ہی  
 (دائیں برباد) کی ضمانت ہے - جس طرح العمل الصالح  
 میں کامیابی کی

نمبر شمار	سورت	آیات	باب	مضامین
199		16-17	22	• اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو ایک قوم کو ناسک (مکوم کر کے) دوسری قوم کو غلہ دے دے۔ اسیرید کا قطعاً دشوار ہیں۔ (ان لیتا یدعیکم ویات بقلی جدیدہ و ما ذاک علی اللہ عزیز)
200		24-26	23	• رسالت فری — تفسیر و تفسیر دونوں پر مشتمل ہے • ہر طبقہ کی طرف (بغیر انقلاب) اہل حق کھینچ لیا • ڈرنا بیوالد ضرور آیا ہے۔ اہل بائیں کی بیکارت
			24	• اہل بائیں کی تکذیب باعترت انکار۔ گرفت میں آگے۔
			25	• اہل بائیں کے لیے کہ ہوسے اور اہل بائیں کے لیے کہ ہوسے مطالع تباہ و مہرباد بیوگت کتاب منیر — تفسیر فرزند و گرا
			26	• اخراجات میں تنہا ہی — یہ تفسیر میں بیوگت رہا
201		29-30	27	• تلووت کتاب، امانت صلوة، اتفاق (سری و جبری) اس تجارت میں قطعاً نقصان ہیں۔ • اللہ تعالیٰ ایسی جگہ اجرو دے گا اور مزید فضل کرے گا۔ تقدیر اگر دنیا میں نہ ہو۔ ذات بیوگت تو وہ شکر میں رخصتا۔
			28	• تلووت کتاب، امانت صلوة، اتفاق (سری و جبری) اس تجارت میں قطعاً نقصان ہیں۔ • اللہ تعالیٰ ایسی جگہ اجرو دے گا اور مزید فضل کرے گا۔ تقدیر اگر دنیا میں نہ ہو۔ ذات بیوگت تو وہ شکر میں رخصتا۔

نمبر شمار	سورت	آیات	پاؤں	معنا میں
202	غلبہ و انتہا	39	22	<p>خلوت ارنی (غلبہ و انتہا) اللہ تعالیٰ دنیا ہے</p> <p>ایک لہ جو کوئی گنہگار کو تو فراموش کن اس کے لئے</p> <p>بزار کی لہ لفقان میں لہنا نہ ہو جانا ہے۔</p>
203	غلبہ و انتہا	42-45	4	<p>لہنت سے یہ ہے۔ یہ بود و لغاری کے حال کو دیکھ کر</p> <p>کفار مکہ (قریش) نے تمہیں لہا میں کہہ کر بھروسے</p> <p>پاس کو لہ رول آنا لہود لہا بیرون کریں گے۔</p>
	نہن محمد لہنت اللہ بندہ اللہ			<p>لیکن لہنت فخری ہر لہنت لہے۔ وعدہ لہورانہ</p> <p>کیا ہے۔ لہنت، غور لہو فریب کرنے لہے</p>
	ولن محمد لہنت اللہ محمدیہ			<p>وہ پہلی آیتوں (انما) دیکھیں</p> <p>خدا کی صاف لہے پہل میں سکے</p>
	تاکہ لوگ خود اپنے			<p>اللہ تعالیٰ اللہ رحا ہے تو اہل باطل (ظالموں) کو</p> <p>یہ لہرا لہا لہ ظلم لہ لہ کر تباہ کر سکتا ہے</p>
	انما کو پخت رہیں			<p>سب کو مہنت و نابود کر دے لیکن وہ لہ</p> <p>لہ کو مقرر صاف لہے اور لہ لہ عمل کے مطابق</p>
	مقرر تانوں کے مطابق			<p>مہنت لہ کن ساعت تک ڈھیل دینا ہے</p>

نمبر شمار	سہ	کتاب	نمبر	صفحہ میں
204	لیسن	6-1	22	قرآن حکمت والی کتاب ہے۔ حضورؐ مرسل ہیں۔ اور سیدھی راہ (صراطِ مستقیم) پر جو منزل مقصود تک پہنچائی ہے۔ یہ منزل برائے اندازہ
205	"	47	23	اہل باطل کسی نامکمل معطل دفع کرنا میں چاہتے ہیں۔ بلکہ اس سلسلے میں خدا کی کلمہ پر بیانہ بنا کر اپنی جان اتفاق سے بچانا چاہتے ہیں۔
206	"	69-70	"	پیغمبران فرمودات اور قرآنی دعائیہ شعر (شاعرانہ تعلق) میں بدد و واضح حقیقت ہیں۔ اہل باطل پر حق واضح اور ثابت ہو کر رہے گا۔
207	"	71-73	"	فلسفہ ملکیت - (اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اپنی تخلیق کردہ اشیاء پر اسلئے مالک بنا دیا کہ انہیں اپنے مختلف منافع حاصل کریں اور شکر بخالہ ہیں۔
	"			اہل حق کی فتح و غلبہ کا وعدہ کیا گیا ہے ( )

نمبر شمارہ	سورہ آیات	بابہ	صفحہ
208	المہجۃ - 75-82	23	حضرت نوحؑ - معرکہ حق و باطل میں کامیابی
<u>209</u>	دینیوں کا مہابی، تباہ سلاستی یہ بھی جزائے الہی ہے		دنیا کی تعریف اور سلاستی میں خدا کی لعنت ہے۔ اور یہ خدا کی طرف سے نیکی کی جزا ہے۔
210	و بحینہ داعیہ من اکرب العظیم تم اغرتنا الاخرین		فاراد و ابہ کیدا مجعلناہم الاستغلیت (اہل باطل کے داؤ کو ناکام بنا کر حضرت ابراہیمؑ کو کامیاب کر دیا۔
211	100-111	"	حضرت ابراہیمؑ کی دعا اولاد رکھنے، فرزندوں کا عطا ہونا، اور خدا کی رضا رکھنے اسے قربان کرنا، امتحانِ عبر
<u>212</u>	114-122	"	خوشی و عارونؑ کی مہابی و غلبہ اور اہل باطل کی شکست و ناکامی - (اناکذاک خیزی المحسین)
213	133-138	"	جزا محض جزائے اخروی ہی ہیں ہے۔
212	171-173	"	لوطؑ کی مہابی اور گمراہ قوم کی ہلاکت -
213	171-173	"	بھارا و مدہ سے اسباب کی طرف سے نازل ہوا نفاق (غلبہ آیتنا کہہ متک اہل حق کی یہ درد میوگی اور بھارا ہی لشکر

بزرگوار	سورت	آیات	پارہ	مضامین
214	قص	8-1	23	<p>ذکر و اے تران کا قسم - کفار تکبر اور مخالفت حق میں ہیں</p> <p>میں ان لوگوں کی تباہی کا کفار ہفت روزہ کو جادو کر گنا -</p> <p>تعدد آلفہ کے انکار پر تعجب، ہفت روزہ کی تبلیغ و سعی</p> <p>(توضیح) کو کسی خواہش و طمع ہونے سمجھنا</p> <p>قول رسول کو اختلاف قرار دینا - (نہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)</p> <p>کفار کو اپنی دنیوی عزت پر ناز تھا - اور ہفت روزہ پر طعنہ</p> <p>کیریم سب کو چھوڑ کر اسپر وحی نازل ہو گیا ہے</p>
215		40-12	"	<p>قوم نوح، عاد، فرعون، ثمود، لوط، شعیب کا تذکرہ</p> <p>اور ان کا عبرتناک انجام -</p> <p>داؤد کو دنیا میں مضبوط سلطنت، حکمت و دانائی اور قول منفصل (منزل الخطاب) عطا فرمایا گیا</p> <p>سیرت نامہ داروں کا مفاد پرستانہ اور استحقاقی ذہنیت</p> <p>فما الارض ما حکم بین الناس بالحق - ع 26</p> <p>کائنات کی تخلیق با مقصد ہے، اور با صفا بطور ہے</p> <p>توازن سے خالی سمجھنا کافرانہ خیال ہے (Creation by chance) (کے تصور کا نفی)</p> <p>نومنین سے دھندلے ہوئے ایک جیسے ہیں ہو سکتے</p> <p>متقین سے جدا جبار</p> <p>نومنین سے دھندلے ہوئے ایک جیسے ہیں ہو سکتے</p> <p>متقین سے جدا جبار</p>
	دینیوی اقتدار (داؤد)			
	(وشددنا حكمة و آتینہ الحکمة) وفضل الخطاب			
	"یا داؤد انا جعلناک خلیفۃ" فما الارض ما حکم بین الناس بالحق			
	کائنات کو کسی مقصد اور صفا ہے			
	توازن سے خالی سمجھنا کافرانہ خیال ہے			
	سلیمان کو دین حق کے غلہ کہیں			
	لا تبار دنیوی نعمتیں دی گئیں			
	دنیا چاد خدا سے غافل نہ کرے کہ			
	دنیا داری میں برکت سلیمان علیہ السلام			



صفحہ	آیات	صفحہ
23	87	216
4	الزمر 1-3	217
4	9-12	218
4	وارض الله واسنة	219
4	17-18	220
4	22	221
4	25-28	221

23 ان هو الا ذكرو للعلمين - عالمی ہدایت -

4 خدا غلبہ و حکمت و دلائل جس سے قرآن نازل کیا -  
اخلاص فی اللہ کی تعلیم -

• شرک کہتے کوئی بھی وجہ جواز میں بیہوشی -

• جھوٹا اور ناشکرا ہدایت سے محروم رہتا ہے -

4 • فرما ہنبردار اور نامبروان ، جانف دالا اور ایمان  
برابر میں ہو سکتے -

• اہل حق کہتے اس دنیا میں ہی فعلی ہے

• اخلاص فی اللہ کی تعلیم -

• اجتناب عن العاصیوت اور انابت الی اللہ

• مددوں کہتے و نجات اور ہدایت -

4 • الشراخ صدر اسلام کہتے - نحو علی نور من ربہ

• جسے دل یاد خدا سے غافل ہو گیا - وہ طراپی ہو رہے

4 • اقوام سابقہ کی تہذیب اور انعام

• اہل باطل کو دنیا اور آخرت میں ایک ایک عذاب

• قرآن میں یہ صبر کی تعین بیان ہوئی ہے -  
تا کہ جو صبر یہ ایمان

مختار	سورہ	آیت	تاریخ	معنا میں (58)
221	الزمر	32-37	24	ظلم — کذب علی اللہ اور تکذیب بالصدق تقویٰ — تمسک بالصدق اور تصدیق صدق دعا (دعوت الی اللہ) (دعا) جزا و انعام — تکفیر سیئات (ظلم)
	من فضل اللہ مالہ من ہاد و من یمہ اللہ مالہ من فضل			الین اللہ کاف عبداً
222		41		نزول الکتاب بالحق — ہدایت و صلوات ایسے ایسے ایسے ہی متذکر نام
223		53-55		خاکہ روت میں مالوس نہ ہونا — انابت اللہ اور تسبیح و اطاعت علی — یہاں ذات سے پیدا اتباع ما انزل —
	مذہب تک کا تلیف			
	یوم نیا			ایلی نامہ اور اہل بیت ؟ ایسے ایسے ناما تک جانے نظر
224	المومن	1-9		قرآن بالعارف "مفہوم" کے حوالے سے "الغفران العظیم غافر الذنب ، قابل التوب ، شدید العقاب ، ذی العرش توحید (الوہیت و درایت) آیات و لیسہ میں جبراً (الانار) ایلی کفر (باطل) لیسہ

سورہ	آیات	بارہ	مضامین
		24	<p>ابن باطل کی فایرہ شان و شوکت سے اپنی حق کو متاثر نہیں ہونا چاہیے۔</p> <p>تعم نوح اور دیگر طغیان کا تکریب کا یہ باطل گروہ ما ارادہ یہ بیونا قائم حق کو متاثر نہیں (ہانا کا گروہ) اور باطل کو سبب اذیت رہیں۔</p> <p>قدرت نامہ کا دلیل باطل کو متاثر اور اسطرح کلمات خدا حق ثابت ہوئے۔</p> <p>ابن حق (موسین) کیلئے حاملان عرش کی دعا</p>
	وعدہ اللہ باطل کو شکست دینے اور حق کو غالب کر لینے سے یہ یورا بیونا ہے		
	ولذالك صفت كلمت ربك على الذين لنزوا (موسین کیلئے فرشتوں کی دعا)		
225	یہ زیادہ گراں گنت میں نرم رکھنا ہے۔ تو ان آسان سمجھو میں صفاں بیونا	4	<p>اگر خدا کا بندگی و اطاعت اور اطاعت خالین میں</p> <p>ابن باطل کی طرف سے (موسین کی طرف سے)</p> <p>ممانعت و مزاحمت نہ اند میں) تو یہ اطاعت خالین کی طرف سے نہ ہوگا۔</p> <p>(لکم نبایونہ علی حرب الاحمد والاکر)</p>
226	جابر و معتزہ ہر ماہ داروں اور کھولوں کی نفسیات	11	<p>اقوام سابقہ کی پلہات</p> <p>و تبای۔ حضرت ابن باد کے انکار کے سبب سے حق فرعون، عامان اور قارون کی حضرت موسیٰ کی دعوت</p>

نمبر شمار	سورہ	آیات	صفحہ	مضامین (60)
227 ✓	المومن	58	24	جامل و عالم اور نیکو کار و بدکار برابر میں ہو سکتے۔
228 <u>مصداق</u>	"	81-85	4	انہم سابقہ کی <u>تباہی</u> ، ابتداء کی تکذیب کے سبب تھی۔ اور یہ اصول الہی پے کبھی بدل نہیں کرتا۔
	سنت اللہ الیٰ قریبہ فی عبادہ			عذاب الہی کو دیکھ کر ایمان لانا قابل قبول نہیں یہاں ربانی قبول نہ کرنے کے مختلف بیانے۔ اپنے اور رسول الہی کے درمیان کارٹ و معاہدہ کا التزام کہ کیسے آپ کی اطاعت کریں۔ <u>جواب</u> یقین جیسا ہیں۔ کہ ہر بات میں سزا اور جھے دیکھ کر دینا اتباع کر سکو۔ " علی امانا لبرہم سلم۔"
229 ✱	حکم السجدة	5-6-7	"	قوم عاد و ثمود کا تکذیب و تکبر اور عرشوں انہم۔
230		13-14-18	4	اور اہل حق کی نجات دکانی
231 ✓	دینا اور آخرت دونوں میں معاونت	30-36	10	کل حق بلند کرنا۔ اور اس پر استقامت تفہیم ملانے۔ امداد اور بشارت

صفحہ نمبر	سورۃ آیات	پارہ	غزوات
(61) صفحہ 4	دعوتِ الہی اللہ - عمل صالح - سب سے بڑا نیک ہے	41	✓ قول و عمل میں مطابقت (وینتگی)
5 صفحہ اور حصہ میں دلچ اسپاؤز (خوشی اور حق و باطل کی جیسے میں ہیں)			
6 غنیمت و دولت کی تعلیم - (احسان) میں عداوت - دشمنی میں بدل جاتی ہے (انتقام نہ لینا - صلیب طرعیٹ بیونا)	✓	X	✗ مگر یہ دولت بہت بڑا لقب ہے جو صرف عبید والوں کو ملتا ہے
عداوتِ ربانی کتابِ عزیز ہے (غنیمت لادہ عمل اور لیبل باطل کسی لحاظ سے)	✓	41-42	232
(Guaranteed Programme) لیبل باطل کسی لحاظ سے			Imp.
یہ اس لادہ عمل کو ناکام ثابت نہیں کر سکتا۔			✗ ان کہنے بجاؤ کا کوئی راستہ نہیں ہے
		25	-233

① " فادعوا لله مخلصين له الدين ولو كره الكافرون "

---

قرآنی فلسفہ اللہ

---

شہر علی لہذا دریا

(2)

گنتی سوال ہے۔ عمل کیوں چھوڑا ؟

اس لئے کہ وہ مطلوبہ نتائج زندگی میں (اسلام) پر عمل سے پیدا ہونا نہ ہو گئے  
اسلام کی بے تائیدی۔ اور مالک کی وجہ سے لقمی کا تصور ہی ہوا۔

وہ ٹوٹرات سما میں صفوں نے اسلام کی کثرت نتائج کے لحاظ سے مالک کی  
سزا ہے ؟

زندگی کے بنیادی لغوات میں لقمی

زکوٰۃ کو قائم کرنے کے لئے انداز فکر میں تبدیلی درکار تھی۔

صراط

ٹوٹرات دو ہیں

- (1) غلبہ کا اصل - حق کے حق کے غلبہ سے صحیح جانا
  - (2) غلبہ کا اصل - غلبہ کی بنیادیں لغوات میں
- تقریباً عملی زندگی میں لغوات سے دروغا ہونا

دو طرح کے انقلاب ہو رہے ہیں

سکسی انقلاب

قدرت انقلاب

Demands of Rights اور مطالبہ حقوق

③ مساوت - ایسی دنیائی اجتماعی زندگی جو مطالبہ حقوق کے بجائے مطالبہ حقوق یا

کے لئے حرکت نہ ہو بلکہ ایسی فردیت جس میں شرعیات اسلامیہ ہو۔

، Socialism ،  
، Capitalism ،  
عاشی دنیا داری ، لیکن دنیائی مفادات ،  
عمرانی دنیا داروں (وطنیت) ،  
وغیرہ

” اسباب و لہجات اور سیاسی تغیرات و ثورات  
بہت بابت عالمی سطح پر اسلام کی اجتماعی قوت  
زوال نہ ہو سکی“

دینیات کی نشانی  
\_\_\_\_\_

- 1 سیاست عامہ
- 2 مساوات
- 3 عمرانیات
- 4 اخلاقیات
- 5 اسلامیات

دینی زندگی - مرد علم

✓ صنوع - علم  
✓ صنوع - عمل

دانش گاہیں اور  
تاریخی مآثرات

✓ ” دور علمانی کے اثرات - ” زوال کا سبب یہ ہے  
دینی و انسانی کہ یہ علم نے عمل کو نہ چھوڑا بلکہ  
” حالانکہ اس وقت ہمیں یہ علم ہے اور ہمیں یہ علم ہے“



Chapter I  
General

④ مستقبل میں مسلمانوں کے  
 (۱) آبادی کی نسبت اتحاد اور اتحاد سے  
 (۲) اتحاد اور اتحاد سے  
 (۳) اتحاد اور اتحاد سے  
 (۴) اتحاد اور اتحاد سے

اسلام کے قابل عمل بیوتہ کا  
 (درجہ تالیف)  
 اور ایمان نہ رہے

سیاست  
 حاکم و مملوک "منزل من اللہ" مانوں کے مابین تابعیوں کو  
 معاشرے میں اندازہات کے عادلانہ بنام عقلمند اور نردوغ کیلئے کوشش کریں

⑤ معیشت -  
 (۱) آئین و ملکیت سے بدلہ  
 (۲) رد عمل کے طور پر جمہوریت سے بدلہ

تخلیق اور دولت کیلئے ایسا عملی قانون کا عمل ہے جس سے سماجی ناہمواریاں  
 بے العافی کا فائدہ اس انداز سے ہو کہ نہ کوئی نردوغا جہندی میں مسئلہ رہے  
 اور نہ کسی کی تخلیق اور جدید مسائل میں (۱) اسکیلے اسٹڈ گورنر سے کہ لوہے  
 معاشرتی زندگی کو ایک حدت "کلائی" (لگائی) تصور کیا جائے

دیکھ بھلاؤ کی تقسیم ہے  
 سماجی توازن و استحکام ہے  
 سوشل کی کوشش کی جاتی ہے  
 (۱) انفرادیت و سرمایہ داریت سے بدلہ  
 (۲) اجتماعیت و اشتراکیت سے بدلہ

وہاں پہلے اور ان کی تقسیم کی بنیاد ہے  
 (۱) انفرادیت و سرمایہ داریت سے بدلہ  
 (۲) اجتماعیت و اشتراکیت سے بدلہ

5 مغربی اقوام کے باہمی سیاسی لپیٹی ← ذہنی شکست خوردگی - فکری مرعوبیت

لینے لے لینے کی نسبت اعتماد معمول - برہمنیوں پر برطانوی آفیسر کے غلبہ سے تغیرات -  
ابن حق "عالم اسلام میں اس کی تغیرات" دیکھنا چاہئے

1 سیاہی تغیر ← اعلانِ حرب اللہ ضد الخلیفون - ائمہ الغائبون

2 مساکین تغیر ← بعض اہم بعض عدوؤں و لکھنؤی الارضی متقرر و متاع الی حسین

(سیاہی) (مساکین) (دینار)

3 تانوی تغیر - سید بسویہ  
4 امر الی معاشرتی تغیر -  
5 ثقافتی تغیر -  
6 تعلیمی تغیر -  
7 مذہبی تغیر - قرآن و سنت (دعا) سے کتاب و علم  
کس موقعہ کہتے ہیں؟

تغیرات (تمام) عالم اسلام  
میں دو نما پورے - مہولی ذوق  
پورے کتابے -

سیاہی و مساکین تغیر سے غلبہ حق ختم - معیار کا دین بحال نہ رہا -

توے نافرہ جبکہ بابت اسلامی مسائل موجود بالفعل اور محفوظ ہے - ختم ہو گیا

باقی 3-4-5-6 وغیرہ تمام تغیرات کا درجہ پورا منطقی نتیجہ تھا -

لہذا معمول بہ دین کے <sup>سچی</sup> نفاذ کی قوت نہ رہی - یعنی بحال نہ رہ سکا -

تاریف - اس کا نتیجہ مساکین غلبہ حق - یعنی سیاہی غلبہ جو اللہ کتاب و سنت

تہ <sup>عین</sup> ہو گیا ہے - شرلیت - طرقت - مساکین کی لوہا - کا نفاذ

⑥ معمولاً بہ دین اور معاشرے میں ما تلقی - لہذا مآثر (آیات - احادیث - روایات) سے

(اب نہ اصرار سے بیوقوفی کا کہ سبکی اللہ سے متفق ہے یا معاشرتی اللہ سے)

● سبکی اللہ سے معاشرتی اللہ سے متفق ہے - (مدلل ہوتے)

(پرستار رسول کا حوالہ بہت سے ہے - - - - - سب سے پہلے اللہ سے نظر ہوا ہے کہ تو -

یعنی معمولاً بہ دین کی بجائی اور معاشرتی کی نسبت سے <sup>سبکی اللہ سے</sup> معاشرتی دین کو بیان کرانے کا جو وہ چاہتا ہے

یہ سبکی اللہ سے جو وہ چاہتا ہے -

Chapter II "سبکی اللہ سے متفق ہے اور سماجی و معاشرتی اللہ سے" کی

نتیجہ

نیابتِ اہم اور غور طلب موضوع - آیات -

- نقول من جانب اللہ
- ① سورہ الحديد = پارہ 27 - آیت 25 - (الکتاب والمیزان والحديد)
  - ② 18 - 57 - 55 - (استغفر فی اللیل - مذہبی تلمیح و - سماجی نفع)
  - ③ 17 - 40-41 - (دفع للناس بالناس - تلمیح فی اللہ)
  - ④ 16 - 24-34 - (انما سرور دین)
- 43/44

5	سید نبی اسرائیل	پارہ 15	1	آیت نمبر 80	دعا (سلطاناً لعنوا)
6	یوسف	13		54-55/56	دائغ حضرت یوسف (تمکین فی الدنیا)
7	یونس	11		83/92	فرعون کے غلبہ دائغ میں نوزیج ہو گیا
8	اعراف	9		157	ایمان - کفر - لغت - اتباع
9	سجاد	5		74-75	شرائط مہربانی
10	النار	9		26-29	تعالیٰ پر استعمال شدہ ظلم کا تصور

"مکان توقف کے علاوہ - سنت رسول" اہل بیت - حضرت حسین

Chapter III  
 اہل حق کی سیاسی جدوجہد تمام قطعاً اور یقیناً نتیجہ خیز ہوگی  
 محض ثواب اخروی کی امید اور دنیوی مہربانی

فکر کا ذہنی شکست خوردگی کا نتیجہ ہے  
 یعنی لوگ  
 اپنے یورپ اور برطانیہ جدوجہد پر نظر ثانی کرنا چاہتے ہیں  
 اور اپنی نامی کی حقیت و صداقت کو چھپانے کیلئے اسلحا علیہم السلام پر دنیوی نامی مارتا  
 کافی ہیں۔

کامیابی و ناکامی کا لیتن مقصد کے حوالے سے بیوتات ⑧ مقصد لیتن و تحفص ضروری ہے۔ پھر اس بنیاد کی نسبت کامیابی و ناکامی کا مقصد کیا جائیگا۔

اسلام میں اخروی نفع و کامیابی کا یہ مفہوم نہیں ہے بلکہ دنیوی کامیابی و کامیابی عزت و عظمت اور غلبہ و اقتدار (امامت و نبوت) دہشت کی یہ صفات جیسا کہ فرمایا ہے۔ {اصحاب حق والی باطل}

اسیادہ کامیابی اپنے اپنے مقصد لیتن کی تکمیل سے اور ناکامی عدم تکمیل سے پارہ 12

پہلے اسناد علیہم کے ساتھ اور شایع کامیابی لیتن نوح علیہ السلام - عر 25 - سورہ ہود آیت (123-25)

(نوم ۱۱۱) 3 اعتراضات آیت عر 27 - جواب آیت عر 31

منکرین عذاب - واقعہ طوفان نوح - آغاز عر 37 - لیتن نوح پارہ 29 - نوح عر 26-28

② لیتن نوح علیہ السلام - عر 50 - اپنے مقصد لیتن کی تکمیل آیت عر 57 منکرین کی ذلت و رسوائی - عر 58 پارہ 12/57

③ لیتن نوح علیہ السلام عر 61 - منکرین کی ذلت و رسوائی (عذاب) عر 64-65 66, 67 مقصد لیتن کی تکمیل

④ لعنت لوط (توم کو عادت شیعہ سے منع کرنا) - نازمال - سکرین کی کتابی  
ع 80 - 83 (برائوں) ✓

⑤ لعنت حضرت شعیب - ع 84, 85, 86 - "وہانا علیکم بحفیظ"  
ع 88 "ان اریذ الا اللہ علیہ ما استطعت" ✓

سکرین کی ذلت و رسوائی - آیت ع 94/95  
لقد آتینا موسیٰ الکتاب و قلنا تقرنا تبیرا  
ع 35-39 - الفرقان پارہ 19 ✓

⑥ لعنت حضرت موسیٰ - خاص طور پر فریاد "لقد آردنا"  
ع 96/97 ✓

انہما میں حضور کی cause ہے  
کسی حد تک ممان بقا -  
لہذا عقوبت کی تکمیل - (قوی آزادی بن جائے)  
بتلیغ مذہب ہی  
سیدہ الشہداء  
پارہ 19  
ع 143-136  
تہذیب القرآن

⑦ لعنت حضرت یوسف - العسارہ ع 4 سورہ یوسف پارہ 12 ✓

عقوبت کی تکمیل - ع 55/56 "لا یضیع اجر المحسن"  
اور ع 99-100  
وہا علیہ الا اللہ

عقوبت - طاب ظاہر  
ع 43, 44, 47  
یونہی 89, 89, 90

⑧ مقصد لغتِ قمری - غلبہ دینے سے حق - اہل حق و اہل باطل کا لغت - حضرت ⑩

مقصد لغت - کوبر - پیرہ نمبر 10 آیت نمبر 32/33 اور الفتح - پارہ 26

✓ مقصد لغت کی تکمیل - المائدہ - پارہ نمبر 6 آیت نمبر 3

✓ طرائق تکمیل مقصد لغتِ قمری - انفال - پارہ نمبر 7 آیت نمبر 7/8

یہ مفرد مقصد حرف اور حرف حضور کا تھا۔ اور آگے ہی تکمیل ہوئی۔

سابقہ اہتمام کا مقصد ابداع میں و انذار میں - ہمیں کامیاب ہو کر

تفکر کو ذلیل و رسوا کر دینا تاکہ نئی نئی کھیت نہرت ہو۔

لہذا ان اہتمام کے مقاصد تکمیل ہو چکی - کامیاب ہو کر

✓ اب آیت قمری کا مقصد محض ابداع و انذار میں

بلکہ احقانِ حق و العال باطل کہنے کے غلبہ سے ہے۔

سبکی کامیابی و ممکن تاکہ اقامتِ دین ہو سکے

(آیت قمری کا مقصد مقصد قمری ہے دیگر اہتمام کا مثال درج نہیں)

ص ۱۷

۱۱) برادریم نتیجہ خیزی اور اسباب و مازان کی ضمانت (۱۵) و (۱۶) کے بیان پر

- ① المائدہ - پارہ ۸ - عر 56 → (ضرب اللہیم النہون)
- ② انفال - پارہ 9 - عر 29 تا 26 (عطاء فرمان و وعدہ)
- ③ انفال - عر 36
- ④ عر 39 - 40
- ⑤ پارہ 10 - عر 44, 45, 46 (حکمت تاکہ گھسانا کی جنت ہو)
- ⑥ عر 49
- ⑦ عر 53 اور عکس "ان اللہ لا یغفر" یا یغفر حتیٰ یغفر
- ⑧ پارہ 10 عر 60, 61, 62
- ⑨ عر 65, 66 (وعدہ علیہ)
- ⑩ التوبہ - عر 36 وعدہ عدت Blood 67
- ⑪ ابراہیم پارہ 13 - عر 12-15

عندہ ما یغفر  
فہ انہ آفتون  
نہ یغفر لہما

32/33  
انکا زبانی



- 12 ✓ باره نمره 251 و النقره  
عبر 15/16
- 13 ✓ " " " "
- 14 ✓ " " " "
- 15 ✓ باره 26  
عبر 35
- 16 ✓ آال عمران - باره 4  
عبر 137, 138  
139 ✓ اعلون  
140, 141
- 17 ✓ الفتح - باره 26  
عبر 22, 23

باره نمره 251 و النقره  
عبر 251  
↑ نزيد  
وضع للناس بالناس  
(عيسى - ولا نيزال)  
انتم الاعلون  
عبر 35  
عبر 137, 138  
139 ✓ اعلون  
140, 141  
من قوله الله عز وجل

القلوب  
الفتح - باره 26 عبر 29  
المائدة - باره 6  
يا قريش عبر 54/55

18 ✓ الروم - باره 21  
47  
(سكان قدامنا لغير المؤمنين)

(13)

پاکستان کا تیاگ اور اس کا آئینہ دلہ عمل -

(ریاست مدینہ سے حوالے سے)

تیاگ مدینہ کی روشنی میں پاکستان کے مافی دستقبل کا جائزہ

سماجوں کی مذہبی شخص اور ملی انفرادیت کا مسئلہ

① مکہ میں کنارہ کا غالب اکثریت - حکومت کا جمہوری حق کنارہ کو سماجوں کی سماجی حکومتی

② مکہ میں کنارہ کی گرفت تمام مملکت میں - سماجوں کی سماجی اصلاح اور لپٹی

مردہ نیو میں تمام رسائل معیت پر کنارہ کا قبضہ - سماجوں کی سماجی حکومتی

③ مکہ میں کنارہ کی معاشرتی برتری و نوعیت سماجی تفریق بہا کے اصول (آیت)

سماجوں کی سماجی حالت ناگفتہ بہ - یہی لوزین شہدائین تھی -

سرکار برطانیہ کا اصل حریف و مددگار سماجی سماج تھا - حکومت سماجوں کے معنی تھی

لینڈ سماجوں کو تمام اعلیٰ مناصب سے محروم رکھا گیا

مذہبی شخص اور ملی انفرادیت کا مسئلہ

سکائی - سماجی اور سماجی آزادی کے بغیر مذہبی ملی شخص کا تیاگ ناممکن

تیاگ مدینہ

تیاگ پاکستان

(آیات و قواعد)

حديث يروي عن ابي هريرة <sup>رضي الله عنه</sup> قال وعذرا رسول الله <sup>صلى الله عليه وسلم</sup> غزوة الهند فان ادركتكم  
 الفتن فيما نفسي ومالي وان قتلت كنت افضل الشهداء وان رجعت فانا  
 ابو هريرة المحرر.

غزوة - عن ثوبان مولى رسول الله <sup>صلى الله عليه وسلم</sup> / عصابتان من امتي حررتهما الله  
 من النار عصابتان لغزوة الهند وعصابتان تكون مع عيسى بن مريم <sup>عليهما السلام</sup>

(باب غزوة الهند - مناهي جلد دوم)  
 p. 52

(Reconquest of India  
 for Islam)

(Reconquest of Mecca  
 for Islam)

ع 12

ج

مايه ع 191/190

(واقتلوهم حيث تقفتموهم واخرجوهم من  
 حيث اخرجوكم)

فانلكم لا تقايلون في سبيل الله والمستضعفين من الرجال

④ حدیث کی سبھی روایات (تمام) ④ ⑤  
 عدت اور رخصت کی بنا پر -  
 حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے فرمایا کہ - لا انا ولا ابی اللہ

④ میں ایک پاکستانی طالبہ بھی عرف  
 مری و نظریاتی بنیاد پر -  
 لغزہ لا انا ولا ابی اللہ

⑤ روایت حدیث کے وجود کو ملنے کی  
 غیر مسلم تباہت نے تسلیم کیا۔ مخالفت  
 و مزاحمت -

⑤ عید کی عظیم تباہت نے آج تک  
 تسلیم نہیں کیا۔ مخالفت و مزاحمت -  
 (یہ ہم نے اس حدیث کو نظر انداز کر دیا)  
 (میں نے اس حدیث کو نظر انداز کر دیا)

⑥ کچھ مسلمان کہہ رہے تھے -  
 ان کا جان و مال اور عزت و آبرو  
 صرف حق میں ہے -  
 (چنانچہ کہ آزاد کرا لیا گیا)

⑥ گامی مسلمان تباہت (تباہت) میں رہ گئے -  
 حالت تباہت بہتر ہے -  
 (آزاد کا دلانا منظور ہے)  
 جب تک تباہت  
 تو تباہت نہیں آئی گی

⑦ حدیث عظیم اقلیس موجود نہیں  
 یہود و نصاریٰ وغیرہ  
 (دفعہ لفظی عمل ربیب کیا گیا)

⑦ یہاں بھی حدیث عظیم اقلیس موجود نہیں  
 (میں میں کچھ وجود پاکستان کی دشمن ہیں مگر)  
 (یہ وہ تباہت نہیں آئی گی)  
 (یہ وہ تباہت نہیں آئی گی)

⑧ حدیث تباہت میں  
 Opportunism  
 شروع سے موجود ہے۔ جب نقل و حرکت  
 پر نظر کریں گے۔

9) حیاتِ خرد و القادار دو گروہ

مفادات و القادار نہ ہو سکتا۔ تیار ت ہوئی

9) دو گروہ کے عمل و رویا ت  
(لقادار کا قہر دفع نہ ہو سکتا) تیار ت  
نہ تھی۔ ذہنی لقللغ نہ ہوئی

10) دو عالمی طاقتیں -

روم و ایران  
(نیٹرو و کسری) کو خطرہ  
اس عالم

10) دو عالمی طاقتیں -  
روس و امریکہ  
Capitalist Socialist  
Block

11) دونوں عالمی طاقتوں کا لہجہ و

عناد اور عداوت و مخالفت  
رہا ستر بدینہ ہے۔

11) دونوں طاقتوں کی رسل و دشمنی  
کی کیفیت ہے۔ بالکل ان کو  
پہنچا کر لگنا -  
انہروں کی سازشیں  
اور بیرون ملک

انہروں کی سازشوں اور بیرون ملک  
کے خلاف لگنا

12) Reconquest of India for Islam

کی بدینہ طلب ہے -  
اسی شرط لگتا ہے -

احادیث

12) Reconquest of Mecca for Islam

کی بدینہ  
جاری رہی

آیات

(14) (13) دونوں ملکوں (تہذیبوں) میں سے کسی ایک میں ہی مدغم نہیں ہوئے۔ (انہی شخصوں والی لفظوں کو قائم رکھتے ہوئے نئے ملک (انٹیک) اور ان (سبھی) کی مثالوں کے ساتھ غیر صالحانہ اقلیتوں کے

(13) دونوں ملکوں میں مدغم ہونے کے بغیر (انہی شخصوں والی لفظوں کو قائم رکھتے ہوئے نئے ملک (انٹیک) اور ان (سبھی) کی مثالوں کے ساتھ غیر صالحانہ اقلیتوں کے

نئے ملک (Muslim State) Islamic Common Wealth (انٹیک) عمل میں لایا اور عالمی سیاست کے اجاروں سے غیر صالحانہ اقلیتوں کے

تہذیبوں میں پیدا ہونے والی لسانی غیر صالحانہ اشتراکات کے باوجود درگمانہ قومیت کا تصور نہیں کیا۔ اور ایمانی اشتراک کو اس کی قومیت قرار دیا۔

دو نوعی نظریہ

واقفہ (یعنی عقیدہ پابندی)

عربی لفظوں - اہل کلمہ کیساتھ لسانی سازی اور غیر ایمانی وطنی اشتراک و عقیدت کے باوجود اس فرسودہ تصور قومیت کو نظر دیا اور اہل دینہ کے ساتھ شخص ایمانی عقیدت اور نظریاتی یگانگت کی یہ

رشتہ عقیدت میں مندرجہ ہو گئے (یعنی قومیت یہود میں آئی)

Chap. VI (To wage progressive wars) in order to eliminate the Aggression  
جونی (18) القلوب

- 178 البقرة - یاره غز ۲ آیت ۱۷۸
- 179 البقرة - یاره غز ۲ آیت ۱۷۹

کتاب علیہ العاص من فی القتلی  
 وکلمتی العاص حیوة یاری الالباب  
 (بیت طایرک اعتبار الفزادی ولباق مع مگر المذوق عمومی تو کما زنگی پر)  
 (معنا من وانشقاق تو کما زنگی بقا و تحفظ کی شرط اولی مع)

- 3 یاره غز ۲ - البقرة ۱۹۰-۱۹۳  
 (دقاتلوا فی سبیل اللہ -  
 وقاتلوا صیت تقفتموہم -  
 وقاتلوا من لا یؤمن بشئہ -)

البقرة 214  
 (فقد ترماننا من سبیل تقفیل مقصد من ایادی ناکل مع)  
 اردنی صیت لعیب ہوگا

وآقتلوا اللذین  
 صیت معذرت ہوگا

- 5 البقرة 216 - 218  
 کتب علیہ القتال

- 6 یاره غز ۲ البقرة 243, 244, 245, 246  
 (صفت توشی کے بعد تو م بنی اسرائیل اعمال)

- 7 247 = 252  
 249 / 250, 251

- (19) **وَلَوْلَا رَفَعْنَا مِنَ الْجَبَلِ لَكُمْ لَعْنَةً لَكُنْتُمُ الْآرَمِينَ**  
 (بعضی لعنہت الارمن)
- (20) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَعْلَمُونَ**  
 (بگو کہ تم کہہ رہے ہو جو تم کو نہیں پتہ ہے)
- (21) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا مَالَ الْوَالِدِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالزَّوْجَىٰ**  
 (اپنے والدین، یتیموں اور زوجہ کے مال سے بچو)
- (22) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا مَالَ الْوَالِدِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالزَّوْجَىٰ**  
 (اپنے والدین، یتیموں اور زوجہ کے مال سے بچو)
- (23) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا مَالَ الْوَالِدِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالزَّوْجَىٰ**  
 (اپنے والدین، یتیموں اور زوجہ کے مال سے بچو)
- (24) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا مَالَ الْوَالِدِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالزَّوْجَىٰ**  
 (اپنے والدین، یتیموں اور زوجہ کے مال سے بچو)
- (25) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا مَالَ الْوَالِدِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالزَّوْجَىٰ**  
 (اپنے والدین، یتیموں اور زوجہ کے مال سے بچو)
- (26) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا مَالَ الْوَالِدِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالزَّوْجَىٰ**  
 (اپنے والدین، یتیموں اور زوجہ کے مال سے بچو)
- (27) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا مَالَ الْوَالِدِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالزَّوْجَىٰ**  
 (اپنے والدین، یتیموں اور زوجہ کے مال سے بچو)
- (28) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا مَالَ الْوَالِدِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالزَّوْجَىٰ**  
 (اپنے والدین، یتیموں اور زوجہ کے مال سے بچو)
- (29) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا مَالَ الْوَالِدِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالزَّوْجَىٰ**  
 (اپنے والدین، یتیموں اور زوجہ کے مال سے بچو)
- (30) **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا مَالَ الْوَالِدِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالزَّوْجَىٰ**  
 (اپنے والدین، یتیموں اور زوجہ کے مال سے بچو)



اللہ رسول اور جبار (العذاب) تمام سفارہ ما سفارہ طرز تر ہونا۔ (28)

بارہ 10 توبہ 29 - عریضہ الحانہ اللعلا (خون) صفت

(منوعہ ماہ فی ذوالقعدہ - ذوالحجہ - صوم - رجب)

10 انفال 64/65 (حرف الموضع علی اللسان)۔

بارہ 10 توبہ 38-39 (اگر لولا تو خون دست پر گزر

اگر لولا تو اس خون پر گزرے اور خون کو تلبہ دیا نہ ہوتا)

توبہ 73 - سفارہ صفت منافع اللعلا کے صفت

81-90 (بند گزر - صوم ما با صفت)

العذاب جو عازلوں کا صفت ہے - شاعت - شافعیوں کا عفت

ومن یقنط امرہ رطلہ  
الاضائقون

17 - الحج - 39 - سطوس کو ظالم لکھا کہ عفت صوم جبار

(27) 17 - الحج - ع 67 ( لكل امة جعلنا منسكاً )

(34 قرآن)

(28) 18 - الحج - ع 77-78 ( جا عدوا في اللد حق تعادله هو احتبيلها )

(29)

سوره فجر - ياره 26 - ع 3, 4

ذالك باق المذنب كفر واستجوا الباطل  
( وذن الذين آمنوا استجوا الحق  
لضاد حق و باطل ) ( يسئلونكم لعنكم به )

سوره فجر ياره 26  
بنايتكم من  
ايضا منوع من  
سوره الفتح يعنى  
ياره 26

” الا تنفروا لعذبكم عذاباً اليماً و ليس بلكم  
ولا تفرّوه شيئاً والله على كل شيء قدير ”

(22)

انوار کے شرح و زوال کا حرکت مستند  
جو تاریخی قانون سے معین ہوگا۔

(داثرہ علیہ و زوال)  
دور تائید کا اثبات

- حکم نمبریں
- i. Definition of Loyalty.
  - ii. Integration of Group
  - + iii. Decisiveness of date.
- کائنات پر

Chap. VIII (23) { عقیدت قرآنی و غایت نزول قرآن }  
 { عقیدہ تشکیل دین و حاکمیت قرآنی - }  
 خدمتِ خداوند

(عقیدت جمعاً نزول)

وہ کوئی قسمی تقویٰ و عقیدت نہیں ہے جس سے عقیدت کی جالی

✓ - اور اگر دم - یا چھ لگانے طریق القلوب

(Five fold technique of revolution)

① - تقاضا عقیدت - Determination of conflict.

② - نتیجہ قرآنی حکایت - Guarantee of decisiveness.

③ - پہلی از وقت لہنگہ ہا ادا لہو - Postponement of premature clash.

④ - اللہ کے رد عمل - Reactions of revolution.

⑤ - رد عمل ہا جواب - Policy as regards every reaction.

تضاداً منقطعاً - تضاداً بنیاداً شرطیاً بیرونیاً یا تضاداً بی لوجیته کو مستثنیٰ کرتا ہے کیوں ضروری ہے؟ تضاد کی اساس - قرآن کا الفرقان بیرونی ہے

(24)

1. بعضی بعض عدد۔۔۔ (بارہ ۱۔ البقرہ ع 36)

2. کجیل میٹھا من لیند میٹھا۔ لیفک الدماء۔۔۔ (۱۔ البقرہ ع 30)

4. (علم یعنی شعور عقیدہ + فونریری دلفنام) محاربت  
انہی اعلیٰ ما لا تعلمون

3. و لولا دفع اللہ الناس لبعضہم بعضی۔۔۔ (بارہ 2 البقرہ ع 251)

4. دفع الناس بالناس۔۔۔ (17 الحج ع 40)

5. ولقد جعلنا لكل نبی عدواً <sup>شتمین اللہ والجن</sup> ~~کلی~~ (8۔ النفاک ع 118)

6. <sup>عدو من المؤمنین</sup> ~~عدو من المؤمنین~~ <sup>انہی</sup> ~~انہی~~ <sup>بکلمتہ</sup> ~~بکلمتہ~~ <sup>لیطیع</sup> ~~لیطیع~~ <sup>واللہ</sup> ~~واللہ <sup>الکریم</sup> ~~الکریم~~~~

7. <sup>ع 78</sup> ~~ع 78~~ <sup>النفال</sup> ~~النفال~~ <sup>بارہ 9</sup> ~~بارہ 9~~

8. اتباع حق > اتباع باطل۔۔۔ (بارہ 26۔ حجر ع 34)

9. اضاء نور حق > اظلم نور حق۔۔۔ <sup>ع 32, 33</sup> ~~ع 32, 33~~ <sup>بارہ 10۔ توبہ</sup> ~~بارہ 10۔ توبہ~~

کونسا تضاد۔ (تضاد لوجی و لوجیہ کا تضاد) <sup>برائت</sup>

تشریح خیرہ کی ضمانت - (عمل اور رد عمل ما لعلون) (کد)

آیت - 1 - لا تمنوا وولا تمزنوا — الا علون . (بارہ 4 - آل عمران)

2 - (بارہ 26 - قرغ 35)   
 139

قد تمنوا وندعوا الی اللہ وانہم الاعلون -   
 واللہ معکم ولن یتزکم اعمالکم

3 - "ولو ما تلکم الذین کنوا لولود اللہ بار ثم لا یبدون ولنا و   
 وللفی سنہ اللہ الی قد خلعت من قبل ولن یدلسنہ اللہ تبدیلا"

(بارہ 26 - القی 22, 23)

بیروگرام برائے التواضع لصادق - (العلون ثولفات کی روشنی میں   
 نفع بخشی اور نہیں برائی ما بردگام)

رد عمل - تین گروہ - القلی - رحمت لید - معلوت کوش

طریق کار -   
 القلیوں - فصلہ انزائی   
 رحمت لیدوں - کو قوت سے بنانا   
 معلوت کوشوں - کو عہدہ سے کرنا (ب لغاب کرنا)

حکمت  
عظیم اور نکر میں فرق — منکر ہی بہت

① قرآن کے مراحل

(صوت، تنظیم، تشریح، تحریر، انقلاب)

سورۃ المائدہ  
(آیات: ۱۲ — ۱۶)

محل  
یا صحیح مراحل

بارہ  
سورۃ قویہ  
(آیت: ۲۳)

غناں اربعہ

توبہ  
۲۳

توبہ

توبہ

تعلق باللہ

ذکر اہل عمران  
۱۰۳  
بارہ  
۴  
الحاکم (الغناں)  
(۱۶۰)

توبہ  
۲

توبہ  
۳

توبہ  
۴

توبہ  
۵

توبہ  
۶

توبہ  
۷

اللہ — آیت: ۲۰

اللہ — آیت: ۲۴، ۲۵

وہ ساری

وہ ساری ان لفظوں اور الفاظ

اللہ (آیت: ۲۲ — ۲۴ — ۲۵)

۲۵، ۳۴، ۳۸

قل ان ان ہاؤکم

اب اللہ من اللہ و رسولہ

وہ ساری

27

للمطلع القلب — "نور" — "نور"

نور القلب، قلب

لغويا معنى بدلنا، علينا

(3)

آل عمران : 144

محمود معنى من أفعال - سعد

الاشفاق (81) : 9

"

ع

- 2

التبوء (2) : 144

(قلب)

- 3

السجدة (26) : 219

"

- 4

الاعراف (7) : 125 — الزخرف (43) : 114

- 5

Continued

توبه : 58 : 39 ، 40 ، 41 ، 42



عقدہ دینا ہے  
اس کی عالمگیریت

28

۱۔ مقصد کا تعین اور اس کی خاصیت پر کامل ایمان (اس کی عالمگیریت)

۲۔ اس کا پرستانہ رویہ

۳۔ مقصد کی عالمگیریت

۴۔ ~~مقصد~~ کامیابی کا حقیقہ یقین / یقین سے حاصل ہو رہا ہے  
۵۔ طریق کار کا تعین

العذب، مساکی العذب  
سماجی العذب

۴۔ طریق کار کی پیچیدگیت

مبارک فقہ تصوف  
(عمائد، اعمال، لفظیں)  
کی تسلیح

دن سماجی سطح پر  
(۱) سماجی سطح پر  
(۲) معاشرتی سطح پر

لفظی بدعالی اور کی بنیاد  
دینی العذب

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# « مَشْتَبَاتُ الْقُرْآنِ »

« مَشْتَبَاتُ لُغَاتِ الْقُرْآنِ »

البرهان على سبيل الرضا والرفق

اللافتة  
مشرطه القادري

م  
الجمهورية

ضمیمہ نمبر ۲

تحریر قائد انقلاب (محررہ ۱۹۷۳ء)



1 MONDAY

JANUARY

اکتوبر ۱۹۶۱ء میں ذین کو القلادی مکر

سے شناسائی ہوئی۔

73 1971ء میں مقام شہید علوم اسلامیہ

پنجاب یونیورسٹی لاہور

2 TUESDAY

استاذی الحکیم ڈاکٹر برہان اللہ

فاروقی

ایم اے پی ایچ ڈی (عربی)

کے خیالات سے مستفید ہوئے۔

اسی دوران

ڈاکٹر برہان اللہ

کابل عارفیہ میں سے عارفیہ میں

3 WEDNESDAY

پور بھٹی ڈیپارٹمنٹ القلادی رہنماؤں کی

تعمیرات کے مطالعہ کے لیے لاہور

ایم اے غزالی اور شاہ ولی اللہ دہلوی سے القلادی

نظریات سے استفادہ کیا۔

4 THURSDAY

JANUARY  
۱۰ جنوری

دردِ قدیم میں سے جمالِ اللہ سے لگنا  
 منقہ فریبہ، حسنِ انسا کے القلوبی  
 رحمانات کے ایسی حاصل کی عین اللہ اللہ اللہ

لوگت القلوبی لفظ نظر سے زبان و سنت  
 لکھنؤ کا مطالعہ کیا ہے

5 FRIDAY

بالآخر ملت اسلامیہ کا

عقد و عہدت جمالِ لہر کے لیلے

”عالمی انقلاب“ کو لہا

مطرح نظر اور حقدِ ریلیت بنا لیا

6 SATURDAY 7 SUNDAY

ہندی کو وقف انقلاب کرتے کا حلف قبلہ باطن  
 سیدنی و مرشدی طاہرین اللہ انقادری دہلوی  
 کے دستِ تقدس پر بصورتِ بیعت لگنا

8 MONDAY

JANUARY

یہ بیعت القلوب

روزیدہ تاریخ 26 جولائی 1972ء

بطلان 14 جمادی الثانی 1392ھ

بوقت 12.30 دوپہر مقام دربار غوثیہ

9 TUESDAY

شارع انگلڈی کوئلہ منقوش ہوئی -

حضرت سیدنا طاہر علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے

یہ بیعت سے پہلے "القلوب" کیلئے

تہذیب و اخلاق فرمائی - اور بیعت

کے بعد سربراہ طابعت عاتق ہوئی

10 WEDNESDAY

کے بعد عزم و استقلال

بیعت و عزت اور کامیابی و کامرانی کی

دعا فرمائی - ایک فوراً بعد میں

11 THURSDAY

JANUARY

• امام زین العابدینؑ کی تربیت سے انقلابی فکر  
 کے ذریعے مشہور مقتدریت عطا کیا۔  
 • ٹائیز کیمونسٹ پارٹی کے چیرمین ماؤزے تنک  
 نے کہا بیف نے انقلابی ولولہ اور جوش پیدا کیا  
 • جمال اللہ نے افسانے "کے افکار نے سہارا

12 FRIDAY

• غمخواروں کو وسعت بخشی اور میں نے

• علم اقبال سے اور اللہ سے عشق اور

• جذبہ جنوں کا سبق دیا۔

• تعلیمات نبوی ﷺ  
 • حضرت محمد ﷺ  
 • حضرت علیؑ

• صحیحہ صوفیہ حال متعین کرنے

• 13 SATURDAY 14 SUNDAY

• اور قرآن مجید سے علم ربوبی کی تہی و تہنہ  
 • اور یقینی

• ضمانت مہیا کی

• مندرجہ کو جنتِ علم میں لے کر پر سو فیصد کا

• سب سے پہلے کیا



15 MONDAY

JANUARY

میں نے اپنے جلد میں معاشری سے اصرار  
اور معاشی اکتھمال کا نقشہ دیکھا۔

میں نے پرورد میں کارفرما خود غرضانہ

دھنیت اور معاد پرستانہ رہنا چاہتا  
کہ اسباب و علل کا کوجم لگانا

16 TUESDAY

جا رہا ہے

میں نے بارہا اس سوال پر اپنی توجہ

ترک کر کے انسان ذاتی معاد کے غلبہ

معاد سے باہر کیوں ہیں نکلتا۔ تعلیم یافتہ

طبقہ بھی محدود معاداریوں سے بندھنوں میں

17 WEDNESDAY

جزو ایوان ہے

بیماری درستیوں کا معاد اس قابل کیوں

کھلا نہیں کہ وہ طلبہ کی فکر کو بلند پرواز

اد سے کہے۔ پتھر سے لڑ جوں مدلی و

میں لکھنؤ و انفرادیت کی اہمیت سے

18 THURSDAY

2 JANUARY

یہوں ناواقف ہیں لیکن اپنی تہذیب و

ثقافت کو بین الاقوامی سطح پر فروغ

دینے کی کوشش کیوں نہیں ہے۔

ہمارے معاشرے کے تمام افراد انفرادی و

19 FRIDAY

اجتماعی سطح پر بے مقصدی اور

عشق کوشی کا شکار کیوں ہیں۔ زبور

تعلیم کے آرائشہ ازباب ذہنی و فکری

البتاسی و انتشار میں کیوں مبتلا ہیں۔

وہ اپنے اندر باطل نظامت کا نشانہ

20 SATURDAY 21 SUNDAY

میں نظر لینے کی حیات کیوں ہیں بلکہ

وہ عذاب مغربی اقوام کی اسلام دشمنی

کے افسوسوں اور عالم اسلام کو ذلیل و

رکوا کرنے کے پروگراموں سے بے خبر

کیوں ہیں۔

22 MONDAY

JANUARY

اور ملت اسلامیہ سے روال و احتیاط کو از سر نو

انجام لایا و ترقی میں کیونکر بدلا جا سکتا ہے۔

میں ایک دستہ پر پٹھا کر جس معاشرے میں

اسلامی اقدار اور اقدار کی صفائی کا شیرازہ

23 TUESDAY

نیشنل سٹیو ویکارو وکان پر

فرد اپنے مفاد و مفادات میں خود غرضی

کے ذریعے پورا کرنے پر مجبور ہو رہا ہے

لہذا یہ سارا نظام معاشرت و معیشت

یکسر بیل کر کے نوسعت گمان ہو جائے

24 WEDNESDAY

کہ ترک خود غرضی سے یہ فرد کے

مفادات از خود پورے ہونے لگیں

اور حقوق از خود تمام و کمال ادا ہونے

لگیں اسوقت کو ہی ذرا مفاد کے

25 THURSDAY

JANUARY

منہ سے ہمارے باہر ہیں لگے گا۔  
 ہر شخص مطالبہ کے ذریعے اپنے حقوق  
 پورے کرے گا اور اس کا روقیہ خود  
 اس کے مفادات کا تحفظ کرے گا۔

26 FRIDAY

نہیں کی کوئی بے پروا اور  
 نہ بیوی۔ کوئی شخص اپنا روقیہ  
 اور نفع بخشی و فتنہ برائی اپنا  
 کھیلے تیار نہ ہوگا۔ معاشرے میں

27 SATURDAY 28 SUNDAY

انفوت و محبت کا فقدان ہوگا۔  
 نیا نیا ادارہ بنایا اور جان لوگ  
 نیا ادارہ دولت سمیت کر کے ہمارے  
 لیے جائیں اور سادہ و غریب لوگ

29 MONDAY

JANUARY

بیادہی اور ہمت سے شروع ہو کر افراد  
کے دست نگرین جائیداد سے اس طرح  
معاشرہ اور ممالک و احوال کا شمار  
یہ جائیداد - افراد سے شروع ہو کر

30 TUESDAY

باعث اطلاق و ذریعہ

کے دور میں جائیداد کے افراد  
معاشرہ پر انسانوں کے باعث مذہب  
سے متفرق ہو جائیں گے اور لوگوں کا  
لا دینا کر کے بن جائے گا

31 WEDNESDAY

یہ منطقی عمل ہے

دوسری سے پورا ہونے اور کوئی معاشرہ  
بھی عقل نہیں کر کے جمع علیہ  
ہیں کر سکیں - لکن انسانی زندگی کے تمام

1 THURSDAY

FEBRUARY

اداروں میں حرکت عمل "عطا لہ حقوق  
 کی بجائے "ابتداءً حقوق و ادائیگی  
 گزار جائے تو ٹوٹے نافرمانی کے ذریعے  
 اس لہجے کو عمل "راخ" کیا جائے تو

2 FRIDAY

معاذی اللہ! ناکر و نمانی میں با  
 زندہ

لیکن یہ کام "القلوب" کے لئے  
 ممکن نہیں۔

انقلاب کو کبھی نہیں ~~ہو سکتا~~

3 SATURDAY 4 SUNDAY

اس میں جان کی بازی نہیں دین  
 کے لئے لایا اور اس سے یہ عظیم مسودہ  
 جو خون دینے والے ہیں یہ ہو سکتا

20/3/73

5 MONDAY

FEBRUARY

میں جا رہا ہوں کہ سر زمین پاک اسی سے اسلم  
 لیتے عالمی القلوب کا مرکز بنے ہیں زندگی  
 کے پر شہدے میں القلوب بیا پیر جائے۔

مرد و عمل کے پیمانے بدل جائیں۔ یہاں سے  
 سادگی اور خوشحالی کا دور دورہ ہو۔

6 TUESDAY

تعمیر و ترمیم پرستی کا نام و نشان نہ لگایا  
 رہے۔ کثرت و شغقت نہ ہو اور ہر دور  
 دیانت و خلوص پر لبر کی عالمی ہو۔

پوری دنیا کے اسلم متحد ہو کر (اسلم ملک)

7 WEDNESDAY

تبدیل "یا" (اسلم ملک) کا من و مایہ "۱"

ما تمام عمل میں لائے۔  
 اور دین حق پر مافیہ کلم شان و شوکت

کے ساتھ عالم انسانیت کا رہنا و رہبر  
 بن جائے۔

8

THURSDAY

FEBRUARY

میں غریب عظیم بنیں اور انفلوئنزا کے زبردہ النامیت  
 کی فلاح و نجات اور اربع و ترقی اور ادرک  
 "اسلام" کے ذریعے ممکن سمجھا رہوں۔  
 اور اسلام کا اعیانہ ایک زمرا ہے

9

FRIDAY

بیمیر القلوب کے بغیر ممکن نہیں۔

القلوب / حیا الیہ ہے اور  
 "عظیم عالمی القلوب" حیا الیہ  
 وار مہندہ ہے۔

10

SATURDAY 11 SUNDAY

میں خود کو وقف القلوب کر کے ملت انڈیا  
 کے اعیانہ کی خاطر اسلام دشمن طاقتوں کے  
 خلاف دلوں دار دین / اولیاء اللہ  
 مجھے دنیا کی کوئی طاقت اس عظیم مقصد



12 MONDAY

FEBRUARY

کئیے بدو جہد باز ہیں رکھ سکتی۔ اور

نہی حالت کا زیر و مجھے اپنے مشی

سے محبت کر سکتا ہے۔ میں نے ایک

رشتہ دارا سے کہیں وہ ان جہد

13 TUESDAY

انہا کر اور ہو سکتی تھی

انہا سے ملنے کے لئے

کہ تو دیکھو وہاں سے

خدا کے فضل و احسان سے

14 WEDNESDAY

ایک ہی جہد میں

میں سے کسی کو

کہ یہ اللہ کے

اور تارکہ کی

15 THURSDAY

FEBRUARY

ہوں بہار کے عزائم سننے میں راہ استنزا اور کرب  
 بہار تم سنو و تصدیق یوں کہ عبادت میں  
 کی۔ در انشاء اللہ جلد میں انہی میں  
 نزل جائیں گے۔ دشا والوں کو شہ و

16 FRIDAY

زاق بہار سے یا اس مسئلہ میں  
 نزل میں یہاں کر سکتا ہے وہ وقت  
 در بین جب وہ انہی الامتوں  
 ان حوزہ اعلیٰ میں بتلیوں کی

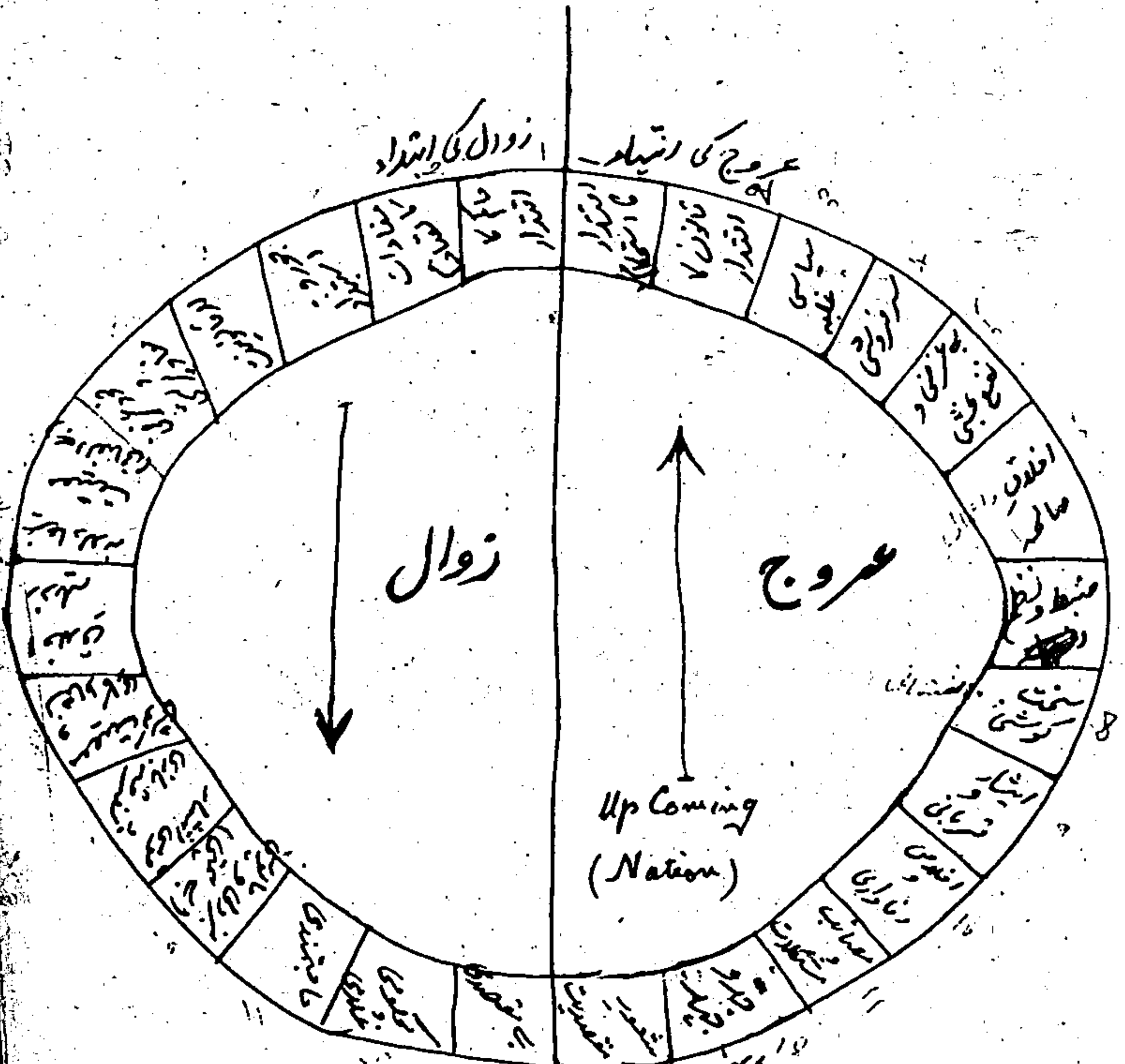
17 SATURDAY 18 SUNDAY

عملی لغتوں میں سے کتب کے بارے  
 کی۔ اللہ عزوجل کے اور ایسے لوگوں  
 کے عزائم میں زبردستی سے اور  
 ہمیں اپنی حد و لغت سے نوازا کے انہی

## ضمیمہ نمبر ۵

جدول خروج وزوال (قائد انقلاب کا قلمی مسودہ)

اشراق کے مروج و زوال کا حرکت مندر  
جو تاریخی قانون سے سین بیوں سے



Prepared on 2 1/76  
[Signature]

ضمیمہ نمبر ۶  
مکتوب علامہ اقبال

۲۸ ص ۱۳۱  
 جاب رافہ

آپ خط مع بیان امر ہے۔

آپ دیکھ کر بے جا کہہ کر مجھ پر کہ عالم گرہا ہے  
 انگریزی ترجمہ دن آٹھ گھنٹہ پندرہ گھنٹہ تک  
 انکار کی کھج کہ اور غزوات پر کھج اعلیٰ کرنے کے لئے اعلیٰ  
 سے پندیشان ہے۔ تو رفتہ رفتہ جدید ماسک اور کلا ترک  
 اور پستور کو اتنے اور کھج پر تو اہل زہن ہے۔ ہر ایک فن و صنایع  
 ماسک اور پندرہ بیان و قواعد و ضوابط کو سن کر اتنے نام  
 ان ماسک پر ہر فن و صنایع پر ہے۔ ماسک ہے تعلیم و ہاں ہر ایک  
 یا کھج ہے ان ماسک پر ہر فن و صنایع پر ہے۔  
 ماسک پر کھج و صنایع پر ہر فن و صنایع پر ہے۔  
 ہر فن و صنایع پر ہر فن و صنایع پر ہے۔

ماسک بعد میں کہتا ہے کہ ہر فن و صنایع پر ہے۔ ماسک ہر فن و صنایع پر ہے۔  
 کہتا ہے کہ ہر فن و صنایع پر ہے۔ ماسک ہر فن و صنایع پر ہے۔  
 اور ان کو اپنا وقت خاص دینا چاہئے۔ ماسک ہر فن و صنایع پر ہے۔

نہا سوائے وقت ضرورت۔ اور یہ ماسک ہر فن و صنایع پر ہے۔

نہا سوائے وقت ضرورت۔ اور یہ ماسک ہر فن و صنایع پر ہے۔

۲۸ مئی ۱۹۴۷ء

جناب رابع صاحب -

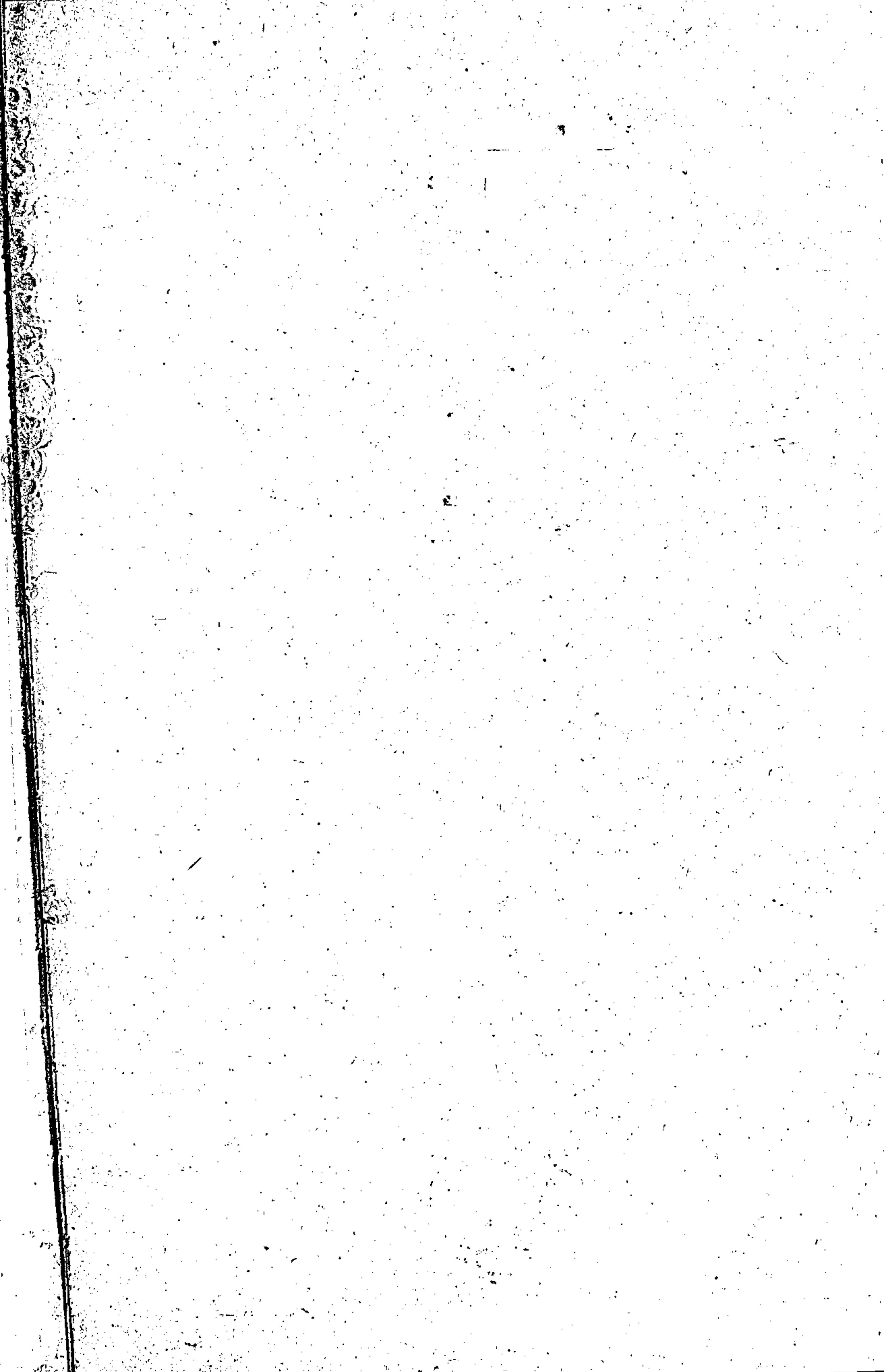
السلام علیکم

آپ کا خط مع میثاق ابھی ملا ہے۔ آپ کی تحریک مبارک ہے۔ کچھ عجیب نہیں کہ عالم گیر ہو جائے۔ انگریزی ترجمہ کی فی الحال کوئی ضرورت نہیں۔ اس وقت تک انتظار کیجئے کہ جب کہ انگریز خود آپ کی تحریک کا مطالعہ کرنے کے لئے انگلستان سے ہندوستان آئے۔ فی الحال اس کا ترجمہ جدید فارسی، عربی، ترکی اور پشتو میں کرائیے اور ممکن ہو تو اہل زبان سے۔ پھر ایک خبر کی صورت میں ممالک اسلامیہ میں اس میثاق و قواعد و مقاصد وغیرہ کو شائع کرائیے تاکہ ان ممالک میں اس کی تحمیل ہو جائے۔ غالباً آپ کی تقلید وہاں بھی ہوگی یا ممکن ہے ان ممالک میں یہ تحریک کوئی اور صورت اختیار کرے۔

مدت ہوئی میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک سیاہ پوش فوج عری گھوڑوں پر سوار ہے۔ مجھے تفہیم ہوئی کہ یہ مسلمان ہیں۔ میرے نزدیک اس کی تعبیر یہ ہے کہ ممالک اسلامیہ میں کوئی جدید تحریک پیدا ہونے والی ہے۔ عری گھوڑے سے مراد روح اسلاف ہے۔ کیا محجب کہ وہ یہی تحریک ہو جس کا آغاز آپ نے کیا ہے۔ ابھی اور محسوس امور ہیں جن پر آپ کو غور کرنا ہوگا اور ان کو اپنی تحریک کے مقاصد کے اجزا بنانا ہوگا۔ مگر ان کا وقت ابھی نہیں آیا۔

قومی سرمایہ کی سخت ضرورت۔ افسوس مسلمان اُمرا پر حُت مال غالب ہے۔

مخلص محمد اقبال - لاہور







Founder Ch. Organiser: Tahir Hameed Qadri  
 Founder Organiser: Muhammad Akhlaq Khan

Ref No. ✓

Dated: 19.4.94

حضرت قاضی صاحب دہلی ہجرت کا مقصد و مقصد  
 اللہ کے بندوں کو اللہ کی راہ میں  
 آپ کی فہم افادات و فتویٰ میں جو غلطی ہوئی ہے اس پر معذرت کی کہ تو درج ذیل امور میں آج  
 ارجمند کتاب مکتوبوں میں۔

(۱) وصیۃ الودیعہ لمد و عودۃ الصدور سے کونسا تفریق تو یہ تو یہ تو یہ الیٰ الحقیقہ صہ؟  
 (۲) ڈاکٹر برہان الدین فاروقی کی کتاب "Concepts of Mujahidat"  
 "Tawhid" میں جو کلمہ ہے اس کا کیا مطلب ہے؟  
 اگرچہ یہ مکتوب ایک قیمتی اوقات کا تفریق کا سبب ہے مگر ضرورتاً اللہ کی نسبت  
 نے درج ذیل مکتوبوں کو لکھا ہے۔  
 وسئل من لکھ اس کتاب کا مقصد؟

وہ مکتوب ہے اللہ کی راہ میں

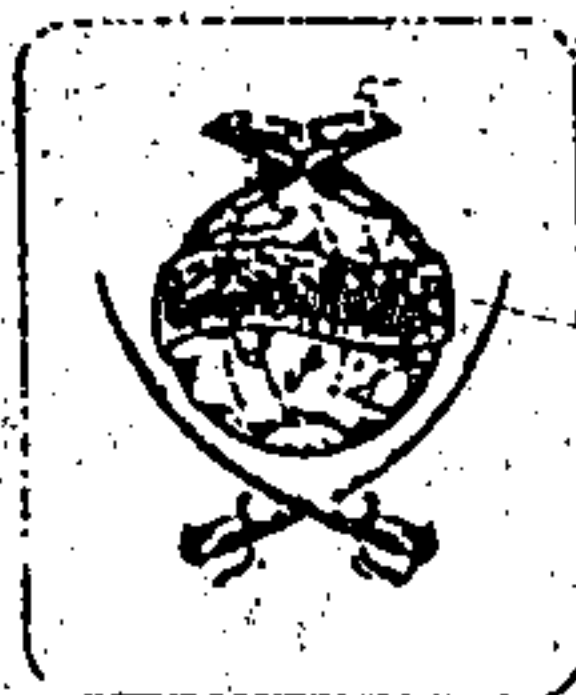
ڈاکٹر برہان الدین فاروقی  
 قلمی مکتوب (۱۹۴۰)  
 (۱۷)

19.4.94

پناہ

فون: ۸۶۷۱۲۲

# اظهارہ مذہب القرآن



پبلیشرز: ...

۲۶۵- ایم اڈل ٹاؤن - لاہور (پاکستان)

تاریخ: ۱۵/۵/۹۹

حوالہ نمبر: .....

پروفیسر ڈاکٹر محمد حنیف صاحب

محترم علامہ عسکریہ قادری صاحب  
اسلام آباد

اپنی مکتوب وصول ہوا ہے پُر محترم قائد محترم نے فرمایا ہے کہ  
" میں وعدت الوجود کا قائل ہوں۔ اور یہ کلام اور صوفیائے عظام  
کی اکثریت (غیر صفا حضرت مجدد الف ثانیؒ کے قبل انہی قائل رہی  
ہے۔ پیرا دنیا مشرب سے ہی ہے۔

در اصل وعدت الوجود اور وعدت الشہود اختلاف و نزاع

کے درمیان کو میں نزاع نہ دیکھ سکتا ہوں۔ بلکہ رائے میں یہ آپ  
ہی حقیقت کر دیکھتے کہ دو مختلف راویے ہیں۔ جو توقع ہے کہ  
شاہ ولی اللہؒ کی تصفیحات اور دیگر رسائل میں بیان کیا گیا ہے  
میں اس کے متفق ہوں۔"

بارہم تعالیٰ ہم سب کا خاص دعا فرمائیے آمین بجا یہ امر کہ

مستحق علیہ درود و سلام۔

دائماً ہمیں دعا فرمائیے

خادم تحریر

محمد سلیم

سیکرٹری

# تراخي فاني

جلد اول

شيخ الاسلام طاهر بن محمد بن طاهر القفاري

مهاج القرآن بلعبر

